

چکر مراد آبادی

کلماتِ حکیم



کلیاتِ جگر

جگر مراد آبادی

تحقیق و ترتیب

نواز چوہدری

فہرست

125	غزلیں	5	جگر صاحب (از رشید احمد صدیقی)
156	پارہ ہائے جگر	18	جگر نمراد آبادی (از مالک رام)
160	تخیلات جگر (دو دردم)	37	تری یاد کا عالم (از رشید احمد صدیقی)
160	غزلیں	53	میر اکلام میری نظر میں (از جگر نمراد آبادی)
176	جگر پارے	57	آتش گل
180	جذبات جگر (دو رسوم)	59	غزلیں
180	غزلیں	105	نظمیں
199	پارہ ہائے جگر	107	افشان
201	واردات جگر (دو چہارم)	108	تجدید ملاقات
201	غزلیں	109	یاد
275	پارہ ہائے جگر	110	سراپا
281	نظمیں	111	قحط بنگال
281	سبارک باد صحت نیابی	111	پھرتے ہیں آستینوں میں خجر لے ہوئے
281	ایک شاعر کا پیغام	112	آج کل
282	انتقال ثواب سعید الملک	113	گانڈھی جی کی یاد میں
282	عمید	113	آوازیں
283	رباعی	116	گذر جا!
283	دیہاتی گانڈھی	117	نوائے وقت!
285	یوم آزادی	118	زمانے کا آقا، غلام زمانہ
286	تکیہ	118	دل حسیس ہے تو محبت بھی حسیس پیدا کر!
287	ساتی سے خطاب	119	اعلان جمہوریت
288	نذیر غالب	120	ساتی سے خطاب
		123	شعلہ سطور
		125	نغمات جگر (دو راؤل)

326	متفرقات	289
327	شعلہ طور	289
339	لمعات طور	291
339	یادایام	292
340	؟؟؟	293
340	گانڈھی	293
340	سہرا نمبر 1	293
340	سہرا نمبر 2	294
341	شکستِ توبہ	296
342	بادۂ شیراز	297
343	آتش گل	298
344	عالمِ مرحوم	300
345	قطعہ	301
349	آتش گل کے بعد (غزلیات)	302
363	قند پاری	303
364	نعت شریف	304
364	خصوصیاتِ محمدیہ	305
364	عہد رسالت تا خلافت راشدہ	306
364	عہدِ حاضر	307
364	معراج	308
365	شمع از حقیقتِ معراج	308
365	قطع و مقطع	308
365	حقیقت و مجاز	319
366	قطعہ (مجاز و محاکات)	319
366	قطعہ	323
366	کلامِ تازہ	324

گیت

شاعر کا خطاب	
غزل	
درِ جگر	
لمعاتِ طور	
شکستِ توبہ	
غمِ انتظار	
تصویر و تصور	
زرگسِ مستانہ	
یادایام	
مجذوب کی صدا!	
نغمہ اسلام	
ہلالِ عید	
برخوش نگاہے کن	
تخمیس بر غزلِ اردو	
تخمیس بر غزلِ فارسی	
مثنوی عرفانِ خودی	
واسوخت در غزل	
میرے لئے	
رباعی	
بادۂ شیراز	
غزلیات	
سراپا	
خطابِ پسرِ مسلم	
غیر مطبوعہ کلام	
داغِ جگر	

جگر صاحب

(رشید احمد صدیقی)

جگر صاحب ان چار سرآمد اردو شعراء میں شمارہ گئے تھے جن کو بیسویں صدی کے ایوان غزل گوئی کے چار ستون کہا جاتا ہے۔ یعنی حضرت فانی، اصغر، جگر اور حسرت۔ کیسے مستحکم یہ ستون ہیں، جن پر جدید غزل کی خوبصورت عمارت قائم ہے۔ باوجود ان تہلکوں اور زلزلوں کے جو اسے پیش آتے رہے۔ جگر صاحب اپنی سیرت و شخصیت کے اعتبار سے اپنے کلام سے بھی زیادہ دلاویز اور قابل احترام تھے۔

بالکل یاد نہیں آتا جگر صاحب سے پہلے پہل کب، کہاں اور کیسے ملاقات ہوئی۔ ممکن ہے الہ آباد میں ہوئی ہو جہاں اصغر صاحب مرحوم ہندوستانی اکیڈمی (یو۔ پی) میں میمنہ اردو کے مشیر ادبی تھے۔ کسی کام سے الہ آباد جانا ہوتا تو میرا قیام اصغر صاحب کے یہاں ہوتا۔ یہ زمانہ اور اس کے بعد کا کافی زمانہ ایسا تھا جب جگر صاحب پر شراب کا کافی تسلط تھا۔ رفتہ رفتہ مجھ سے اتنی راہ و رسم ہو گئی کہ جگر صاحب جب کبھی علی گڑھ تشریف لاتے تو میرے یہاں ٹھہرتے۔ یہاں تک کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بڑے عزیز اور محترم دوست بن گئے۔

الہ آباد میں اصغر صاحب کے سامنے اس طرح خاموش مودب اور آنکھیں نیچی کئے ہوئے بیٹھتے کہ ان سے گفتگو بھی کی جاتی تو ہاں، نہیں میں مشکل سے جواب دیتے اور پھر سر جھکا لیتے۔ اصغر صاحب مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کے ہاں پہنچ جاتا تو وہ ایسے خوش ہوتے جیسے ان کا رواں رزاں مسکرانے لگا ہو۔ ان کے اس طرح خوش ہونے سے مجھ پر آسودگی اور غنوکا ایسی کیفیت طاری ہوتی جیسے میں ان تمام لوگوں کا قصور معاف کرنے لگا ہوں جنہوں نے میرے ساتھ ظلم و زیادتی کی تھی۔

کبھی کبھی وہیں جگر صاحب مل جاتے۔ انہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ خود نہ آئے ہوں

بلکہ کسی نے پہنچا دیا ہو۔ اور اس کے غنظر ہوں کہ موقع ملے تو پھر اپنی مہم پر چلے جائیں۔ ان کے سواجہ میں اصغر صاحب مجھ سے تفصیل سے گفتگو نہ کرتے۔ میں بھی کوئی ذکر نہ چھیڑتا۔ ہم دونوں بیٹھے ہوتے تو جگر صاحب اٹھ کر چلے جاتے۔

اصغر صاحب، جگر صاحب کو زیادہ خاموش یا اکتایا ہوا تو کبھی کبھی مسکرا کر ان کو یہ فقرہ سنا دیتے۔ ”چاہے جہاں پھر، لوٹ کر یہیں آنا پڑے گا۔“ اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر ہنسنا بولنا شروع کرتے۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا۔ ”اصغر صاحب! کہاں آنا پڑے گا پچارے آتو جاتے ہیں۔“ اصغر صاحب میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ ان کی آنکھیں ان سے زیادہ مسکراتی تھیں۔ پھر بولے۔ ”ابھی کہاں آتے ہیں؟ ابھی تو لائے جاتے ہیں۔“ ایک دفعہ الہ آباد پہنچا تو اصغر صاحب کی ہاں جگر صاحب پھر اسی حال میں ملے۔ کھانے کا وقت آیا تو میں اور اصغر صاحب کھانے کے کمرے کی طرف چلے۔ جگر صاحب نے شرکت سے معذوری کا اظہار کیا۔ اصغر صاحب اس دن کچھ بدحظ سے معلوم ہوتے تھے۔ چلتے چلتے کھڑے ہو گئے اور جگر صاحب کو مخاطب کر کے بولے۔ ”یہ سب تمہارے شعر نہیں سنتے تمہارا گوشت کھاتے ہیں۔“ اصغر صاحب کی آزر دگی پر کسی قدر برہمی کا رنگ چھانے لگا تھا۔

میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھانے کے کمرے میں داخل ہوا۔ اصغر صاحب کھانے کی طرف متوجہ ہوئے تو میں نے کہا۔ ”اصغر صاحب! آپ تو لکھنؤی شاعری کے تشبیہ استعاروں کے کبھی شیدائی نہ تھے، یہ گوشت کا کیا قصہ ہے؟“ کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ کچھ خشگیں لیکن زیادہ حزیں لہجے میں بولے۔ ”رشید صاحب! آپ کو کیا معلوم ایسے ایسے بے رحم لوگ بھی ہیں جو ان کو جہاں چاہتے ہیں پکڑ لیتے ہیں، اور یہ جو یہ اسپرٹ ہوتی ہے نہ، وہ پلا پلا کر ان سے شعر سنتے ہیں اور جب یہ ادھر مرے ہو جاتے ہیں تو یکے پر لاد پھاند کر یہاں پہنچا دیتے ہیں۔“ میں نے دیکھا کہ اصغر صاحب بے کیف ہو گئے ہیں اور کھانے سے بھی ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ میں نے پوچھا۔ ”آپ نماز تو پڑھتے ہیں؟“ بولے۔ ”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”..... صاحب تو آپ کو صاحب کشف و کرامات بھی بتاتے ہیں۔“ بولے۔ ”جی! تو پھر؟“ میں نے عرض کیا۔ ”..... صاحب نے آپ کا ایک شعر سن کر آپ کو مستجاب الدعوات بھی قرار دیا تھا۔“ بولے۔ ”آپ بھی تو کچھ کہتے؟“ میں نے کہا۔ ”آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ جگر صاحب کا گوشت کھانے والے و بخییرین ہو جائیں۔“ اصغر صاحب ہنس پڑے اور ہم دونوں کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کھانا کھلانے پر جو ملازم مامور تھے اس سے پوچھتے جاتے تھے یہ کھانا یا وہ کھانا جگر صاحب کے لئے رکھ دیا ہے یا نہیں۔ اس سے اطمینان نہیں ہوتا تھا تو ڈونگے اور پلیٹ سے نکال کر غلیحہ پلیٹوں میں رکھتے جاتے اور کہتے جاتے۔ ”یہ سب جگر صاحب کے لئے رہے۔ بغیر کھانا کھلائے ان کو باہر نہ جانے دینا۔“

میرے گھر کا ہر چھوٹا بڑا جگر صاحب کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ یونیورسٹی اور شہر میں بھی جگر صاحب محبوب اور مقبول تھے۔ اس زمانہ میں بھی شراب کا بڑا زور تھا۔ اکثر غافل اور بد مست شہر سے لائے جاتے۔ یونیورسٹی کے اندر کوئی نہ کوئی طالب علم مل جاتا تو ان کو میرے ہاں لاتا۔ میں گھر پر نہ موجود ہوتا تو وہ کمرے میں پہنچا کر دیکھ بھال میں مصروف ہو جاتا۔

یہ طالب علم جگر صاحب کی نرسنگ اس طور پر کرتے جیسے کوئی اپنے باپ یا بھائی کی خدمت کر رہا ہو، یا کوئی نرس نرسام میں مبتلا مریض کی نرسنگ کرتی ہو۔ اور یہ اس زمانہ کی بات ہے جب جگر صاحب اور یہ طالب علم دونوں اپنی اپنی جگہ پر ان بالکوں سے کم نہ تھے جن کے قہے تاریخوں اور داستا نوں میں ہم پڑھتے آئے ہیں۔

میں آ جاتا تو طالب علم چلے جاتے اور معلوم نہیں کیوں اور کیسے جگر صاحب خاموش اور مودب ہو جاتے۔ لیکن ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ رہ کے سمندر کی تہہ سے کوئی طاقت ور موج ابل کر باہر آنے والی ہو۔ لیکن سطح کے قریب پہنچ کر ایک بیک زور ختم کر کے واپس چلی جاتی ہو۔

یہ باتیں میں اس لئے نہیں بیان کر رہا ہوں کہ اس میں میری بڑائی نکلتی ہے۔ میری یہ نیت ہوتی تو میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اس بھونڈے طریقے سے ان کی نمائش کرتا۔ جگر صاحب سے مجھے یہی شکایت تھی کہ وہ میرے سامنے مودب کیوں ہو جاتے ہیں۔ مجھے ایسے آدمی سے ملنے میں بڑی الجھن ہوتی ہے جو مجھے ہر وقت گارڈ آف آنر دیتا رہے۔ اور اس سے بھی کچھ کم کوفت اس وقت نہیں ہوتی، جب کوئی شخص میرے سامنے مجھ سے زیادہ مسخرابنے کی کوشش کرتا ہے۔

جگر صاحب اپنے حلقہ کے لوگوں میں بیٹھے ہوتے تھے، تو بہت خوش اور بے تکلف ہوتے تھے۔ ایسے میں جگر صاحب کے پاس جانے سے پرہیز کرتا تھا۔ لیکن اتفاق یا ضرورت سے نیچے جاؤں تو وہ اس طرح خاموش اور سنجیدہ ہو جاتے، جیسے مکتب کے چھوٹے نیچے ہنس بول یا اوہم چار ہے ہوں اور دفعتاً مولوی صاحب نمودار ہو جائیں۔

جگر صاحب مجھ سے یقیناً بہتر انسان تھے۔ وہ مجھ سے مساوات برتیں میری عیادت کریں، مجھ سے خدمت لیں، مجھ سے جھگڑیں یا مذاق کریں، یہ ساری باتیں سمجھ میں آتی تھیں۔ لیکن وہ مجھے حرمین شریفین قسم کا مولوی یا کسی اردو اخبار کا آبرو باختہ ایڈیٹر، یا برطانوی عہد کا تھانیدار سمجھیں، یہ میرے لئے ڈوب مرنے کی بات تو تھی ہی، خود جگر صاحب کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں تھی۔

میرا خیال ہے کہ ان کے ہاں میرا جو رکھ رکھاؤ تھا، غالباً اس تعلق سے تھا جو مجھے اصغر صاحب سے یا اصغر صاحب کو مجھ سے تھا۔ اس طرح کی باتوں کا جگر صاحب بڑا لحاظ کرتے تھے۔ وضع داری شریفوں کی پرانی کمزوری ہے۔

ایک دفعہ خبر آئی کہ جگر صاحب شراب سے تائب ہو گئے ہیں۔ یقین نہ آیا کہ ایسا ہوا ہوگا۔ سمجھتا تھا کہ آج نہیں کل یہ خبر آئے گی کہ پھر سے شروع کر دی۔ بڑی عادتیں اس آسانی سے نہیں چھوڑتیں جس آسانی سے اچھی عادتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ سوچتا تھا کہ جب میں اپنی معمولی بڑی عادتیں چھوڑنے پر قادر نہیں ہوں تو جگر صاحب شراب کیسے چھوڑ دیں گے۔ وہ اس طرح ڈوبے ہوئے تھے جس طرح شاید جوش گرنیہ میں غالب کا دل ڈوبی ہوئی انسانی تھا۔ جگر صاحب شراب سے کیوں اور کیسے تائب ہوئے؟ اس کا مجھے علم نہیں۔ اس بارے میں ان سے کبھی ذکر نہیں آیا۔ اتنا البتہ جانتا ہوں کہ ان پر شراب کا کتنا ہی غلبہ کیوں نہ ہوتا ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوتی جسے معتدل کہہ سکیں۔ ان کی زبان سے سخت کلمات نہیں نکلتے تھے۔ وہ کبھی لوتے پوتے، دند مچاتے نہیں پائے گئے۔ مجھے تو اکثر محسوس ہوا جیسے کیفیت و سرخوشی بخشنے کے بجائے شراب ان کو انتہائی درد و کرب میں مبتلا کر دیتی ہو۔ ان پر تھوڑی شراب بھی بہت اثر کرتی تھی۔

ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے اعضاء بڑے ذکی الحس تھے اور تھوڑی سی تحریک بھی بہت ہو جاتی ہو۔ شاعری میں بھی ان کا یہی حال تھا۔ جیسے خیال یا جذبہ برقی رو میں کر ان کے جسم و جان کو جھنجھنا دیتا ہو۔ کچھ دنوں سے ان کے کلام میں یہ بات بظاہر کم ہو گئی تھی۔ لیکن غور کرنے پر محسوس ہوتا تھا کہ جو بات کہی گئی ہے اس میں تاثرات کی شدت ہے، لیکن ان کو پیش کیا گیا ہے زیادہ مدہم آواز اور انداز میں۔

جگر صاحب کی شاعری میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے۔ کہ اصلاً وہ دوری و مجھوری کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کی رفتار اور سمت کا مطالعہ کیا جائے تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ فراق کے شاعر ہیں، وصال کے نہیں۔ ان کا محبوب سے رشتہ کا انداز Centrifugal (مرکز گریز) ہے۔ یہی سبب ہے کہ جگر صاحب کی شاعری میں محبوب کی عفت میں کوئی خلل نہیں نظر آتا۔ اور ان کا کلام اس آلودگی اور بے راہ روی سے پاک ہے جو ہماری شاعری اور سوسائٹی میں نظر آتی ہے۔ میرا کچھ ایسا خیال ہے کہ جو شاعر ذہن و فکر کے اعتبار سے محبوب سے قریب اور جسم و جان کے اعتبار سے دور سے دور ہو وہ اس شاعر سے بالعموم بہتر اور برتر ہوگا جس کی پوزیشن اس کے برعکس ہو۔ جگر کے نقاد کو یہ نکتہ مد نظر رکھنا چاہئے۔

شراب چھوڑنے کے بعد جگر صاحب طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ یہ زمانہ ان پر بڑا سخت گزرا۔ صحت خراب ہو گئی، طرح طرح کی ذمہ داریوں نے آگھیرا۔ مالی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ جگر صاحب نے جس پامروزی سے ان مصیبتوں کو جھیلا، وہ جگر صاحب کا رزمیہ ہے۔ کتنے اور کیسے ”روز ابرو شب ماہتاب“ آئے ہوں گے اور جگر صاحب پر سے گزر گئے ہوں گے۔ اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔“

جگر صاحب بڑی مذہبی آدمی تھے۔ مذہبی لوگوں کے بارے میں میرا تجربہ کچھ اچھا نہیں ہے۔ میں نے اکثر ایسے لوگوں کو مذہب میں جتلا پایا جن میں خاصی اخلاقی کمزوریاں ملتی ہیں۔ یہ لوگ خدا کو اس منطوق سے قائل کرتے رہتے ہیں۔ ”میں جتنی شادیاں کرنا اور طلاق دینا ہوں اتنی ہی زائد رکعتیں نماز کی بھی تو پڑھ لیتا ہوں۔“ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح امریکہ ہر چیز کی قیمت ڈالر میں وصول کرتا ہے، اللہ تعالیٰ..... ان کے گناہوں کا کفارہ نفلوں میں قبول کر لیتا ہے۔

مذہب بڑی سخت اور قابل قدر آزمائش ہے۔ بالخصوص مسلمانوں کا مذہب۔ جس طرح کے مذہبی لوگ میرے پیش نظر ہیں وہ اس درجہ کے بیوقوف ہوتے ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جب وہ اپنے ارد گرد کے معمولی لوگوں کو دھوکہ نہیں دے سکتے تو وہ خدا کو کیونکر دھوکہ دیں گے جس کی صفات کا ان کو علم ہے۔ یقین ہو یا نہ ہو، ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ خدا نے اپنے سارے اختیارات ان بندوں کو ہمیشہ کے لئے منتقل کر دیئے ہیں جن کا وہ حق مارتے رہتے ہیں۔ ایسے معاملات میں وہ خدا کے ہاں جتنی عرضیاں بھیجتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو پڑھے بغیر عدالت مجاز کو واپس کر دیتا ہے۔

ان میں بعض ایسے معصوم بھی ملیں گے جو اس کوشش میں رہتے ہیں کہ خدا کو نہ سہی ان کے فرشتوں کو ہی دھوکہ دے کر کار براری کر لیں جو ان کا اعمال نامہ مرتب کرنے کے لئے کاندھوں پر بٹھا دیئے گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ آخرت میں پٹواری کے اندراجات کی بنا پر مقدمہ جیت لیں گے۔

جگر صاحب ان معنوں میں مذہبی آدمی تھے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ اور انسان کے حقوق کو پہچانتے تھے۔ اور ان کا لحاظ رکھتے تھے کہ جس کا جو حق ہو، اسے پہنچ جائے۔ وہ نفع کے ضرر اور ضرر کے نفع کو جانتے تھے۔ ان میں حیا تھی۔ وہ پرائی چیز کو اپنانے کے ور پے نہیں ہوتے تھے۔ ان میں غیرت اور حمیت تھی۔ ظلم اور زیادتی اپنے پر ہو تو جھیل جاتے تھے۔ دوسروں پر ہو تو اس کی حمایت میں اپنے کو خطرے میں ڈال دیتے تھے۔ ان کے یہ جو ہر تقسیم ملک کی ہلاکتوں میں کھلے۔ تفصیل میں طوالت ہے۔

جگر صاحب عالم فاضل نہیں تھے۔ مذہب ہو یا سیاست ہو یا شعر و ادب ہو ان پر ان کی گفتگو منطقیانہ یا فلسفیانہ نہیں ہوتی تھی۔ ان کا احساس جتنا سرج اور شدید تھا اتنا ان کا مطالعہ وسیع نہیں تھا۔ وہ خود اپنی شاعری کے بارے میں تفصیل سے گفتگو نہیں کر پاتے تھے۔ وہ اپنی شاعری سے باہر نکل کر کسی اور کی شاعری پر غور کرنا نہیں چاہتے تھے۔ شاید غور کر بھی نہیں سکتے تھے۔ جس کے جذبات تند و تیز ہوں وہ غور کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جگر صاحب اقبال کی شاعری کے کچھ ایسے قائل نہیں تھے۔ فانی بھی نہ تھے دونوں کا یہ کہنا ہے کہ شاعری میں فکر و فلسفہ کیسا؟ حالانکہ دونوں، بالخصوص جب جگر جہت و جہاں سے بلند ہوتے ہیں، اقبال کے قریب ہو جاتے ہیں۔ لیکن جگر صاحب شعر و شاعری کے بارے میں جو کچھ کہتے تھے وسعت اور وزن سے قطع نظر اس میں خلوص کی پاکیزگی اور یقین کی محکمگی ملتی تھی۔

میں نے جگر صاحب کو تقریباً ہر حال اور ہر صحت میں دیکھا ہے۔ خوبصورت نوجوان آزاد منشا، عورتوں میں ماں بہن بیٹیوں میں عمامہ اور اکابر کی موجودگی میں، طلباء اساتذہ اور دوسرے سنجیدہ اور ثقہ حلقوں میں گفتار و کردار کے اعتبار سے میں نے ان کو کہیں قابل گرفت نہیں پایا۔ عورتوں کی موجودگی میں جگر صاحب عقیف و شفیق نظر آتے تھے۔ ان کی زبان سے کوئی ہلکی بات نہ نکلتی تھی، اور نگاہ کبھی بے باک اور بے محابہ نہ ہوتی تھی۔ عورتوں کی موجودگی سے قطع نظر بے تکلف دوستوں میں میں نے کبھی یہ نہ دیکھا کہ جگر صاحب نے بے خیالی میں تفریحاً کوئی ایسا جملہ کہا ہو جس میں عورتوں سے تفریح یا عورتوں کی تضحیک کا پہلو نکلتا ہو۔ کم سے کم میری جان پہچان کا کوئی اردو شاعر ایسا نہیں ہے سوا فانی مرحوم کے، جو اس بارہ خاص میں جگر صاحب کا مقابلہ کر سکے۔

رؤسا اور امراء کے سامنے جگر صاحب حتیٰ الوسع اپنا اور ان کا دونوں کا رکھ رکھاؤ ملحوظ رکھتے تھے۔ لیکن اس طرح کی صحبتوں میں جگر صاحب کی طرف سے میں ہمیشہ منزدور رہا۔ اس لئے کہ معمولی آدمیوں کی بدتمیزی وہ بالعموم نظر انداز کر دیتے تھے، لیکن کسی بڑے آدمی سے ذرا بھی کوئی ناداجب حرکت سرزد ہو جاتی تو جگر صاحب بغیر کچھ کہے یا کئے نہ رہتے تھے۔ چاہے اس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ بھوپال کے نواب زادہ رشید الظفر صاحب زمانہ طالب علمی سے جگر صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک زمانہ میں انہوں نے جگر صاحب کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اور کسی طرح کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی کہ وہ کیا کریں، کہاں رہیں۔ اس زمانہ میں والیان ریاست میں سے اکثر یہ چاہتے تھے کہ جگر صاحب ان سے وابستہ ہو جائیں۔

ان میں سے ایک جو بہت بڑی ریاست کے چشم و چراغ تھے، اس کے درپے ہوئے کہ جگر صاحب جس معاوضہ اور شرط پر چاہیں اس کے متوسلین میں شامل ہو جائیں۔ طرح طرح کے ڈورے ڈالے گئے۔ جگر صاحب کی مالی حالت خراب تھی بھوپال کے وظیفہ سے بس اوقات ہوتی تھی۔ جگر صاحب اس ”آفر“ کو خوش اسلوبی سے ٹالتے رہے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ رئیس نے برملا اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ جگر صاحب نے بات ٹالنی چاہی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اصرار بڑھا اور اصرار میں رنگ نمارت کا بھی جھلکا۔ جگر صاحب بے قابو ہو گئے، بولے، ”جناب آپ مجھے داموں خریدنا چاہتے ہیں۔ میں تو رشید الظفر کے ہاتھوں بک چکا ہوں“

حاضرین سناٹے میں آگئے اور جگر صاحب گھر آ گئے۔

جگر صاحب میں مردوت اور وضع داری بہت تھی۔ جس سے رسم ذراہ ہو جائے ان کے لئے وہ تمام آداب برتتے جو شریفوں میں قدیم سے چلے آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بڑے دھوکے کھائے، اور نقصان اٹھائے۔ جگر صاحب کا شمار کھاتے پیتے لوگوں میں نہیں تھا۔ مدتوں بڑی تنگی ترشی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائٹ لٹک ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

سے بسر ہوئی۔ خرچ آمدنی سے بہت زیادہ تھا، لیکن انہوں نے اپنی تنگدستی کا اظہار کبھی کسی سے نہیں کیا۔ مہمان کا خیر مقدم اس طرح کرتے جیسے ان کے گھر خیر و برکت کا نزول ہو رہا ہو۔ مکریم و تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھتے۔ کپڑے اچھے پہنتے، سامان قیمتی رکھتے، جس کو ہمیشہ کوئی نہ کوئی مانگ لیتا، یا چرا لیتا، ورنہ خود کہیں کھواتے۔

جگر صاحب جب کبھی میرے ہاں آئے، میں نے یہ سوال کیا۔ ”جگر صاحب سفر میں کیا کھو آئے؟“ اور تقریباً ہمیشہ یہی معلوم ہوا کہ کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں چھوڑ آئے ہیں۔ ایک دفعہ مشاعرے میں جو کچھ ملا تھا اسے جیب میں رکھ لیا۔ جن کے ہاں ٹھہرے تھے انہوں نے جگر صاحب کو دیکھ بھال کے لئے اپنے کسی عزیز کو مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے جگر صاحب کی بڑی خدمت کی، ہر وقت موجود رہتے، اور اظہار عقیدت کرتے۔ جگر صاحب کو غافل سمجھ کر انہوں نے سارے روپے نکال لئے۔ جگر صاحب کہتے تھے کہ وہ یہ سب دیکھ رہے تھے، لیکن چپ رہے۔ میں نے پوچھا۔ ”یہ کیوں؟“ بولے۔ ”یہ واقعہ ایسے وقت رونما ہوا جب میں جائے قیام سے رخصت ہو کر اسٹیشن آ رہا تھا۔ بہت سے لوگ موجود تھے۔ کچھ اچھا معلوم نہ ہوا کہ وہاں اس چوری کا اعلان کروں، اور کسی شریف آدمی کو رسوا کروں۔“

جگر صاحب جس کے مہمان ہوتے تھے اس پر بہت کچھ اپنا ہی صرف کرتے تھے۔ میں نے غصہ میں ان کو آپے سے باہر ہوتے نہ دیکھا۔ حکم چلاتے نہ پایا۔ اپنی بڑائی کبھی ان کی زبان پر نہ آئی۔ دوسروں کے عیب انہوں نے کبھی نہیں ڈھونڈے، نہ کبھی ان کی تشہیر کی۔ ایسے لوگ کم ہیں جو اپنی بڑائی جتانے کے لئے ایسا نہ کرتے ہوں۔ جگر صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ عام شعراء کی مانند اس تاک میں نہیں رہتے تھے کہ کوئی غریب اور شریف مل جائے تو اسے اپنے اشعار سنانا کر ادھ مرا کر دیں۔

جگر نے بھی غزل کے اسی بدنام کوچہ میں پرورش پائی تھی۔ داغ کی شاگردی نے انہیں سستے نشے کا مزہ بھی چکھایا تھا اور محض زبان کے لطف و بیان کے چٹخارے سے بھی آشنا کر دیا تھا۔ مگر جگر کی عظمت یہی تھی کہ انہوں نے اس کوچہ میں قیام نہیں کیا۔ وہ داغ کے شاگرد تھے مگر داغ نہ بن سکے۔ وہ اصغر کے مداح اور عقیدت مند تھے، مگر اصغر نہ بن سکے۔ کیونکہ ان کے اندر ایک لذت پرست کا دل تھا، اور نہ ایک صوفی کا۔ وہ تو ایک ایسے سرمست اور سرشار انسان کا دل لے کر آئے تھے، جس کے پاس صرف ایک دولت تھی، خلوص کی دولت۔ اور صرف ایک قوت تھی، محبت کی قوت۔

مجھے جگر کی شاعری کی جن خصوصیات نے متاثر کیا ہے ان میں سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شاعری ذات کا پر تو ہے، سخن کا پر وہ نہیں۔ یہاں صرف ان احساسات اور جذبات کی جھلک لگتی ہے جنہوں نے شاعر کو بے چین کیا ہے مضطرب رکھا ہے۔ یہاں وہ مضامین نظم ہوئے ہیں، جنہوں نے زبردستی شاعر کو مجبور کر کے اپنے کو نظم کیا ہے۔ یہ آسان بات نہیں۔ اس کے لئے زبردست

جرات اور ہمت کی ضرورت ہے جو ہر مصلحت کو ٹھکرا کر آگے بڑھ سکے۔ دوسروں سے خلوص برتنا آسان ہے، اپنے سے خلوص برتنا بہت مشکل ہے۔ جگر کی سب سے بڑی جیت یہی ہے کہ انہوں نے اپنے فن پر کبھی مصلحت کا نقاب نہیں ڈالا۔

جگر نے شراب اور شباب کی شاعری کی ہے۔ اور ان کی زندگی کے یہ گوشے بھی کسی کی نظروں سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ شراب کو انہوں نے اپنایا، اور اس دھڑلے سے پی کہ شاید ہی اتنی سستی اور اتنی زیادہ شراب ہندوستان کی کسی زبان کے شاعر نے پی ہو۔ جب سب کو جگر کے شعر مارے ڈال رہے تھے، اس وقت جگر کو شراب مارے ڈال رہی تھی۔ شاید و شباب سے ان کے ربط و ضبط بھی چھپے نہیں ہیں، اور انہوں نے اپنی رندی اور اپنے عشق و ذوق کو پاک اور بے لاگ رکھا۔ ایسا رند پازسا اور ایسا پاکیزہ مشرب شاید باز شاید ہی اردو ادب نے کبھی پیدا کیا ہو۔ لہذا جگر کی غزل میں خمریات کا ذکر جگ بیتی نہیں، آپ بیتی کا حکم رکھتا ہے۔ عشق اور واردات قلبیہ شاعری ہی نہیں تھی، زندگی تھی۔ اس میں حقیقی تجربہ کار رنگ بھرا گیا تھا، اور وہ ذاتی کیف و درد اور سوز و نشاط کی آواز بن گئی تھی۔

شراب و شباب جگر کے ہاں آلودگی پر ختم نہیں ہوئے۔ داغ سے جولذتیت اور حیات کا خزانہ انہیں ملا تھا، اسے اصغر کے تصوف نے نکھار کر آلودگی سے پاک کر دیا تھا۔ ان کے ہاں عشق، وصال کے مزہ کا نام نہ رہا، ہجر کا کیف بن گیا۔ جگر کی شاعری محبوب کو پانے سے زیادہ جذبہ عشق سے عشق کرنے کی شاعری ہے۔ وہ جذبہ عشق جو محبوب سے ملتا نہیں، البتہ اس سے ملنے کی تمنا میں مستقل تڑپاتا ہے۔ اور یہ تڑپ، یہ خلش، یہ غم وہ کلید ہے، جو کائنات کے بھید کھولتی چلی جاتی ہے۔ جو یہ بتاتی ہے کہ اصل بصیرت ذات میں گم ہو جانے میں نہیں ہے، بلکہ نشاط سے آگے بڑھ کر غم دو جہاں کے زہر کو شوکی طرح پی کر کائنات کے وجود کے دائمی کرب کا ہم راز ہو جانے میں ہے۔ انسان دوستی، عالمگیر ہمدردی اور اخوت کے مبارک جذبے غم سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ غم محبوب کا حسین اور بیش بہا عطیہ ہے۔

ہجر سے شاد ، وصل سے ناشاد

کیا طبیعت جگر نے پائی ہے

اک شاہد معنی و صورت سے ملنے کی تمنا سب کو ہے

ہم اس کے نہ ملنے پر ہیں فدا، لیکن یہ مذاق عام نہیں

غم کہ ہے زینہ صفات و ذات

غم نہیں ہے تو آرزو، نہ حیات

یہاں محبوب کا کوئی کم معیار تصور نہیں ہو سکتا۔ جگر کا محبوب نہ شاہد بازاری ہے اور نہ بے رحم جلاو۔ بلکہ دراصل وہ عاشق کی تکمیل ذات کا ایک ذریعہ ہے۔ وہ خود بھی شاعر ہی کی طرح درد و کیف

سے آشنا ہے۔ وہ بھی شاعر کی ذات کی سرمستی اور دلہانہ پن میں شریک ہے۔
 ہاں ہاں، مجھے کیا کام مری شدت غم سے
 ہاں ہاں، نہیں مجھ کو ترے دامن کی ہوا یاد
 ملتا جلتا ہے مزاج حسن ہی سے رنگ عشق
 شمع گر بے باک ہے، گستاخ پروانہ بھی ہے
 جسے خود بھی عشق کی دولت عزیز ہے، اور جو عشق کے دل کی بات کو لفظ و معنی کے اشاروں کے
 بغیر بوجھ سکتا ہے۔

ابھی ہے دل کو مقام سپردگی سے گریز
 اک اور بھی سہی گیسوئے غمیریں میں شکن
 بیٹھے ہیں بزم دوست میں، گم شدگان حسن دوست
 عشق ہے اور طلب نہیں، نغمہ ہے اور صدا نہیں
 اور اسی لئے حسن کا درجہ ان کے ہاں پرستش کا نہیں، رفاقت کا ہے۔ مگر وہ رفاقت جو پاکیزہ
 ہے۔ جو اس قدر مقدس ہے کہ میر کے لفظوں میں۔

دور بیٹھا غبار تیر اس سے
 عشق بن یہ ادب نہیں آتا
 کی مصداق ہے۔ اس پاکیزگی کا ذکر جگر سے ان الفاظ میں کیا ہے۔
 وہ ہزار دامن جاں سہی، مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے
 جسے خاک پا تری چھو گئی، وہ برا بھی ہو، تو برا نہیں!
 مری طبیعت کو حسن فطرت سے ربط باطن نہ جانے کیا ہے
 مری نگاہیں کبھی نہ اٹھیں طہارت چشم تر سے پہلے
 غم انسانی زندگی کی بصیرت کی کلید ہے، اور غم محبت کا فیضان ہے۔ لہذا جگر کے نزدیک محبت ہی
 زندگی کا آدرش ہے، اور اسی مرکز پر انسانی سماج کی تشکیل ہونی چاہئے۔
 میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

اسی لئے وہ ایک انسانی سماج کا تصور کرتے ہیں، جس میں افراد اور قومیں خود غرضی اور تعصب
 کے بجائے محبت، راست کرداری اور خلوص کو نظام حیات قرار دے سکیں۔ ان کے نزدیک اصلی علم و
 عرفان یہی ہے اور اگر تہذیب کے ساری ملمع اور علم و سائنس کی ساری ترقی کے باوجود انسان کی داخلی
 زندگی میں انقلاب نہ پیدا ہو سکا اور وہ خود غرضی، لالچ، تعصب اور تنگ دلی سے باہر نہ نکل سکا، تو ان

کے نزدیک انسانیت کی ترقی بے کار ہے۔
 دل میں اگر نہیں، تو کہیں روشنی نہیں تسخیر مہر و ماہ مبارک تجھے مگر
 کہاں سے بڑھ کے پہنچے ہیں، کہاں تک عمل و فن ساقی!
 مگر آسودہ انساں کا نہ تن ساقی، نہ من ساقی
 گھٹ گئے انساں، بڑھ گئے سائے جہل خرد نے دن یہ دکھائے
 جگر کے نزدیک انسان کی راست کرداری اور جرات مندانه خلوص اس کی سب سے اہم
 خصوصیات ہیں۔ اور اسی لئے جب انہیں اپنے وطن میں راست کرداری، جرات مندانه خلوص اور
 وسعت نظری کی نظر آتی ہے تو وہ مصلحت پرستی کے بغیر پورے خلوص اور کرب کے ساتھ اس پر تنقید
 کرتے ہیں۔ گاندھی جی کے بہت سے مرثیے لکھے گئے۔ مگر جگر کی چھوٹی سی نظم ان سب پر بھاری
 ہے، کیونکہ اس میں وہ گاندھی جی کے سیاسی کردار سے زیادہ ان کے خلوص، ان کے پیغامِ محبت اور
 راست کردار پر زور دیتے ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ جمہوریت کا صحیح معیار فرد ہے۔ جو تہذیب بہتر افراد کو جنم دے سکتی ہے، وہی
 معیاری تہذیب کہلانے کی مستحق ہے۔ جگر ان معنوں میں اپنے دور کے ہندوستان اور اپنے دور کی
 مہذب دنیا سے نا آسودہ ہیں۔ وہ انہیں مادی آسودگی اور ظاہری چمک دمک کے سامان دیتی ہے۔ مگر
 انسان کی باطنی آسودگی اس کی راست کرداری کا حل اس کے پاس نہیں ہے۔ انسان کی مادی ترقی اور
 اس کے زوال کا یہی تضاد ہے، جسے کردار کے بحران سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ دن بدن زیادہ آسائش
 پسند، زیادہ متمول اور زیادہ طاقتور ہوتا جا رہا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کی خود غرضی اور مصلحت
 پرستی، اس کی تنگ نظری اور تعصب بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ جگر اس عظیم نفسیاتی اور ذہنی بحران پر سخت
 تنقید کرتے ہیں۔

جگر اپنے دور سے مطمئن نہیں ہیں، مگر وہ مایوس بھی نہیں ہیں۔ جگر کی شاعری فرد کے لئے سوز
 یقیں کا پیغام دیتی ہے۔ وہ ماحول کی تاریکی سے تھک کر بیٹھ جانے والوں میں نہیں ہیں۔ خود اپنے سوز
 باطن سے غیر فانی شمع جلانے والوں میں سے ہیں۔

خود اپنے ہی سوز باطن سے، نکال اک شمع غیر فانی
 چراغ دیر دحرم تو اے دل، جلا کریں گے بھجا کریں گے
 ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل
 قسمت تری خود ہے ترے کردار میں مضمر
 قسمت کو بنانا ہے تو قسمت سے گذر جا

ہم اپنی کیوں طرز فکر چھوڑیں، ہم اپنی کیوں وضع خاص بدلیں
کہ انقلابات نو بہ نو تو ہوا کئے ہیں، ہوا کریں گے
اپنی اپنی وسعت فکر و یقین کی بات ہے
جس نے جو عالم بنا ڈالا، وہ اس کا ہو گیا

زیست بسر کی نہ سہاروں کی ساتھ جان فدا اس پہ کہ جس نے جگر
جسے جینا ہو، مرنے کے لئے تیار ہو جائے یہ مصرعہ کاش! نقش ہرزرد و دیوار ہو جائے
سکون تلاش نہ کر، اے دل سکوں دشمن! ہر ایک لحظہ ہے دز پیش کار زار حیات
پرانی آگ میں جلنا ہے کار مردانہ خود اپنی آگ میں جلتی ہے شمع، جلنے دو

جو دشمن کے لئے بھی سر سے اپنے کھیل جاتے ہیں
دل خوباں میں چھتا ہے انہیں کا بانگین ساقی!
ہم کو مٹا سکے، یہ زمانہ میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے، زمانہ سے ہم نہیں

یہاں جگر ایک ایسے شاعر کے ردپ میں نظر آتے ہیں، جسے فرد کی طاقتوں پر بے پناہ اعتماد
ہے۔ جسے انسان کی عظمت اور اس کے باطنی متاع بے بہا کا احساس ہے۔

ہر چند کائنات دو عالم میں اے جگر
انساں ہی ایک چیز ہے، انساں مگر کہاں

اور ان کی شاعری یہاں ایک ایسی منزل پر پہنچ گئی ہے جہاں وہ ستائش نہیں بنتی، سوز یقین اور
جوش عمل کی پیغامبر بن جاتی ہے۔ اور غزل میں یہ آہنگ سمو لینا جگر کے علاوہ اس دور کے بہت کم
شعراء کے ہاں ملتا ہے۔

ان خیالات کے بارے میں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ خیالات جگر کے ذاتی خلوص
سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں نہ تقلید کا رنگ ہے اور نہ کسی مخصوص کتب خیال یا پارٹی میں ہونے کی وجہ
سے ان کو اپنایا گیا ہے۔ ان پر جگر کی شخصیت کی چھاپ ہے۔ یہ جگر کی ذات کے ریشہ ریشہ کی پکار ہیں،
اور ان میں ان کا خلوص مصلحت کو شیوں، گردہ بندیوں اور کٹر نظریہ پرستیوں کو لاکار کر حقیقت کی نجی
دریافت کے درجہ تک پہنچتا ہے۔

کہنے کو اہل علم کی کوئی کمی نہیں
لیکن خود اپنی فکر، خود اپنی نظر کہاں؟

جھاڑ کے اٹھے اپنا دامن بیٹھے ہم ہر بزم میں، لیکن

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ان خیالات کو جگر نے جذبہ کی شکل میں ڈھال کر شعریت بخش دی ہے۔ شاعر کی حدود احساسات کے لطیف ترین ارتعاشات سے شروع ہوتی ہیں، اور خیال تک پہنچتی ہیں۔ عظیم شاعری محض احساسات کی شاعری نہیں ہوتی۔ وہ خیالات کو جذبہ کی قوت اور رنگینی بخش دیتی ہے، اور اسے شعریت کے پیکر میں ڈھال دیتی ہے۔ جگر ان گنے چنے شعراء میں سے ہیں، جنہوں نے جس خیال کو نظم کیا ہے اسے جذبہ کی رنگینی اور شعریت کا حسن بخش دیا ہے۔ ان کے ہاں خیال کی عظمت نہ سہی، مگر اس کا حسن اور اس کی صداقت ضرور ہے۔ ان کا مقام ہمارے عظیم ترین شعراء کی صف میں نہ سہی، مگر کامیاب اور رنگین شعراء کی صف اول میں ضرور ہے۔

غالباً داغ جگر اور شعلہ طور کے کلام کے پیش نظر جگر کی غزل گوئی کے بارے میں یہ رائے عام طور پر ظاہر کی جاتی ہے کہ ان کی غزل گوئی اساتذہ کی کاغیاب تقلید ہے۔ اس میں شراب و شباب کی پرکیف سرمستیاں ہیں اور اسے سماجی تنقید یا فکری تعق سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن آتش گل کے دور کی شاعری کے بارے میں یہ رائے یقیناً نامناسب ہے۔ یہاں جگر کی قوت تغزل اس قدر پر تاثیر ہے کہ وہ خیال کے براہ راست اظہار کے باوجود شعریت اور تغزل کے انداز کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ چند نظموں کی استثناء کے بعد جگر کی شاید ہی کسی غزل کو اس کیف سے خالی قرار دیا جاسکے گا۔

جگر کی ایک اور اہم خصوصیت ان کی شاعری کا سنگیت ہے۔ ٹیگور کے ایک ڈرامہ میں ایک کردار نے کہا تھا، ہمارے الفاظ بولتے نہیں، گاتے ہیں۔ جگر کے الفاظ بھی بولتے نہیں، گاتے ہیں۔ جگر کسی ذاتی اہتمام یا درو بست کے بغیر شعر کی اندرونی موسیقی قائم رکھتے ہیں۔ لفظوں کے انتخاب، ان کے معنوں کے ربط، ان کی جھنکار اور صوتی تاثیر پر ان کی نظر اس قدر گہری ہے کہ گویا سوزوں ترین الفاظ بلا کسی کاوش کے ان کے قلم سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ شعریت اور موسیقی جگر کی شخصیت کا جزو معلوم ہوتی ہے۔ ان کے اشعار میں وہ جھنکار ہے جس میں صنعت گری کا شائبہ معلوم نہیں ہوتا۔ انداز بیان کا ذہ سادہ گھرا ہوا روپ ہے جو روح کو وجد میں لاتا ہے اور شاعری کو موسیقی کے کیف دستی سے مالا مال کر دیتا ہے۔ جگر نے انداز بیان کے مختلف انداز اختیار کئے ہیں اور ہر جگہ ان کی ندرت اداء والہانہ پن، بے ساختگی اور سادگی نے معمور شعریت سے بھرپور آہنگ ایک نیا عالم پیدا کر دیتا ہے۔

خرد حقیقت چالاک و چست و مست خرام
جنوں صداقت بے باک و مصلحت دشمن
ارے غضب، ارے ستم، وہ اک نگاہ سحر فن
جھکے اگر تو بت کدہ، اٹھے اگر تو بت شکن
کہاں کے لالہ و گل، کیا بہار تو بہ شکن

کھلے ہوئے ہیں دلوں کی جراثیموں کے چمن
 وہی زمیں، وہی زماں، وہی مکین، وہی مکاں
 مگر سرور یک دلی، مگر نشاط انجمن!
 کہاں پہلوئے خورشید جہاں تاب
 کہاں اک نازنین دوشیزہ شبنم
 زندگی فرش قدم بن کے بچھی جاتی ہے
 اے جنوں اور بھی اک لغزش مستانہ سہی
 اپنی شوریدہ مزاجی کو کہاں لے جاؤں
 ترا ایماں نہ سہی، تیرا اشارہ نہ سہی
 زلف و مژہ کے سائے سائے راہ جنوں آسان ہوئی ہے
 بنتا جائے بگڑتا جائے کار زمانہ جتنا جتنا
 نہ آئے گی بہار اب کے برس کیا لہو آتا نہیں کھینچ کر مژہ تک
 یک لمحہ خوشی کا جب انجام نظر آیا
 شبنم کو ہنسی آئی، دل غنچوں کا بھر آیا
 شعر و نغمہ رنگ و نکبت، جام و صہبا ہو گیا
 زندگی سے حسن نکلا اور رسوا ہو گیا

عشق ہے کار شیشہ و آہن عشق ہے پیارے، کھیل نہیں ہے
 غرض جگر غزل شاعرانہ وراثت کا ایک اہم سرمایہ ہے۔ جگر کی سرمستی، ان کا خلوص، ان کی
 جرات اور راست کرداری، ان کی شعریت اور تغزل کی توانائی، یہ سب ایسے جوہر ہیں، جن سے کیف و
 بصیرت حاصل کی جاتی رہے گی۔ علی سکندر اب اس دنیا میں نہیں، لیکن جگر مراد آبادی کی آواز ایک
 مدت تک سوز یقین اور نور بصیرت بخشی رہے گی۔

جگر نے کہا تھا۔

جان کر منجملہ خاصان سے خانہ مجھے!
 مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

جگر مراد آبادی

(مالک رام)

آزادی سے قبل جس زمانے میں ہندوستان کی مرکزی حکومت کے دفتر شملے میں جایا کرتے تھے، یہاں کی ”بزم اوب“ ہر سال اچھے بڑے پیمانے پر ایک مشاعرے کا انتظام کیا کرتی تھی۔ اس بزم کے کرنا دھرتا بیشتر سرکاری ملازم تھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب ان حضرات کے دماغ دفتری مسلوں کی خشکی اور بیوست سے ماؤف اور بیکار ہو جاتے، تو یہ اسے شعر و سخن کی رنگینی سے تازگی بخشنے کی کوشش کرتے تھے۔ ماشاء اللہ خود بزم کے اراکین میں شاعروں کی کمی نہیں تھی، لیکن مشاعرے کو موقر اور وقیع بنانے کے لئے ہر سال باہر سے بھی دو چار نامی اور مشہور اساتذہ کو دعوت دی جاتی تھی۔ اتفاق سے ۱۹۳۶ء کے مشاعرے کے موقع پر میں شملے میں تھا۔ مشاعرہ ستمبر کے آخری اتوار کے دن ہوا تھا۔ اس سے پہلے دن سہ پہر کے وقت میں اور جلیل قدوائی اور بدر الدین صاحب لوہر بازار کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں چوڑا میدان میں ایک صاحب رکشا پر آتے ہوئے مل گئے۔ ہمیں دیکھ کر انہوں نے رکشا رکوائی اور بڑھ کے جلیل صاحب سے بڑے تپاک سے بغل گیر ہو گئے۔ جلیل نے میرا تعارف کرایا۔ معلوم ہوا کہ آپ جگر مراد آبادی ہیں اور خصوصی دعوت پر مشاعرے میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ شعلہ طور کے ساتھ محمد اویاما کی بنائی ہوئی جو تصویر (یہ تصویر اومایا مرحوم کا شاہکار ہے، بلکہ بہت حد تک ان کی غام شہرت اسی کی مرہون منت ہے۔ اس سے متعلق ایک لطیفہ یاد آ گیا۔

ہمارے ایک دوست تھے، حمید عرفانی، انہیں بھی تصویر کشی سے بہت دلچسپی تھی۔ انہوں نے اومایا کی اس تصویر کی نقل تیار کی اور ایسی عمدہ کہ باید و شاید۔ اس پر انہوں نے خود جگر سے ان کا ایک فارسی شعر لکھوایا اور دستخط لئے۔ جب میں نے یہ تصویر ان کے وہاں دیکھی، تو میری نیت خراب ہو

گئی۔ اب مجھے ٹھیک سایا دیکھیں کہ انہوں نے میرا شوق دیکھ کے خود ہی اسے میرے حوالے کر دیا، یا میں نے ہی کچھ حیلہ بہانہ کر کے یہ ان سے ہتھیالی، بہر حال تصویر میرے قبضے میں آگئی۔ ۱۹۳۹ء میں اپنے کتاب خانے کے ساتھ میں اسے اپنے عزیز دوست ملک احمد حسن مرحوم (اڈیٹر روز جدید) کے پاس چھوڑ آیا۔ لطیفہ یہ ہوا کہ جب احمد حسن نے اسے دیکھا تو پوچھا، کیوں بھائی، واقعی یہ جگر صاحب کو ٹھیک تشبیہ ہے۔ میں نے کہا: واہ صاحب! یہ آپ نے کیا کہا! اصل تو یہ تصویر ہے، جگر صاحب تو اسے دیکھ کر بنائے گئے ہیں۔ یعنی یہ اصل ہے اور جگر صاحب نقل۔ پس یہ سوال تو ہو سکتا ہے کہ کیا جگر اس تصویر کے مطابق ہیں یا نہیں، لیکن آپ یہ نہیں پوچھ سکتے کہ یہ تصویر جگر کی ہے یا نہیں۔ اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ افسوس، کہ میرے قیمتی کتاب خانے کے ساتھ یہ تصویر بھی لاہور کے ۱۹۵۳ء کے فسادات کی نذر ہو گئی۔

رہا کھکانہ چوری کا، دعا دیتا ہوں رہزن کو

بعد کو میری ملاقات خود اویاما سے بھی ہوئی، بلکہ انہوں نے میری تصویر بھی بنائی تھی۔ تو خیر، ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ یہ آپ کا جاپانی نام اویاما کیونکر رکھا گیا، تو انہوں نے بتایا کہ میری ولادت ۱۹۰۵ء میں روس اور جاپان کی جنگ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ اس جنگ میں جاپان نے روس کو شکست دی تھی، میرے والد کو اس سے بڑی خوشی تھی کہ ایک ایشیائی مٹھی بھر کے ملک نے روس کے سے دیو زاد یورپی ملک کو شکست دی ہے۔ اس جنگ میں جاپانی بحری بیڑے کا امیر البحر اویاما، نای تھا۔ والد نے میرا نام اسی کے نام پر محمد اویاما رکھ دیا۔

چھپی ہے، بالکل وہی ناک نقشا؟ لیکن چونکہ اس میں محض خطوط ہیں اس لئے اس سے اصلیت پورے طور پر واضح نہیں ہوتی۔ میانہ قد، خاصا سانولا رنگ، چھٹی ناک، چھوٹی چھوٹی نیم وا آنکھیں اور ان میں سرخی کی جھلک، ہونٹوں پر پان کالا کھا جما ہوا، ترشی ہوئی کچھڑی ڈاڑھی جس میں چاول کم اور دال زیادہ تھی، سر پر لمبے لمبے بے ترتیب پٹے، جو ٹوپی سے باہر نکلے پڑتے تھے، گلے میں سیاہ رنگ کی شیروانی اور نیچے چوڑیدار چست پاجامہ، سر پر سلیٹی رنگ کی بانٹوں والی اونچی دیوار کی ٹوپی اور پاؤں میں سیاہ رنگ کا پمپ پہنے تھے۔ طبیعت میں حد درجہ بے چینی اور وحشت، حال آنکہ وہ صرف چند سنت کے لئے رے، لیکن اس دوران میں بھی انہوں نے جو باتیں کیں، کچھ عجیب، کھڑی اکھڑی سی..... یوں معلوم ہوتا تھا، گویا اپنے سائے سے بھڑک رہے ہوں۔ یہ تھے جگر صاحب!

اگلے دن مشاعرہ گاہ میں پہنچے۔ خدا بخشنے منتظرین کو، ان کی خوش انتظاری کے صدقے، یہ دس کی جگہ گیارہ بجے شروع ہوا تھا۔ تاجور تھے، جن سے پہلے کی ملاقات تھی، حسرت موہانی اور روش صدیقی سے پہلی ملاقات یہیں ہوئی۔ حسرت سے میرا تعارف تاجور مرحوم اور جلیل نے کرایا، اور دونوں نے

مبالغے سے کام لیا۔ سائل صاحب دلی سے تشریف لائے تھے۔ مجھے ان کی خدمت میں پہلے سے نیاز حاصل تھا۔ انہوں نے بعض پرانی غزلیں سنائی تھیں۔ زبان کے پہلو سے واقعی ان کا جواب نہیں تھا۔ احسان دانش نے اپنی نظم ”مزدور کی عید“ سنائی تھی۔ حسب معمول انہوں نے پائدار آواز میں ترنم سے پڑھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس کے بعض مقامات ایسے دردناک تھے کہ بے اختیار میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ حسرت نے مشاعرے میں چار غزلیں سنائیں۔ ہر ایک میں غالباً چھ چھ سات سات شعر تھے اور سب تازہ کلام۔ یہ کاغذ کے چند پرزوں پر لکھی تھیں۔ مشاعرہ ختم ہونے پر یہ کاغذ انہوں نے مجھے دے دیئے۔ ان کے پڑھنے کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ ناک میں تو وہ بولتے ہی تھے۔ اس پر تم یہ ہوا کہ گلے میں کسی خرابی کی وجہ سے آواز اتنی نیچی تھی کہ شاید ہی دور بیٹھے ہوئے کسی شخص کے پلے کچھ پڑا ہو۔ اور پھر انہوں نے شعر کا ہے کہ پڑھے، گھاس کاٹ کے رکھ دی، نظم اور نثر میں کوئی امتیاز نہیں رہا۔ کوئی اور ہوتا، تو ہلڑ مچ جاتا اور بدتمیز بے فکرے اسے زبردستی بٹھا دیتے۔ لیکن ان کی بزرگی اور شاعرانہ عظمت کے سامنے کسی کو دم مانے کی جرات نہ ہوئی۔ سب ادب کے مارے خاموش بیٹھے رہے۔ ان کے پڑھنے کے وقت ایک لطیفہ بھی ہوا۔

پہلی ہی غزل تھی۔ انہوں نے مطلع پڑھا۔ اگلی صف میں بیٹھے ہوئے ایک بزرگ نے داد دی اور اسے پھر پڑھنے کی فرمائش کی۔ حسرت نے مطلع دوبارہ پڑھ دیا۔ حسن مطلع پڑھا، انہوں نے پھر داد دی اور مکرر پڑھنے کی درخواست کی۔ اب کے حسرت نے ناک کی پھٹکی پر آئی ہوئی عینک کے اوپر سے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور شعر پھر پڑھ دیا۔ تیسرے شعر پر ان کے برابر بیٹھے ہوئے صاحب کی جو شامت آئی، انہوں نے یکبارگی ”واہ“ کہہ کے ہاتھ اٹھایا اور ”پھر ارشاد ہو“ کا نعرہ لگایا۔ اب حسرت کا پیاناہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ انہوں نے دیکھا بھی نہیں اور ”کوئیں ضرورت نہیں“ کہہ کے اگلا شعر پڑھ دیا۔ اس کے بعد کسی کو مکرر کہنے کی جرات نہیں ہوئی۔

جگر صاحب نے بعض پرانی غزلوں کے علاوہ ایک غیر مکمل تازہ غزل کے چند شعر سنائے تھے، جس کا یہ بے پناہ مطلع آج تک میرے حافظے میں محفوظ ہے:-

آ کہ تجھ بن اس طرح، اے دوست! گھبراتا ہوں میں

جیسے ہر شے میں، کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے جگر کو پڑھتے سنا۔ انہوں نے بڑے والہانہ انداز میں ترنم سے کلام سنایا۔ یہ حقیقت ہے کہ مجلس میں سماں بندھ گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں دو ہی ایسے شاعر دیکھے جنہیں سن کے بڑے بڑے نقبہ اور تقدس ماب ڈاڑھی بردار مولویوں تک کو وجد آ گیا۔ ایک حفیظ جالندھری اور دوسرے جگر مراد آبادی۔

میں ۱۹۳۶ء کے جازوں میں دلی آ گیا۔ یہاں میں نے ایک مختصر سا مکان قزول باغ میں اجمل خان روڈ پر لے لیا۔ جن لوگوں نے آج سے ۳۵-۴۰ برس پہلے کا قزول باغ نہیں دیکھا اور ان کی نظر میں صرف اس کی موجودہ چہل پہل اور گہنا گہمی ہے، وہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس زمانے میں یہاں کیا خاک اڑتی تھی، بلا مبالغہ، اجمل خاں روڈ، غالب کی ”سرحد ادراک“ معلوم ہوتی تھی۔ اس سڑک پر بھی بس گنتی کے چند مکان تھے، اس کے ایک سرے پر جامعہ طیبہ کے دفتر اور اس کے عملے فعلی کے سکونتی مکان تھے اور دوسرے سرے پر طیبہ کالج کی عمارت۔ کوئی فر لائنگ بھر کی ددری پر ”گندہ نالہ“ جو یوں سمجھئے کہ تہذیب و تمدن کی آخری سرحد تھی۔ اس کے اس پار خانہ بدوش رہگڑوں اور باز گیروں کے پھوس کے چھپر اور جھونپڑیاں تھیں، اور یہ واقع ہے کہ لوگ اکا دکا، رات کی تاریکی تو درکنار، دن کی روشنی میں بھی اس علاقے میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہاں دن دہاڑے مسافر لٹ جاتے، بلکہ بعض اوقات قتل تک کی واردات ہو جاتی تھی۔

تو خیر، چونکہ میں کسی ایسی ہی جگہ کی تلاش میں تھا ”جہاں کوئی نہ ہو“ اس لئے میں نے سوچا کہ اس سے بہتر اور کونسا مقام ہوگا، اور مکان اسی اجمل خاں روڈ پر لے لیا۔

میں یہاں روزانہ صبح کے وقت ایک صاحب کو تیز تیز مکتبہ جامعہ کی طرف جاتے دیکھتا، گندی رنگ، متوسط قد، دوہرا جسم، گول آفتابی چہرا، بڑی بڑی شرتی آنکھیں، اونچی چوڑی پیشانی، بھر داں سیاہ ڈاڑھی اور مونچھیں، نیچے علی گڑھ فیشن کا پاجامہ، گلے میں شیر دانی اور سر پر گاندھی ٹوپی۔ وہ جب بھی ملے، منہ میں گلوری اور بغل میں پاندان دبائے ہوئے۔ کئی مرتبہ جی میں آئی کہ آدی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں، ان سے راہ و رسم پیدا کرنا چاہئے۔ یوں بھی پڑوس کا معاملہ ہے، آخر بالکل الگ تھلگ رہ کے تو زندگی کے دن کتنے سے رہے۔ لیکن میری فطری کم آمیزی ہمیشہ مانع آئی۔ جرات پڑی کہ خود اپنا تعارف کرا دوں۔ آخر، خدا معلوم کیسے، خود انہیں خیال آیا۔ ایک دن آنے سا بنے آتے ہوئے ہماری مڈ بھینڑ ہو گئی۔ رک گئے، علیک سلیک ہوئی، پوچھا، آپ یہاں نئے آئے ہیں، کوئی تکلیف تو نہیں۔ معلوم ہوا ان کا نام ہے محمود علی خان (جامعی) تھے، جنہوں نے ہمارے ہاں سو شعروں کی جدت یا بدعت شروع کی۔ میرے سوشلر، غالب کے سوشلر، مومن کے سوشلر..... غرض اس طرح انہوں نے نئے پرانے شاعروں کے کوئی دس پندرہ کتابچے شائع کئے تھے۔ اس کے بعد یار لوگ اسے لے اڑے۔ جس نے دیکھا کہ پورا دیوان چھپنا مشکل ہے، کون اسے چھاپے گا اور کون پڑھے گا، اس نے اپنا تعارف کرانے کے لئے یہ کم خرچ بالا نشین نسخہ استعمال کیا اور اپنے سو شعروں کے دوستوں میں تقسیم کر دیئے، تاکہ سندر ہیں۔ یوں چھپنے کی ہوس بھی پوری ہو گئی اور سستے بھی چھوٹے۔ چنانچہ باز کے سوشلر، گلہری کے سوشلر اور نہ جانے کس کس کے سوشلر چھپ چکے

ہیں۔ لیکن محمود صاحب نے اس کے علاوہ متعدد انگریزی کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ چونکہ انہیں انگریزی اور اردو دونوں پر پوری قدرت حاصل تھی اور آدی ٹھہر نے بے حد محنتی، اس لئے وہ ترجمے میں ہمیشہ کامیاب رہے۔

غرض اس کے بعد ان سے تعلقات بہت گہرے اور مخلصانہ ہو گئے۔

ایک دن شام کے وقت ان کا آدی آیا کہ ”خان صاحب“ بلا تے ہیں۔ میں پہنچا، تو دیکھا کہ جگر صاحب تشریف فرما ہیں۔ محمود صاحب کو معلوم نہیں تھا کہ میں ان سے شملے میں مل چکا ہوں۔ جگر صاحب اور محمود صاحب کے بہت پرانے مراسم تھے، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر محمود اور جلیل قدوائی نہ ہوتے تو غالباً ان کا کلام کبھی شائع ہی نہیں ہو سکتا تھا اور اگر ہوتا بھی، تو کم از کم اس کی یہ ضخامت نہ ہوتی۔ جگر جس طرح کے لاپاہلی اور بے پردا شخص تھے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ انہوں نے کبھی باقاعدگی سے اپنا کلام، ایک جگہ جمع نہیں کیا۔ وہ تو خوش قسمتی سے ان دونوں صاحبوں نے شروع سے حفاظت کا اہتمام کیا، ورنہ خدا معلوم کس قدر ضائع ہو گیا ہوتا۔ چنانچہ جیسا کہ شعلہ طور کے دیباچے میں جگر نے اعتراف کیا ہے، انہی دونوں کی بیاضوں سے یہ دیوان مرتب ہوا تھا۔

جگر صاحب یہاں کوئی دس بارہ دن رہے اور اس کے بعد اگلے برس کے دوران میں بھی جب میرا قیام قردول باغ ہی میں تھا، اکثر یہاں آتے رہے۔ ان ایام میں مجھے اچھی طرح قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور رفتہ رفتہ ہمارے آپس کے تعلقات بہت دوستانہ اور عزیزانہ ہو گئے۔

وہ اس زمانے میں پیتے تھے اور بے حساب! اور ستم بالائے ستم کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ جوش بھی پیتے تھے، لیکن ان کا یہ اصول ہے، جس سے انہوں نے کبھی انحراف نہیں کیا کہ وہ دن میں ہر گز نہیں پیئیں گے۔ صرف مغرب کے وقت، وہ بھی دو تین جام۔ اگر کبھی خاص دوست احباب کا مجمع ہوا، تو ایک آدھ زیادہ سہمی۔ اختر شیرانی اور مجاز نے بھی کبھی کسی کی پروا نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قبل از وقت چل بے۔ جگر کا بھی یہی حال تھا۔ ایک تو جب مل گئی، اور دوسرے جتنی چاہا پی لی۔ پھر اس کا بھی خیال نہیں کہ کس قسم کی ہے۔ اچھی یا بری، بس شراب ہو۔ وہ تو خدا نے اپنے فضل و کرم سے انہیں توبہ کی توفیق دے دی کہ انہوں نے اسے ترک کر دیا، ورنہ جو حشر ان کا ہوا ہوتا، ظاہر ہے۔ تاہم آخر عمر میں ان کی صحت جو اتنی خراب رہتی تھی، تو اس کی اصل وجہ یہی اوائل عمر کی نامراد شراب نوشی اور دوسری بداعتدالیاں تھیں۔

ایک دن سر شام پینے بیٹھے اور تھوڑی تھوڑی مقدار میں نصف بوتل کے قریب پی گئے۔ آدھی رات کے بعد کہنے لگے، چلو! جوش کے ہاں چلیں (جو دہیں قردول باغ میں تھوڑے فاصلے پر رہتے تھے) ہم نے بہت کہا کہ وہ سوچکے ہوں گے، اب اس وقت اتنی رات گئے انہیں دق کرنا ٹھیک نہیں ہو

گا۔ لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ ہمارے کہنے پر بگڑ گئے۔ آخر سب نے عافیت اسی میں دیکھی کہ جس طرح یہ کہتے ہیں، اسی طرح کیا جائے۔ چنانچہ آگے آگے جگر اور انہیں سہارا دینے کو محمود صاحب اور ان کے پیچھے ہم چھ سات آدمی، جلوس کی شکل میں روانہ ہوئے۔ سردیوں کی ڈھلتی رات اور اس زمانے کا قردول باغ، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیسا ہوکا عالم ہوگا۔ وہ تو خیر گزری کہ پولیس کا سپاہی راستے میں نہیں مل گیا، ورنہ یقیناً وہ خیال کرتا کہ یہ مشفقانہ شراب پی کر کہیں داروات کو جا رہے ہیں، یا کم از کم آوارہ گرد ضروری ہیں اور ہمیں جوش کے مکان کے بجائے تھانے پہنچا دیتا۔ اب ایک لطیفہ ہوا۔ جگر صاحب چند قدم چلیں، اور سڑک کے پتھوں بیچ کھڑے ہو کر تقریر کرنا شروع کر دیں۔ اس پر کتوں اور سوروں نے (جن کے اس زمانے میں یہاں بڑی کثرت تھی) ادھر ادھر سے نکل کر بھونکن اور چیخنا اور بھاگنا شروع کر دیا۔ اس پر ہم سب بلطائف اکیلے انہیں آگے چلنے کی ترغیب دیتے۔ قصہ کوتاہ، خدا خدا کر کے وہ تین چار سو گز کا فاصلہ کوئی آدھ پون گھنٹے میں طے ہوا اور ہم لدے پھندے جوش کے مکان کے بیرونی برآمدے میں داخل ہوئے۔ یہاں پہنچتے ہی جگر نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ہڑ بڑا کے آواز آئی: ”کون؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ”جگر۔“ ”کون؟“ ارے، ایک مرتبہ جو کہا ہے، جگر، دروازہ کھولو۔“ ”بھائی ہم سو رہے ہیں، صبح کے وقت آنا۔“ ”سو رہے ہیں! آئے بڑے سونے والے۔ ارے ہم، ہم یہاں سردی میں باہر کھڑے ہیں اور تم سوئے پڑے ہو۔ جلد دروازہ کھولو۔ یہ محمود بھی ہمارے ساتھ ہے۔“ اس پر جوش غریب طوعاً و کرہاً اٹھے اور انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے اگلے دن مجھ سے کہا کہ میں دروازہ یوں تھوڑی کھولنے والا تھا۔ لیکن جب جگر نے محمود کا نام لیا، تو میں نے خیال کیا کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے، ورنہ محمود یوں رات کے وقت قطعاً نہ آتے۔ یہ اس لئے کہ محمود صاحب پیتے نہیں تھے اور جوش صاحب کو معلوم تھا کہ وہ سنجیدہ آدمی ہیں۔

دروازے کا کھلنا تھا کہ جگر صاحب لیک کے کمرے میں داخل ہوئے اور اوپر کی گرم چادر پھینک، شراب سے جوش کے لحاف میں گھس گئے، جیسے وہ گھر سے اسی کی تلاش میں یہاں تک آئے ہوں۔ اور کہنے لگے: ”محمود، اب کافی دیر ہو چکی ہے۔ میں یہیں سوؤں گا۔ آپ تشریف لے جائیں۔ میں صبح کے وقت ناشتے کے بعد آ جاؤں گا۔ اچھا، خدا حافظ۔“ جوش بیچارے حیران پریشان کہ یہ بلائے بے درماں کہاں سے نازل ہو گئی! وہ کہتے ہی رہے۔ ”نہیں، جگر صاحب! آپ جائیے محمود صاحب کے ساتھ۔“ لیکن توبہ ہے، یہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ ادھر ہم سب کے ہلسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ آخر ہم نے دونوں دوستوں کو آپس میں راز و نیاز کرنے کے لئے شب بچر کہا اور واپس چلے آئے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ جگر نشتے کی حالت میں بالکل حواس کھو بیٹھے ہوں۔ ہلکی

بہکی باتیں ضرور کرنے لگتے تھے۔ ابھی ایک موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں کہ یک لخت اس سے گریز کر کے کسی دوسرے مضمون پر بات چیت کرنے لگیں گے، حال آنکہ دونوں میں آپس میں قطعاً کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ سننے والا ہر کا ہر کا ان کے منہ کی طرف دیکھ رہا ہے کہ یا الہی، یہ کیا! ابھی دو منٹ پہلے تو یہ غزل کی حمایت میں دلائل بیان کر رہے تھے اور اب عینک کے تالوں کی پہچان اور ان کی مختلف قسموں پر تقریر فرمانے لگے ہیں، لیکن ان کی بلا سے، بات اصل یہ ہے کہ ان کا دماغ بیک وقت مختلف موضوعات کی جولا نگاہ بنا رہتا تھا۔ اب اس دنگل میں کسی خاص وقت جس موضوع کا غلبہ ہو گیا، زبان پر اس کی بات آگئی۔ لیکن وہ ذہنی کشمکش برابر جاری رہتی۔ پھر اگر پہلے موضوع کی بات چیت کے دوران میں، کسی دوسرے مضمون کا پلا بھاری ہو گیا، تو چیت ہو جائے گا اور وہ بے اختیار اسے چھوڑ کر دوسرے سے متعلق باتیں کرنے لگتے۔ سامع کو اس سے خیرت ہو، تو ہوا کرے، ان کے لئے یہ بالکل قدرتی اور معمولی اسلوب گفتگو تھا۔ اور یہ بات سرخوشی کے عالم ہی سے مخصوص نہیں تھی، وہ ہوش کے وقت بھی کچھ ایسے ہی تھے۔

بہر حال واہی تباہی بلکنا یا گالی دینا کبھی ان کا شعار نہیں رہا۔ بات یہ ہے کہ حقیقت میں ان کا مزاج دینی تھا۔ اصغر گوٹھ دی مرحوم سے انہیں خاص عقیدت رہی۔ بلکہ وہ ان کے ہم زلف بھی تھے۔ اصغر جس پائے کے انسان تھے، ان کا ہر ایک ملنے والا اس کا معترف ہے۔ اصغر کی طرح جگر بھی حضرت شاہ عبدالغنی منگھوری سے بیعت تھے۔ یہی سب ہے کہ لاکھ بے عملی بلکہ بد عملی کے باوجود، اساسی طور پر ان کی روح کبھی ان آلائشوں سے ملوث نہیں ہونے پائی۔ انہوں نے فسق و فجور میں بھی لذت محسوس نہیں کی۔ جو کچھ سرزد ہوا، اضطرابی طور پر۔ وہ ہوش کی حالت میں ہمیشہ پشیمان ہوتے اور ندامت محسوس کرتے اور اس سے باز رہنے کے منصوبے باندھتے۔ لیکن چونکہ کثرت شراب نوشی سے قوت ارادی حد درجہ کمزور ہو چکی تھی، اس لئے اس عزم میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ اس میں بہت حد تک قصور ان لوگوں کا بھی ہے، جو ان کے ارد گرد رہا کرتے تھے۔ یہ اصحاب اپنے آپ کو ان کا بڑا دوست اور خیر خواہ کہتے تھے، وہ دراصل ان کے دشمن تھے۔ جگر صاحب کہیں جاتے، تو یہ حواری خود صاحب خانہ سے فرمائش کر کے بوتل منگوا لیتے، اور جام بھر کے جگر صاحب کے آگے رکھ دیتے۔ اب وہ بیچارے کیا کرتے! اگر کسی شخص کی اصلاح منظور ہو، تو سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ اسے آزمائش میں نہ ڈالا جائے، تاکہ بتدریج اس کی قوت ارادی عود کر آئے اور رفتہ رفتہ اتنی مضبوط ہو جائے کہ وہ خود آزمائش کا مقابلہ کر سکے۔ لیکن اگر آپ قدم قدم پر اس کا امتحان کرنے لگیں، اس کے چاروں طرف اس کی لغزش کے ساز و سامان جمع کر دیں اور پھر اس سے کہیں کہ ہم چاہتے ہیں، آپ اس بری علت سے نجات حاصل کر لیں، تو یہ خیال خام ہے:

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازی گوئی کہ دامن ترکمن، ہشیار باش!

اگر اس غریب میں ان آلودگیوں سے دامن جھٹک کر الگ ہو جانے کی قوت ہوتی، تو وہ ان
حالوں پہنچتا ہی کیوں!

ان کی قوت ارادی کے فقدان پر ایک واقعہ یاد آ گیا۔ جس طرح وہ اپنے آپ کوئی فیصلہ نہیں کر
سکتے تھے، اسی طرح کسی کی دل شکنی بھی ان سے محال تھی۔ سردیوں کا زمانہ تھا۔ ایک دن خاصی رات
گئے ان کی ڈاڑھ میں سخت درد ہونے لگا۔ اس وقت جو چھوٹا موٹا گھریلو علاج ممکن تھا، کیا گیا، لیکن اس
سے کوئی افادہ نہیں ہوا۔ رات انہوں نے بہت بے چینی سے کاٹی۔ اگلی صبح ان کی جو شامت آئے، مختصر
ساناشتہ کر کے اکیلے طبیہ کالج چلے گئے کہ وہاں کسی حکیم صاحب سے دکھا کے ددا لے آئیں۔ وہاں جو
پہنچے، تو لڑکوں نے پہچان لیا۔ اب کیا تھا، وہ انہیں گھیر گھار کے کالج کے ہال میں لے گئے اور دو گھنٹے
تک ان سے کلام سنتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علاج تو خیر کیا ہوتا، جب یہ وہاں سے لوٹے ہیں تو ان کی
مظلوم صورت دیکھنے کے قابل تھی۔ نہ صرف دانت کا درد بدستور موجود تھا، بلکہ اس پر درد سر کا اضافہ ہو
چکا تھا۔ گئے تھے روزے بخشوانے، نماز گلے پڑی۔ میں نے پوچھا کہ آخر آپ نے یہ کیوں کیا، انکار
کر دیا ہوتا۔ تو رونی صورت بنا کے کہنے لگے، بھائی، میں کیا کرتا، وہ طالب علم اتنی محبت سے اصرار کر
رہے تھے، کہ مجھ میں انکار کی ہمت نہ رہی۔

بات سے بات یاد آتی ہے۔

جگر صاحب کے ساتھ زندگی بھر ہمیشہ کوئی نہ کوئی شخص رہا۔ سفر ہو یا حضر، انہیں کسی بھروسے کے
آدی کی ضرورت ہوتی، جو ان کے رذمرہ کے معاملات کی نگرانی کر سکے، ان کی ضروریات کا خیال
رکھے، روپے پیسے کا حساب رکھے۔ اس کی وجہ یہ کہ ان کے مزاج میں سکون اور اطمینان نہیں تھا، بات
جلد بھول جاتے، انتظامی صلاحیت شروع میں شاید کچھ رہی ہو، بعد کو وہ بھی مفقود ہو گئی۔ اس لئے اگر
دیکھ بھال کے لئے کوئی چوکس آدی ان کے ساتھ نہ رہتا تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔ اب اگر یہ آدی تخلص
اور درد مند اور بے غرض دوست ہوا، تو اس سے انہیں بے حد آرام ملتا، اور کوئی نقصان بھی نہ ہوتا۔ لیکن
بعض اوقات آدی کے انتخاب میں غلطی بھی ہو جاتی تھی۔ اسی طرح کا حادثہ ایک مرتبہ پیش آیا۔ یہ
صاحب مستعد تو بہت تھے، لیکن تھے چور۔ آج یہ چیز غائب کر دی، کل وہ۔ جگر کے دوستوں نے انہیں
بہت متنبہ کیا کہ وہ آدی اعتماد کے قابل نہیں، لیکن انہوں نے کسی کی بات پر کان نہ دھرا۔ آخر نوبت
یہاں تک پہنچی کہ اور تو اور، جگر صاحب کو بھی ان کی کارگزاریوں کا یقین آ گیا۔ کوئی اور ہوتا، تو اس کے
بعد انہیں ایک لمحہ بھی اپنے ساتھ رکھنا گوارا نہ کرتا۔ لیکن اس کے باوجود کہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ

کس قماش کے بزرگ ہیں، وہ ان سے معذرت کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے۔ ایک دن جگر غسل خانے جانے والے تھے۔ چاہتے تھے کہ کلائی کی گھڑی اتار کر باہر بیٹھنے کے کمرے میں رکھ جائیں۔ لیکن وہ ذات شریف موجود تھے۔ جگر کو پورا یقین تھا کہ گھڑی ان کی غیر حاضری میں غائب ہو جائے گی۔ اب یہ تذبذب میں کہ کریں، تو کیا! گھڑی کو غسل خانے کے اندر لے جائیں سکتے اور باہر چھوڑ جانے میں جو خطرہ ہے، وہ سامنے موجود ہے۔ آخر جب مزید انتظار کرنا ناممکن ہو گیا، تو جھنجلا کے گھڑی ان صاحب کے ہاتھ دے کر کہا، اچھا، تو یہ بھی آپ لے لیجئے، اور خود غسل خانے میں داخل ہو گئے۔

میں سمجھتا ہوں، اگر پیٹ پالنے کی مجبوری نہ ہوتی یا بعض دوسرے ذمے داریاں ان کے سر پر نہ ہوتیں، تو وہ کبھی کوئی کام نہ کرتے۔ ان کی ہستی کا خیر جن اجزاء سے اٹھایا گیا تھا، ان میں کاہلی اور سستی کچھ ضرورت سے زیادہ مقدار میں پڑ گئی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا، کہ جہاں تک شعر کا تعلق ہے، وہ واقعی روح القدس کے شاگرد تھے، لیکن جہاں دنیا کا کوئی معاملہ آیا، وہ بالکل کودن تھے۔ وہ ہفتوں اور مہینوں کبھی تنکا اٹھا کے نہیں توڑتے تھے۔ اس پر ایک بات یاد آگئی۔

۱۹۳۲ء میں جگر صاحب بھوپال گئے۔ محمود صاحب ان دنوں وہیں ٹیکسٹائل کمشنر کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ گرمی اور برسات کے کوئی چھ مہینے ان کے پاس ٹھہرے۔ شہر کے اکثر صاحب ذوق حضرات روزانہ شام کو اپنے اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر محمود کے مکان پر جمع ہوتے اور جگر صاحب کی صحبت کا لطف اٹھاتے۔ ادبی گپ اور لطیفہ بازی ہوتی، شعر و شاعری کا دور چلتا اور بالعموم یہ پر لطف اجتماع رات کے نو بجے سے لے کر صبح کے دو دو تین تین بجے تک رہتے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دو ایک دن کی بات تو تھی نہیں، روزانہ پانچ پانچ چھ گھنٹے تک تمام آداب و مکلفات کے ساتھ ایک جگہ بیٹھے رہنا، ہفتوں سے کم نہیں تھا، بالخصوص جب کہ ان میں بعض اصحاب اچھے خاصے سن رسیدہ تھے۔ کسی بے فکرے کو سوچھی کہ ایک ایسی انجمن بنائی جائے، جس میں ادب آداب کے سب قیود اٹھا دیئے جائیں، تاکہ سب احباب آزادی اور بے تکلفی سے اپنا وقت گزار سکیں۔ سب نے اس تجویز پر صا د کیا۔

انجمن کا بنیادی اصول یہ طے پایا کہ آج کل دنیا میں جتنی بے چینی ہے، اس کی علت غائی سرعت رفتار ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ پرانے زمانے میں لوگ بالعموم پیدل جاتے آتے تھے، تو سب طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ شروع میں سواری کا رواج صرف معذوروں اور بیماروں کے لئے تھا۔ ان کے بغدادی چیزوں کا غلط استعمال ہونے لگا۔ اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ ان غریبوں کو تو کوئی پوچھتا تک نہیں اور ہر طرح سے چاق چوبند اور بٹے کٹے لوگ گاڑیوں اور موٹروں اور ہوائی جہازوں میں اڑے پھرتے ہیں۔ اس برق رفتاری نے دنیا میں جنگ و جدال اور ہلاکت و تباہی

آسان کر دی ہے، کیونکہ جب یہ سرلیج سامان نقل و حرکت معرض وجود میں نہیں آئے تھے، جنگ شاذ و نادر ہی ہوتی تھی، اور اگر کار قضا کہیں ہو بھی گئی تو اس کی تباہ کاری کا میدان بہت محدود رہتا تھا۔ چونکہ فوج، سامان جنگ، اسلحہ، رسد وغیرہ کی حمل و نقل میں بڑی دشواریاں تھیں، اس لئے اگر ملکوں میں آپ میں کوئی اختلاف پیدا بھی ہو جاتا، تو وہ ان مشکلات کے پیش نظر حتی الوسع بات بڑھانے سے اجتناب کرتے اور ایک دوسرے سے مصالحتانہ گفتگو کر کے فیصلہ کر لیتے تھے۔ جنگ صرف اس وقت ہوتی، جب اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا تھا۔ پھر چونکہ مسافت طے کرنے میں لامحالہ کافی وقت لگتا تھا، اس لئے حملہ آور فوج کے منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے دوسرا ملک بھی کم و بیش تیار ہو جاتا۔ یوں فریقین کی طاقت یکساں ہو جانے سے کسی ملک کو خاص نقصان نہ رہتا اور صلح صفائی پر خاتمہ ہو جاتا۔

لیکن اب کیا ہے؟ فاصلے کی کوئی حقیقت ہی نہیں رہی۔ صبح کا ناشتہ دلی میں کیا، تو ہوائی جہاز میں بیٹھ کے دوپہر کا کھانا قاہرہ میں، اور رات کا لندن میں کھاؤ۔ اسی طرح لڑائی بھی آسان ہو گئی ہے۔ ابھی الٹی میٹم دیا اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد غنیم کے ملک پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس سے بڑی تباہی آتی ہے۔ شہر اور بستیاں پل بھر میں دیران ہو جاتی ہیں۔ بیگناہ اور ناکردہ کار لوگ گونا گوں مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ سارا عذاب ہم پر اس سرعت رفتار کی بدولت نازل ہوا ہے۔ جب تک دنیا کا ہلی جیسی نعمت خداوندی کی قدر کرتی رہی، سب کی زندگی عیش و عشرت اور آرام و آسائش سے معمور تھی۔ جب لوگوں نے کفران نعمت کیا، تو بے چینی اور پریشانی کا شکار ہو گئے۔ اب بنی نوع انسان کو کامل ہلاکت سے بچانے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اسے کاہلی جیسی نعمت الہی کی طرف واپس بلا یا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے امن پسند لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ سکون اور کاہلی کی تبلیغ کریں تاکہ مخلوق خدا سرعت رفتار کے ہاتھوں لائی ہوئی مصیبت سے نجات پاسکے۔

جب اس اصول پر سب کا اتفاق ہو گیا، تو چند ”امن پسند باشندگان بھوپال“ نے یہ اقدام کیا کہ ایک ”انجمن الکھلاء“ (فعلاء کے دزن پر کاہلی کی جمع کہلاء) کی بنیاد رکھی اور باقی دنیا کے امن پسندوں کو دعوت دی کہ وہ بھی ہر جگہ اسی طرح کی انجمنیں قائم کر کے اس مقصد اعلیٰ کے حصول میں تعاون کریں۔ بھوپال کی صدر انجمن کا دفتر (دارالکھلاء) محمود صاحب کے سکونتی مکان کا وہی کمرہ قرار پایا، جہاں جگہ مقیم تھے۔ فرش پر پوال کی خاصی موٹی تہ اور اس پر ایک دبیز گدا ڈال دیا گیا تھا، جس پر سفید براق چاندنی پتھی رہتی تھی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انجمن میں داخلہ آسان تھا اور ہا شا سب اس کے رکن بن گئے تھے، بلکہ اگر کوئی شخص رکنیت کی درخواست کرتا، تو انجمن کے ”عظیم الشان مقاصد“ پر ایمان اور ان کے مطابق عمل کرنے کی خواہش اور قابلیت معلوم کرنے کے لئے اس کی کاہلی کا امتحان لیا جاتا۔ اگر وہ اس

امتحان میں پورا اترتا، تو اسے بطور رکن قبول کر لیا جاتا۔ داخلے کی فیس ایک تکیہ تھی۔ جس دن کوئی شخص رکن مقرر ہو جاتا، وہ گھر سے ایک تکیہ لے کر آتا اور اسے ”دارالکھلاء“ میں ڈال دیتا۔

انجمن کے صرف چار عہدیدار تھے۔ جناب جگر، صدر، یہ ”صدر الکھلاء“ تھے۔ نائب صدر حسرت لکھنوی تھے۔ انہیں ”نائب الکھلاء“ کہتے تھے۔ ان حضرات کو صدر اور نائب صدر اس لئے نہیں چنا گیا تھا کہ وہ بہت اچھے شاعر تھے، بلکہ انہوں نے اپنی غیر معمولی ”کاہلانہ“ صلاحیتوں سے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی اس اعزاز کے بجا طور پر مستحق ہیں اور اس عہدے کی بڑی ذمہ داریاں سرانجام دینے کے پوری طرح اہل ہیں۔ تیسرا عہدہ ”ناظم الکھلاء“ میں ہر طرح کا انتظام کریں، اجلاس کے لئے مطلوبہ اشیاء فراہم کریں، روزانہ کاروائی کا پروگرام بنائیں وغیرہ۔ چوتھے ”نقیب الکھلاء“ کہلائے جنہیں آپ سارجنٹ ایٹ آرمز (Seargent At Arms) کہہ سکتے ہیں۔ اس عہدے پر جناب غلام حسنین عزم بناری فائز تھے۔ ان کا فرض تھا کہ یہ صدر انجمن کے مختلف احکام بلند آواز سے حاضرین تک پہنچایا کریں۔ چونکہ وہ بڑے لمبے تڑنگے اور بلند آواز تھے، اس لئے یہ عہدہ جلیلہ ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ ان عہدہ داروں کے علاوہ اکتیس ارکان تھے، جن میں بھوپال کے بعض مشہور اور معزز اصحاب وقت شامل تھے۔ مثلاً میاں محمد مہدی نائب مہتمم تاریخ، سید علی اکبر کاظمی سپرنٹنڈنٹ صحت عامہ و تعلیمات، جناب احمد اللہ خان شاکی سپرنٹنڈنٹ مجلس واضح قوانین، استاد محمد کریم ذکی بھوپالی، فکری بھوپالی، سروش بھوپالی، محمد عبدالباسط بھوپالی، محمد اصغر شعری بھوپالی وغیرہ۔ ایک اور بات کہ ہر ایک رکن کو اس کی کسی ذاتی خصوصیت کی بنا پر خاص خطاب سے سرفراز کیا گیا اور اجلاس میں وہ اسی نام سے مخاطب کئے جاتے تھے۔ مثلاً محمد مہدی صاحب اپنی بزرگی اور مشفقانہ رویے کی وجہ سے ”ام الکھلاء“ کہلاتے تھے۔ محمد شریف خان فکری کی چونکہ چھوٹی سی مگر نمایاں تونڈ تھی، اس لئے انہیں ”قبتہ الکھلاء“ کا خطاب دیا گیا۔ شاکر علی خان چونکہ دراز قد تھے، اس لئے ”طویل الکھلاء“ کہلائے۔ ایک صاحب کا ناک نقشاً خوبصورت اور رنگ بھی سانولا سلونا تھا، یہ ”بلخ الکھلاء“ تھے اور ان کے مقابلے میں ایک دوسرے صاحب اپنے سفید شانچی رنگ کی وجہ سے ”صحیح الکھلاء“۔ محمد اشرف (ایڈیٹر نئی روشنی، کراچی) چائے میں شکر بہت پیتے تھے، بلکہ داؤ لگے، تو دوسروں کی آنکھ بچا کر ایک آدھ چمچ یوں بھی منہ میں ڈال لیتے تھے، اس لئے انہیں ”قند الکھلاء“ کا خطاب عطا ہوا۔ پھر چونکہ پورا خطاب زبان سے ادا کرنا بھی کاہلی کے خلاف سمجھا گیا، اس لئے تخفیف کر کے یہ حضرات محض ”صدرل“ ”قندل“ وغیرہ ہو کے رہ گئے۔

انجمن کے اجلاس شام کے نو بجے سے صبح کے تین بجے تک ہوتے تھے۔ ”اجلاس“ اس حالت کا نام تھا کہ اراکین عظام اپنے اپنے سگے پر سر رکھے خاموش لیٹے ہیں۔ کاہلی کے معنی خواب غفلت کے

نہیں تھے، اس لئے اجلاس کے دوران میں سونا ممنوع تھا۔ اگر اجلاس ہو رہا ہو، تو رکن لیٹ سکتا تھا یا پھر کھڑا ہو سکتا تھا، بیٹھنا سخت ترین جرم تھا، کیونکہ یہ فعل کاہلی کے سراسر منافی تھا۔ اگر کوئی صاحب اس جرم کے مرتکب ہوتے، تو انہیں یہ سزا دی جاتی کہ وہ تمام دوسرے اراکین کی خدمت بجالائیں۔ مثلاً پانی پلانا، پان کھلانا، اگلدان اٹھا کر دینا، چلم بھرنا وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کوئی ”کاہلی“ اجلاس کے دوران میں ”دارالکھلاء“ میں تشریف لاتے، تو چونکہ بیٹھنا ممنوع تھا اس لئے وہ کھڑے کھڑے جسم تولتے اور دھڑ سے اپنے تئکے پر گر پڑتے۔

روزانہ کاہلی کے عجیب و غریب واقعات پیش آتے تھے۔ ایک دن ”ام الکھلاء“ لیٹے حقہ پی رہے تھے۔ کسی ”کاہلی“ کا ہاتھ جو لگا تو چلم ان کے اوپر الٹ گئی۔ لیکن مجال ہے، جو انہوں نے کسی تشویش کا اظہار کیا ہو۔ بس ایک کروٹ لی، انگارے ان کی چھاتی پر سے نیچے گر گئے اور وہ اسی طرح اطمینان سے لیٹے رہے۔ لیکن جب ”صدرل“ نے دیکھا کہ اس طرح فرش میں آگ لگ جانے کا خطرہ ہے، تو انہوں نے اجلاس ملتوی کر دیا۔ اس پر لوگ اٹھ دوڑے اور انگارے اٹھا کے بھجوائے گئے۔

اجلاس میں وہ سب کچھ ہو سکتا تھا، جو تفریح کی ذیل میں آتا، بشرطیکہ اس سے کاہلی کو نہیں لگنے کا اندیشہ نہ ہوتا۔ اور شعر و شاعری تو روزانہ ہوتی تھی۔ چونکہ لیٹے لیٹے شعر پڑھنا اور داد دینا مشکل تھا، اس لئے جب شعر کی ترنگ اٹھتی، تو کوئی رکن یہ تجویز پیش کر دیتا کہ اب تھوڑی دیر کے لئے شعر و شاعری کا دور ہو جائے، تو ”صدرل“ اجلاس ملتوی کر دیتے۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اب لوگ اٹھ کے بیٹھ سکتے ہیں۔ ماشاء اللہ سب اراکین ٹھو یا کم از کم سخن سنج تو تھے ہی، ایک دوسرے سے مقابلے کے جوش میں طبیعت پر خوب زور دے کر شعر کہتے۔ ہر ایک شخص روزانہ اپنا تازہ کلام پیش کرتا۔ یہ نضا جگر صاحب کی شاعرانہ صلاحیتوں کے چکانے بلکہ ابھارنے میں بھی بہت مفید ثابت ہوئی۔ ان کی بعض مشہور اور بلند پایہ غزلیں اسی ”دارالکھلاء“ کے دور میں کہی گئی تھیں۔ مثلاً حسب ذیل غزلیں اسی زمانے کی یادگار ہیں۔

۱۔ جواب بھی نہ تکلیف فرمائیے گا۔

۲۔ نظیر ملا کے، مرے پاس آ کے لوٹ لیا۔

۳۔ ہجوم تجلی سے معمور ہو کر۔

۴۔ عشق میں لا جواب ہیں ہم لوگ

۵۔ حسن معنی کی قسم، جلوہ صورت کی قسم!

۶۔ دل حریف حال بے حالی نہیں۔

۷۔ غم عاشقی کا صلا چاہتا ہوں۔

۸۔ محبت میں یہ کیا ستم دیکھتے ہیں!

۹۔ جب تک شباب عشق مکمل شباب ہے۔

۱۰۔ سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے۔

۱۱۔ تڑپ کر دل انہیں تڑپا رہا ہے۔

۱۲۔ دل کو جب دل سے زاہ ہوتی ہے، وغیرہ

بھوپال میں برسات کے موسم میں بارش بہت شدید ہوتی ہے۔ یہاں کا سالانہ اوسط غالباً ۱۵۰ سنٹی میٹر ہے۔ لیکن اس زمانے میں بھی جب موسلا دھار بارش گھنٹوں رہتی اور گھر سے باہر پاؤں رکھنا محال ہوتا، سب کے سب ”کامل“ وقت کی پوری پابندی سے بلا ناغہ ”دارالکھلاء“ میں جمع ہوتے۔ ادھر نو بجے کے قریب ہوئے کہ ہر ایک پانی میں چوہا آ رہا ہے۔ اب یہ ”ناظمیں“ کا فرض تھا کہ گیلے کپڑے اتروائے، اور ان کی جگہ خشک کپڑے مہیا کرے۔

یوں چھ مہینے تک ہر رات تین تین بجے تک کی غیر حاضری سے ان لوگوں کے گھروں میں چھ میگوئیاں ہونے لگیں۔ جو اصحاب متامل تھے، ان میں سے بعض کی بیویوں نے تو یہ باور کرنے سے انکار کر دیا کہ جگر کوئی شاعر ہے، جس کے پاس یہ حضرت جا کے بیٹھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہونہ ہو، یہ سوئی کوئی طوائف ہے، جس کے کوٹھے پر جا کر تم لوگ روزانہ رنگ رلیاں مناتے ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد اصحاب کو جگر کو ساتھ لے جانے کے ان کی طلعت ہی زیا اپنی بیویوں کو دکھانا پڑی، تاکہ ان کا اطمینان ہو جائے۔

شہر کے لوگ جگر کو دعوتوں میں بلا تے تھے۔ اس سے نہ صرف انہی کا وقت ضائع ہوتا بلکہ ان کی غیر حاضری سے انجمن کی معمولی سرگرمیوں میں بھی بہت کمی، بلکہ بے لطفی ہو جاتی تھی۔ کابلوں کو یہ کسی عنوان منظور نہیں تھا۔ اس لئے غور و خوض کے بعد اس کا سدباب یوں کیا گیا کہ انجمن نے یہ قرارداد منظور کی کہ چونکہ دعوتوں سے عام طور پر کابلی کے جذبے کو نقصان پہنچتا ہے، جس کی قربانی کسی صورت گوارا نہیں کی جاسکتی، اس لئے یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ اگر کوئی صاحب ”صدرل“ کو چائے یا کھانے کی دعوت دیں، تو ان کے ساتھ بقیہ سب اراکین کو بھی مدعو کریں۔ یہی نہیں، بلکہ رات کے کھانے کی صورت میں، اس دن رات کا ”اجلاس“ بھی نو سے تین بجے تک میزبان صاحب ہی کے مکان پر منعقد ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نہ صرف ان اصحاب کے اکل و شرب کا انتظام کریں، بلکہ ان کے لیٹنے اور اینڈنے کے لئے اپنے مکان کا ایک کمرہ بھی خالی کر دیں۔ بے شک، اس پابندی سے دعوتوں میں بہت کمی ہوگئی، لیکن پھر بھی کبھی کبھی کوئی منچلا یہ تمام شرائط قبول کر کے دعوت کر ہی دیتا۔

جب رات کے تین بجے اجلاس ختم ہوتا، تو اس سے پہلے بے دودھ کی چائے کا دور چلتا، جو نیالیوں کی بجائے فجانوں میں پی جاتی تھی۔

اس انجمن کا ایک گروپ فوٹو بھی لیا گیا تھا، جو یقیناً اب بھی اکثر ”کالموں“ کے پاس موجود ہوگا۔

اس انجمن کو درہم برہم ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ جو نیک مقاصد سامنے رکھ کے یہ بنائی گئی تھی، افسوس، وہ تو پورے نہ ہوئے۔ دنیا کی اور بیشار عمدہ تحریکیں بھی ناکام رہی ہیں اور سچ پوچھے، تو اس دنیا نے ازل سے نیکیوں کی قدر کہاں کی ہے! اس لئے محض ایک انجمن کا ناتم بیکار ہے۔ لیکن میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر آج بھی کوئی اس طرح کی انجمن یا جماعت قائم ہو، جس کا طرہ امتیاز ”کالمی“ قرار پائے، تو اسے جگر صاحب سے زیادہ فعال صدر میسر نہیں آسکتا۔ سچ ہے، یہ خدا کی دین ہے۔

اس سعادت بزور بازو نیست

جگر کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ بزرگوں کا وطن وراصل دلی تھا۔ ان کے مورث اعلیٰ مولوی محمد سمیع شاہ جہان کے استاد تھے۔ نہ جانے کس بات پر عتاب شاہی نازل ہوا اور وہ ترک وطن کر کے مراد آباد میں جا مقیم ہوئے۔ جگر کو شاعری گویا ورثے میں ملی۔ دادا حافظ محمد نور شاعر تھے، نور تخلص تھا۔ والد مرحوم مولوی بزرگ علی بھی شاعر تھے، نظر تخلص کرتے اور تاسخ کے شاگرد رشید وزیر لکھنؤی سے مشورہ کرتے تھے۔ خود جگر نے ابتدا میں چندے منشی حیات بخش رسا کو کلام دکھایا، لیکن پھر وانغ سے رجوع کیا، جو رسا کے بھی استاد تھے۔ وانغ کی وفات (۱۹۰۵ء) کے بعد کچھ دن منشی امیر اللہ تسلیم سے بھی اصلاح لی۔

جگر کی ایک خصوصیت قابل تعریف ہے۔ انہوں نے غزل کے سوائے کچھ نہیں کہا، بلکہ عین ممکن ہے کہ اگر وہ کچھ اور کہتے تو اس میں اس حد تک کامیاب بھی نہ ہوتے۔ چونکہ ان کی افتاد طبع تھی بھی غزل کے مناسب حال، اس لئے ان کا کسی اور سخن پر توجہ کرنا گویا اپنی صلاحیتوں کے غلط استعمال کے مترادف ہوتا۔ ان کا اپنے آپ کو غزل سے مخصوص کر لینا، ان کے لئے بھی اچھا رہا، اور غزل کے لئے بھی۔ اس میں شک نہیں کہ اردو میں غزل اتنی ہی پرانی ہے، جتنی خود یہ زبان۔ بظاہر اب اس میں کوئی جدت اور تازگی ممکن نہیں۔ کیونکہ کونسا وہ مضمون یا موضوع ہے، جسے متقدمین بیان نہ کر گئے ہوں۔ پس اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جگر کا کلام بھی وہی پرانے رنگ کی چیز ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس سے انکار ممکن نہیں کہ ان کا اسلوب اور لب و لہجہ اور کس بل خاص ان کی چیز ہے۔ اور چونکہ زمانے کا مذاق بدل گیا، خود غزل کی ہیئت، زبان اور موضوع بلکہ مقصد تک سے متعلق نئے نئے

تجربے ہونے لگے ہیں۔ اس لئے اب یہ توقع کرنا کہ پھر کوئی جگر کا سا غزل گو شاعر پیدا ہوگا، امید موہوم سے زیادہ نہیں۔

ان کے کلام میں دو مختلف رنگوں کا امتزاج ہے۔ جرات اور داغ کی مادیت بھی ہے اور مومن کی معنویت بھی۔ جگر کا مزاج ان تینوں سے ملتا جلتا ہے۔ جرات اور داغ نے عشق جسمانی کی جو تصویریں اپنے کلام میں پیش کی ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ان کے ہاں کوئی پیچیدگی نہیں، وہی روزمرہ کی باتیں ہیں، جو آئے دن ہم میں سے ہر ایک کے تجربے میں آتی رہتی ہیں۔ جگر نے ان دونوں پر یقیناً ترقی کی ہے، ایسی کہ بسا اوقات پڑھنے والے کا ذہن شعر کی مادیت کا پوری طرح احاطہ بھی نہ کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کلام میں ان دونوں کی سی صاف عبریانی نہیں، بلکہ وہ اکثر اپنا مدعا ایسا پردے اور مرکب سے بیان کر جاتے ہیں کہ انسان پر اس کی عارضی ہیجانیت اور بیش پا افتادگی تک گراں نہیں گزرتی، اور وہ اس پر خاص توجہ دینے بغیر آگے گزر جاتے ہے۔

مومن کے ہاں حسن و عشق کی تصویریں زیادہ گہرے رنگ میں ہیں اور ان سے لطف اندوز ہونا ہر کسی کے اختیار میں نہیں۔ ان کے کلام سے پوری طرح لذت یاب ہونے کے لئے لازم ہے کہ نہ صرف قاری کے ذہن کی تربیت ایک خاص فکری ماحول میں ہوئی ہو، بلکہ اس نے "فسق و فجور" کا کچھ نظری یا عملی تجربہ بھی کیا ہو۔ مومن نے زمانہ ہجر و وصال کی مختلف وارداتوں اور لاگ اور لگاوت کی گونا گوں کیفیتوں کا جو نفسیاتی نقشہ پیش کیا ہے، اس کا جواب نہیں۔ لیکن چونکہ ان کے ہاں ایک خاص طرح کا لفظی اشکال ہے، اور اس کا تعلق فی الاصل بیشتر ان کے لہجے سے ہے جس سے بات فوراً سمجھ میں نہیں آتی۔ اسی لئے قاری اس کی معنویت تک پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ حقیقت میں یہی وجہ ہوئی کہ مومن نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ چونکہ جگر نے مدتوں رندی اور ہوسناکی کے کوچوں کی خاک چھانی تھی، اس لئے وہ ان مضامین کے ادا کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے ہیں، جو مومن کا طرہ امتیاز ہیں۔ نہ صرف یہی، بلکہ ان کے ہاں لفظی اشکال نام کو نہیں۔ ان کی بات فوراً ہر ایک کی سمجھ میں بھی آ جاتی ہے۔

شراب کے مضامین میں جنہیں خمریات کا نام دیا گیا ہے، جیسے کچھ ان کے کلام میں بیان ہوئے ہیں، آپ کو اردو میں بہت کم کسی اور شاعر نے کہاں ملیں گے..... ریاض خیر آبادی کے خمیریات مشہور ہیں۔ لوگ داغ کی بھی اس بات میں تعریف کرتے ہیں۔ حالانکہ ایمان کی بات ہے کہ ریاض اور داغ دونوں کے ہاں حد درجہ سطحیت ہے۔ حالانکہ ایمان کی بات یہ ہے کہ ریاض اور داغ دونوں کے ہاں حد درجہ سطحیت ہے۔ میں ان دونوں کی قاور الکلامی کا انکار نہیں کر رہا ہوں۔ دونوں استاوا ہیں، اور زبان کی رنگینی اور شوخی میں تو ان کا جواب نہیں۔ لیکن یہاں گفتگو خمریات سے ہے۔ فقرہ چست کر دینا، یا پھبتی

کہہ لینا، اور بات ہے، اور سرخوشی کے عالم میں بھی اپنے اندرونی احساسات اور دلی تاثرات کا بیان الگ چیز ہے۔ وہ کیفیت اور سرور جو صرف ایک رند میکش ہی محسوس کر سکتا ہے، نہ ریاض کے بس کی بات ہے، نہ داغ کی۔ کیونکہ کبھی ایک قطرہ بھی ان دونوں کے حلق سے نیچے نہیں گئی۔ اس پہلو سے جو مزہ جگر اور جوش کے کلام میں ہے، وہ آپ کو اور کہیں نہیں ملے گا۔ غالب بھی شاذ و نادر جب کبھی اس طرح کے مضامین لکھتا ہے، تو ڈوب کر اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ بھی سنی سنائی باتیں نہیں لکھتا، بلکہ ذاتی واردات بیان کرتا ہے۔

بیشک یہ ضروری نہیں کہ انسان جو لذت محسوس کرے، اسے ہمیشہ بیان کر لینے پر بھی قادر ہو۔ کئی لطیف جذبات اور احساسات ایسے ہوتے ہیں کہ زبان ان کے کامل اظہار سے قاصر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ آپ کی بحر بیان کی مثالیں شراب پینے والوں کے ہاں بھی مل جائیں گی۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا کہ انسان نے کسی کیفیت کا سرے سے کبھی تجربہ کیا ہی نہ ہو اور وہ اسے کما حقہ بیان کر سکے۔

میں نے بارہا جگر کو شعر کہتے، بلکہ پوری پوری غزل کہتے دیکھا۔ آپ نے وہ داغ کا شعر جننے کا لطیفہ تو ضرور سنا ہوگا۔ جگر کو کبھی اس طرح تجربہ نہیں ہوا۔ احباب کا مجمع ہے، مجلس جمی ہوئی ہے، لطیفے اور ہنسی مذاق کی گفتگو ہے، فقرے بازی اور گنچ ہو رہی ہے کہ کسی نے کہا: ”جگر صاحب، اس مصرع پر مصرع یا شعر پر شعر تو کہئے۔“ اگر ان کی طبیعت کسی وجہ سے بالکل ہی غیر حاضر نہیں، تو انہیں گرہ لگانے یا شعر کہنے میں کبھی کوئی تکلف نہیں ہوا اور اگر مجمع واقعی معقول لوگوں کا ہوا، تو انہوں نے غزل بھی پوری کر لی۔ انہیں درست مشورہ تک قبول کر لینے میں بھی عذر نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً ان کا ایک شعر ہے:

”عرض غم نہ کر، اتنے دل!“ دیکھ ہم نہ کہتے تھے

رہ گئے وہ اونھ کر کے، سن لیا جواب ان کا!

پہلے مصرع ثانی میں ”اونھ کہہ کر“ تھا۔ ایک دن وہ یہ غزل سنا رہے تھے، تو میں نے ان سے کہا کہ اس کی پہلے ”اونھ کر کے“ بنا دیجئے۔ کہنے لگے: وجہ؟ میں نے جواب دیا کہ ”اونھ“ کوئی مستقل کلمہ نہیں، جس کے لئے ”کہنا“ کہا جائے، بلکہ یہ ایک آواز ہے۔ اس کے لئے ”کرنا“ ہی مناسب ہے۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے اس کے بعد جوش سے بھی اس کا ذکر کیا تھا۔ جوش نے میری تائید کی، اس پر انہوں نے ”اونھ“ کر کے بنا دیا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر (شعر اس وقت مجھے یاد نہیں) میرے کہنے پر انہوں نے ”اچھلنا“ کی جگہ ”ابھرنا“ بنا دیا۔ اس ہرزہ گوئی سے خود ستائی مقصود نہیں، بلکہ مدعا یہ ہے کہ باوجود صف اول کا غزل گو اور شاعر ہونے کے ان میں وہ غلط پندار نہیں تھا، جو ہمارے بعض ”اساتذہ“ کا نمایاں شعار ہے۔

میں ۱۹۳۸ء کے اوائل میں دلی سے اور اگلے برس ملک ہی سے باہر چلا گیا اور ایک لمبے عرصے تک باہر رہا۔ ملک کی آزادی اور تقسیم میری غیر حاضری میں عمل میں آئی۔ اس زمانے میں جگر سے براہ راست تعلقات منقطع ہو گئے (یوں بھی وہ خط و کتابت کے زیادہ غادی نہیں تھے) البتہ سنٹار ہا کہ اب بفضل انہوں نے شراب سے توبہ کر لی، اور بہت محتاط زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۱۹۵۲ء کے آغاز میں اچانک مجھے کراچی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں منجملہ اور احباب کے محمود صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ کہنے لگے: ”جگر آج کل یہیں کراچی میں ہیں۔“ میں نے کہا: ”چلئے، ان سے ملیں۔ شام کا وقت تھا کہ ہم دونوں ان کی قیام گاہ پر پہنچے۔ زینے پر چڑھتے ہوئے میں نے محمود صاحب سے کہا کہ آپ میرا نام نہ لیجئے گا، دیکھیں، پہچانتے ہیں یا نہیں۔ اوپر پہنچے تو دیکھا کہ جگر صاحب کرسی پر براجمان ہیں اور ارد گرد حسب معمول آٹھ دس آدمی کرسیوں اور موٹوں اور تخت پر بیٹھے ہیں۔ بجلی کی روشنی اچھی خاصی تیز تھی۔ محمود صاحب سے علیک سلیک ہوئی۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ سر کو کوئی (۳۰) درجے داہنی جانب جھکا کر چند ہیائی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ پیشانی کے بل کہہ رہے تھے کہ حافظے کے منفی اور مثبت تاریکی سے جمع ہو رہے ہیں۔ بارے، دیر نہیں لگی۔“ ارے، مالک رام ہیں۔“ کہہ کے کھڑے ہو گئے۔ تپاک سے معاف کیا اور پوچھا: ”بھائی، بہت دن کے بعد ملے، کیسے ہو؟“ میں نے کہا: ”صاحب، داد دیتا ہوں آپ کے حافظے کی کہ چودہ پندرہ برس کے بعد یوں آسانی سے پہچان لیا، حال آنکہ وہ عالم اور تھا اور اب اور ہے“ کہنے لگے۔ ”اس میں کسی حد تک آپ بھی معاون ثابت ہوئے۔ آخر انسان کی شخصیت اتنی جاندار تو ہو، اور وہ اتنا پائیدار اثر تو چھوڑ جائے کہ دوسرا شخص چاہے بھی، تو اسے بھلا نہ سکے۔“ چونکہ میں جانتا تھا کہ جگر تملق کے روادار نہیں اور لوگوں کی بیجا مدح ان کا شعار نہیں، اس لئے ان کی اس بات سے مجھے خوشی محسوس ہوئی۔

میں اواخر ۱۹۵۲ء سے مارچ ۱۹۵۸ء تک ہندوستان میں رہا تھا۔ ان تین برسوں میں ان سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی، یہاں دلی میں بھی اور باہر بھی۔ آخری ملاقات ۱۹۵۷ء میں میرٹھ میں حکیم سیف الدین احمد سلمہ کے مکان پر ہوئی۔ اس زمانے میں میرے ایک بزرگ میرٹھ میں مقیم تھے۔ میں ان سے ملنے کو اکثر وہاں جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں دوپہر کے کھانے پر حکیم صاحب کے ہاں مدعو تھا۔ کھانے کے بعد حکیم صاحب اور تسکین قریشی مرحوم اور میں بیٹھے گپ کر رہے تھے کہ جگر صاحب بغیر کسی سابقہ اطلاع کے اچانک پہنچ گئے۔ فرمایا: ”میں ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے بمبئی گیا تھا۔ واپسی کے لئے جب اسٹیشن پہنچا، تو جی میں آئی کہ آپ سے بھی ملتا جاؤں۔“

بالعموم جگر کے یہاں خیال اور عمل بیک وقت ہوتا تھا۔ یعنی کوئی بات ان کے ذہن میں آئی، تو پھر اس پر فوراً بلا توقف عمل کرتے۔ چنانچہ یہاں بھی ہوا۔ حکیم صاحب سے ملنے کے خیال کا آنا تھا

کہ انہوں نے بڑھ کر کھڑکی سے میرٹھ کا ٹکٹ خرید لیا اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ حکیم سیف سے ان کے حد درجہ مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے، اور حکیم صاحب بھی ان کی خدمت کر کے دلی مسرت محسوس کرتے تھے۔

وہ میرٹھ میں دو دن رکے اور وہاں سے گوئندہ چلے گئے۔ اس کے بعد پھر ان سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔

مارچ ۱۹۵۸ء میں ان پر پہلی مرتبہ دل کا دروہ پڑا۔ وہ اس حملے سے جانبر تو ہو گئے لیکن اس کے بعد ان کا کہیں باہر جانا قطعاً بند ہو گیا، اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یہ دورے پڑتے رہے۔ بالآخر اسی "بیماری دل" سے وہ ۹ ستمبر ۱۹۶۰ء صبح کے وقت اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔

دل کو سکون، روح کو آرام آ گیا

موت آ گئی کہ یار کا پیغام آ گیا

جگر کی شخصیت بڑی پیاری اور دل آویز تھی۔ دل کے صاف، زبان کے کھرے، وہ کسی کے برے میں نہیں تھے۔ میں نے کبھی کسی کی غیبت ان کی زبان سے نہیں سنی۔ صرف یہی نہیں، وہ دوسرے کے صریح نقص کی جگہ بھی اس کی خوبیوں کا بیان کرنے لگتے۔ بلکہ کبھی کبھی وہ دوسرے کے نقص کی ایسی توجیہ کرتے کہ وہ نقص ظاہر میں کم دکھائی دینے لگتا۔ ہمارے ایک شاعر دوست عقیدے کے لحاظ سے دہریے ہیں۔ وہ پوری بیباکی سے جا بوجھ اپنے عقیدے کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اور انہوں نے نظم و نثر میں بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک مرتبہ جگر سے ان سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے کہا: "کاش ان کی زندگی کا کم از کم یہ پہلو ہی درست ہوتا۔" کہنے لگے: "بھائی، دلوں کے بھید جاننے والا تو خدا ہے، لیکن جس تحدی اور شدت سے وہ اپنے الحاد کا اظہار کرتے ہیں، اس سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں چور ہے اور وہ واقعی ایسے نہیں۔ آپ جانتے ہیں، بعض طبیعتیں کسی کے سامنے بھی سر جھکانے میں عار محسوس کرتی ہیں۔ کسے باشد، ان کے لئے کسی کی اطاعت قبول کرنا، چنگ کے ہم معنی ہے۔ وہ جدی پشیمان ہیں، اور ان کے باپ دادا کی سرکشی اور شورہ پستی کے واقعات آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ پس، وہ خدا کی خدائی تسلیم کرنے میں بھی اپنی نوہن سمجھتے ہیں، حال آنکہ دل سے وہ ملحد نہیں۔"

اس بات کو جانے دیجئے کہ ان کی تاویل درست ہے کہ نہیں، بلکہ اصلیت یہ ہے کہ غلط ہے۔

کیونکہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ ان کا استدلال مضبوط نہیں اور وہ صاحب بھی واقعی ملحد ہیں اور اس کے اعلان میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اس کے اس قوت سے خود جگر کی سیرت اور کردار کا جو رخ

ہمارے سامنے آتا ہے، وہ کتنا دلکش ہے

اسمائے حسنیٰ میں ستار اور غفار بھی ہیں۔ اگر یہ سچ ہے کہ انسان کا مطمح نظر یہی ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو خدائی رنگ میں رنگ لے (ومن احسن من اللہ صبغۃ) تو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان دونوں خدائی صفات کو بھی اپنی زندگی کا جزو بنانے کی کوشش کرے۔ اگر ہم دوسروں کے عیوب کی بجائے ان کی خوبیوں پر نظر رکھیں، تو یہ دنیا کتنی حسین بن جائے۔

بے عیب ذات خدا کی ہے۔ جگر صاحب میں بھی کمزوریاں تھیں، لیکن ان کی خوبیوں کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اور یہ تو ارشاد خداوندی ہے کہ نیکیاں بدیوں کو محو کر دیتی ہیں۔ پس میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی شخص جگر کا دشمن ہو سکتا ہے۔ بلکہ میرا یقین تھا کہ کوئی شخص انہیں جتنا بھی قریب سے دیکھے گا اتنا ہی ان سے محبت کرے گا:

وہ حلم، وہ تواضع، وہ طرز خود فراموشی
خدا بخشے جگر کو، لاکھ انسانوں کا انساں تھا

تری یاد کا عالم

(رشید احمد صدیقی)

مگر صاحب وہاں پہنچ گئے جہاں ایک نہ ایک دن ہر اس تنفس کو پہنچنا ہے جو زندگی مرض الموت میں گرفتار ہے۔ اس دنیا میں موت بھی کتنی سستی، یقینی، ہر جگہ ہر وقت آسانی سے مل جانے والی چیز ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہوا، پانی، آگ اور مٹی کی طرح یہ بھی ہر جاندار کے لئے کتنی ضروری ہے۔ فطرت بہت سے معاملات میں کسی نہ کسی شرط پر انسان سے خوش و ناخوش مفاہمت کر لیتی ہے، صرف موت کے مسئلے پر آج تک کسی طرح کی مصالحت پر تیار نہیں ہوئی۔ انسان اور موت کے درمیان رشتے و روایات کو دیکھتے ہوئے یہ امر بھی یقینی ہے کہ ارضی سطح پر آئندہ کبھی مفاہمت نہ ہو سکے گی۔ لیکن اگر انسان موت کو تسخیر نہیں کر سکا ہے تو موت کبھی انسان کے ان کارناموں کو نابود دیا ہے نور نہیں کر سکی ہے جو موت سے زیادہ عجیب و عظیم مانے گئے ہیں۔ وہ انسان کو تسخیر بھی کر سکتی ہے۔ جب انسان روز ازل و ابدی ہونے کے ان صفات سے بھی کسی نہ کسی درجے میں متصف ہے جو خدا کے ہیں جن کے طفیل وہ اس سرزمین پر خدا کا نمائندہ اور نائب ہے اور کیا معلوم بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انسان خدا میں ازلی اور ابدی بھی ہے۔

موت مامور و مجبور ہے۔ وہ کتنا ہی چاہے۔ اپنے کو بدل نہیں سکتی۔ انسان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ توفیق الہی اور استعداد انسانی کے مطابق اپنے کو بہتر و برتر بنا سکتا ہے۔ لائق ہی حد تک بہتر و برتر! موت کی یہ شکست مسلم ہے۔ اگر ہم اس طرح سوچنے کا حوصلہ کر سکیں تو محسوس ہوگا کہ انسان موت کے ہاتھ میں کھلونا نہیں ہے۔ ہم میں ایسے اکابر گزرے ہیں، آج بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی آتے رہیں گے، جن کے ہاتھ میں موت کی حیثیت کھلونے کی رہی ہے اور رہے گی۔ بڑا انسان اپنی شکست میں زندہ رہتا ہے۔

لیکن اس وقت مرحوم کی وفات سے (کسی عزیز کو پہلی بار مرحوم کہہ کر یاد کرنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے) ان ساتھیوں اور صحبتوں کی کیسی کیسی یاد تازہ ہو رہی ہے جن سے کبھی اپنی، کبھی ان کی، کبھی دوستوں کی زندگیاں خوشی سے معمور اور امنگوں سے لبریز رہا کرتی تھیں۔ کہیں گہری، کہیں ہلکی، یہ یادیں ماضی کے ۳۵، ۳۰ سال کی وسیع دھوپ چھاؤں پر محیط ہیں۔ جگر صاحب کو میں نے ہر حال میں پایا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے بیان کرنے میں مصلحت تامل کرے۔ غفلت میں چاہے وہ بیماری سے ہو چاہے شراب سے، تنگدستی و در ماندگی کا سابقہ ہو یا ثروت و شہوت کا نشہ، انسان کی زبان سے بعض ان غیر مستحسن جذبات اور خیالات کا اظہار ہو ہی جاتا ہے جو اس کے تحت شعور میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ جگر صاحب ان تمام مراحل سے ثابت قدم گذرے۔ ادنیٰ لوگوں میں ادنیٰ درجے کی تیز و تند شراب کثرت سے پی کر مدہوش ہو جانا لیکن زبان سے کسی ناسزا کلمے کا نہ نکالنا معمولی بات نہیں ہے۔ جگر صاحب پر تھوڑی سی اور ہلکی شراب پی لینے کا اثر بہت جلد اور معمول سے زیادہ ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اس شخص کے بطون میں کوئی چور دروازہ ہی نہ ہو جس سے کوئی ناروا خیال یا خواہش داخل ہو جائے یا اس طرح کا کوئی خیال یا خواہش پہلے سے جاگزیں ہو تو موقع پا کر باہر نکل آئے۔ یہ صفت کم لوگوں میں ملے گی!

ہندوستان اور دوسرے ممالک کے بڑے شاعر اور فن کاروں کو ہم میں سے بہتوں نے دیکھا ہو گا یا ان کے حالات سنے اور پڑھے ہوں گے باوجود اس کے کہ ان کا کلام مدتوں سے اشتیاق و احترام سے پڑھا سنا اور سراہا جاتا ہے ان میں ایسے بھی ہیں جن کی سیرت و شخصیت جہاں تہاں سے داغدار ہے۔ لیکن ان شعراء اور فن کاروں کی عظیم الشان شخصیت کی منزلت اتنی بڑھ چکی ہوتی ہے کہ ان کی سیرت کی خامیوں کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے۔ ہمارے کتنے بڑے شاعروں کی بعض کمزوریوں کو اجاگر کرنے کی کیسی کیسی کوشش کی گئی، اور اب بھی کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی بڑائی میں مطلق فرق نہ آیا۔ البتہ یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ شاعر اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے قابو میں چلا گیا یا بعض تقاضوں کے پیش نظر اس نے ان صلاحیتوں کو اپنے قابو میں رکھا۔ بصورت اول وہ ہمدردی کا، بصورت دیگر ستائش کا مستحق ہوتا ہے۔

ان کے مقابلے میں یہاں اپنے ان چار غزل گو یوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو اب تک اس صدی میں جدید اردو غزل کی خوبصورت مستحکم اور ایک طور پر کثیر القاصد، عمارت کے چار عظیم معیار مانے جاتے ہیں۔ یعنی حسرت، اصغر، فانی اور جگر۔ ان کا شعری یا سکیوتی تعلق کسی 'دلی صفا ہان یا سمرقند' سے نہیں تھا۔ ذرا دور سے اور بلندی پر جا کر دیکھیں تو یہ معلوم ہوگا کہ فیضان، سرسید، ان کے رفقاء کرام اور علی گڑھ تحریک کا ہے۔ علی گڑھ نے شعراء ادب کے جغرافیائی دبستان ختم کر دیئے۔

ان چاروں نے نہ تو کوئی مینوفیسٹو شائع کیا، نہ زندگی و ادب کے اسرار و معارف کو الم نشرح کرنے کے لئے کوئی عالمی کانفرنس منعقد کی۔ نہ تشہیر و تبلیغ کا کوئی ادارہ یا محاذ قائم کیا، نہ جلسے جلوس سے کوئی واسطہ رکھا۔ صرف جہاں تہاں مشاعروں میں اپنا کلام سناتے رہے۔ ایسے مشاعروں میں بھی جہاں شعراء اور سامعین دونوں کی آبرو خطرے میں رہتی ہے۔ بایں ہمہ انہوں نے اردو غزل گوئی کی اس طرح تطہیر و توسیع کی اور اس کو ایسا ترفع بخشا اور زندگی و ادب کے صالح تقاضوں کے پیش نظر اس میں توانائی اور دل آویزی پیدا کی کہ اس کے سامنے اردو شاعری کی دوسری اصناف مانبد پڑ گئیں۔ یہ کم عجیب بات نہیں ہے کہ یہ شعراء اپنی اعلیٰ تخلیقات سے بھی نہیں بلکہ اعلیٰ سیرت و شخصیت کے اعتبار سے کم و بیش نصف صدی تک باوجود طرح طرح کے موانع کے یکساں طور پر ممتاز و محترم رہے!

غزل کی یہ مقبولیت موسمی، مقامی یا اتفاقی نہ تھی، جیسی فلمی گانوں کی ہوتی ہے جو بالعموم ادنیٰ طبقے کے نوجوانوں، ہر طبقے کی عورتوں اور گلی کوچے میں پھرنے والے کمپیز نادان بچوں یا ان طالب علموں کی زبان پر چڑھ جاتے ہیں جو خاندان کی روایات سے بے بہرہ، سوسائٹی کی ذمہ داریوں سے نا آشنا ماحول کی خرابیوں کے شکار اور اچھی تعلیم و تعلیم گاہوں کے فیض سے محروم ہوتے ہیں۔ ان چار درویشوں نے سیاست کے سستے نعروں سے بھی اپنی دکان نہیں سجائی تھی لیکن ان کا کلام خواص و عوام کے دلوں میں گھر کر لیتا تھا اور اثر دکھاتا تھا۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں جب طبائع پورے طور پر سیاست اور سائنس کی گرفت میں آچکی تھیں اور پرانی قدروں کا احترام برائے نام باقی رہ گیا تھا، جب دور و نزدیک یکساں ہو گئے تھے، غزل کو ایسی آبرو بخشا کہ وہ دوسرے ملکوں کے شعر و ادب کے سامنے اپنا سرو انچا رکھ سکے اور ہم میں جو صدیوں سے محکوم و منکوب تھے، احساس کمتری نہ پیدا ہونے دے، ان شاعروں کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان کا یہ تصرف اس صنف کلام پر تھا جو بہت تنگ و محدود اور بعض حلقوں میں نامسعود سمجھا جانے لگا!

مجھے جگر صاحب کے خاندان کا حال نہیں معلوم، کتنی تعلیم تھی، کس بزرگ کے مرید یا کس سلسلہ طریقت یا مسلک سیاست سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح کی باتوں سے کسی کا علم نہیں۔ جس سے جتنا قریب ہوتا ہوں اتنا ہی اس کے بارے میں ان باتوں کی کھوج لگانے سے پرہیز کرتا ہوں۔ مرحوم کی رحلت سے آج بڑا پرانا گہرا اور مخلصانہ رشتہ ٹوٹ گیا۔ عمر کی جس منزل پر ہوں وہاں اس طرح کے رشتے ٹوٹتے ہی رہتے ہیں۔ فطرت کا یہی تقاضا ہے، لیکن کیا کروں، فطرت کے اس طرح کے تقاضے تسلیم کرنے سے عاجز و قاصر رہتے ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ میرے اس تصور میں اور کتنے بد نصیب شریک ہوں گے؟

مدت حیات کا حساب کتاب سال اور ماہ کے گزرنے سے نہیں کرتے، عزیزوں کی مفارقت

سے بھی کرتے ہیں۔ وہ اٹھائے جاتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ زندگی ختم ہوگئی۔ عمر چاہے جہاں تک پہنچے، عمر پانے کو زندہ رہنا نہیں کہتے۔ زندگی اپنی زندگی سے اتنی عبارت نہیں ہوتی جتنی عزیزوں کی زندگی اور خوشی سے ہوتی ہے۔ یہ نہیں تو زندہ رہنا اور نفس کے مطالبے پورے کرتے رہنا ایک مسلسل بے غیرتی اور بڑھتی ہوئی تنہائی اور تاریکی ہے، جس کو نہ چھپا سکتے ہیں، نہ اس سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے حق بجانب بھی نہیں قرار دے سکتے۔

جگر صاحب میرا بہت لحاظ کرتے تھے۔ اصغر گوٹھ وی مغفور کے علاوہ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جن کے لئے وہ اتنا اخلاص و احترام ملحوظ رکھتے ہوں جتنا میرے لئے۔ اصغر صاحب سے تو ان کی عقیدت بندگی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ شاید ہی وہ کسی اور کے یہاں اس محویت و مسکنت کے عالم میں پائے گئے ہوں جتنا اصغر صاحب کے ”حضور“ میں۔ اصغر صاحب بھی مجھے بہت عزیز رکھتے تھے۔ جگر صاحب کی مجھ سے وابستگی یہیں سے شروع ہوئی تھی جس کو آخر وقت تک انہوں نے جس طرح نباہا اس کا خیال کرنا ہوں تو دل عجیب عجیب طرح سے بے قرار ہونے لگتا ہے!

جگر صاحب کے اس خلوص و محبت کو میں نے نباہنے کی برابر کوشش کی، لیکن مرحوم ان غیر معمولی شریف اور فیاض انسانوں میں تھے جن کی مسلسل ”نوازشیں پیدائیں“ کا ساتھ دینے سے ہمیشہ قاصر رہا۔ روپے، پیسے مال و متاع سے کوئی سلوک کرے تو اس کا بدلہ ادا کر دینا آسان ہے، لیکن جو شخص (وہ جگر صاحب جیسا شخص) محبت و احترام کی بیکراں نعمتوں سے کسی کو بہرہ مند کرے اور رکھے اور کسی وقت غافل نہ رہے، اس سے کون عہدہ برا ہو سکتا ہے! جگر صاحب کے پاس جو دولت تھی اور جسے وہ مجھ پر بے دریغ صرف کرتے تھے اس سے مبادلہ کے لئے میری ہر دولت ناقابل التفات تھی۔

جگر صاحب کی محبت بھی عجیب محبت تھی۔ ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ میں ان کی مدارات میں کوئی حصہ نہ لوں۔ اس خیال سے کہ مجھے زحمت نہ ہو۔ اس سبب سے ایک طور پر میں جگر صاحب سے اتنا اور اس طرح قریب نہ ہو سکا کہ ان کی ذہنی واردات اور رنج و راحت کے محرکات سے براہ راست اور پورے طور پر واقف ہو سکتا، اس سے شرمندہ ہوں۔ عقیدت و محبت کا پورے طور پر مستحق نہ ہونا، لیکن اس کا مورد رہنا شریف آدمی کے لئے اتنا ہی باعث خلش رہتا ہے جتنا ایک گناہگار کی لئے جو اس اندیشے میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں بے نقاب نہ ہو جائے۔ یاد نہیں آتا انہوں نے اپنی تکالیف یا نجی دشواریوں کا کبھی کسی عنوان مجھ سے تذکرہ کیا ہو۔ مشاعروں میں ان کے کلام کو جس خلوص سے سراہا جاتا اور خود ان کی پذیرائی جس عزت و محبت کے ساتھ کی جاتی اس کا ذکر بھی کبھی ان کی زبان پر نہیں آیا۔ ایسے شعراء سے بھی واقف ہوں جن کے کلام سے شاعروں میں دھوم مچ جاتی اور ان کا کلام سننے کے لئے لوگ سراپا شوق و انتظار ہوتے، لیکن فرق یہ ہوتا کہ سامعین جگر صاحب موجودگی سے اور ان

کی دیکھ کر جتنے خوش ہوتے اور فخر کرتے دوسروں کی موجودگی سے نہیں۔ آخر آخر میں معذوریوں کے سبب سے وہ اپنا کلام اچھی طرح سنا بھی نہیں سکتے تھے، جب بھی لوگ خوش ہوتے کہ جگر صاحب نے ان کے لئے مشاعرے میں شرکت کی زحمت گوارا کی۔ انہوں نے جگر صاحب کو دیکھ لیا اور ان کا کلام ان کی زبان سے سن لیا۔ یہ امتیاز اس صدی میں اردو کے شاید کسی غزل گو کو نصیب نہیں ہوا۔

جگر صاحب سے لوگوں کو جیسے مذہبی ارادت و عقیدت ہو۔ میر انیس اور اقبال سے اس طرح کی شیفتگی تو سمجھ میں آتی ہے، جگر صاحب سے اس شغف کو کس چیز پر جمول کروں۔ ان کے یہاں مذہب، سیاست، اخلاق، فلسفہ، تصوف، طنز و ظرافت کسی کو بھی تو دخل نہیں۔ ابتدائی عہد کے کلام سے قطع نظر عشق و عاشقی کا بھی وہ رنگ نہیں ملتا جو عام طبائع کے لئے باعث کشش ہوتا ہے۔ پھر اس کے سوا اور کیا کہوں کہ ان کے کلام ہی میں ”مادرائے سخن ایک بات“ نہ تھی، ان کی شخصیت میں مادرائے شخص بھی ایک بات تھی۔

جگر صاحب بحیثیت مہمان تشریف لاتے تو بیک وقت کئی خوشگوار باتوں کا احساس ہونے لگتا، گویا کوئی بھولی ہوئی لطیف خوشبو آگئی ہو۔ زندگی کی نعمتیں اچھی، اس کے مصائب گوارا اور آلودگیاں قابلِ احتراز معلوم ہونے لگتیں۔ جگر صاحب کے چاہنے والے دو ایک دن پہلے سے گھر کا چکر لگانے لگتے تھے۔ وہ آجاتے تو دن رات ان کو گھیرے رہتے۔ جگر صاحب کے اس ”حلقے“ یا ”دربار“ میں میں کبھی غل نہیں ہوتا تھا۔ وہ اسے جانتے تھے۔ اس لئے جب ہجوم ختم ہو جاتا تو صرف یہ اطلاع بھجوادیتے کہ نفاقاتی رخصت ہو گئے۔ میں پہنچتا تو جیسے سر سے پاؤں تک فرط مکرم و تشکر سے جگمگانے لگے ہوں۔ بے اختیار کھڑے ہو جاتے۔ اسی بے اختیار سے فوراً بیٹھ جاتے، جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور آس پاس کی چیزیں بے ضرورت ادھر ادھر رکھنے لگتے۔ بیٹھ جاتا تو وہ بھی بیٹھ جاتے اور مسکرانے لگتے جیسے اپنے اس مسکرانے کی شیم و شبنم کے تحت رواں پر مجھے بٹھا دینا چاہتے ہوں۔

جگر صاحب شکل و صورت کے اچھے نہ تھے، لیکن اس وقت ان کا مسکرانا اور کبھی رہ رہ کر ہنس پڑنا اور جلد ہی کچھ کہنے لگنا تا کہ میں ان کے اس اضطراب و انبساط کو جان نہ سکوں۔ ایسا دل نشیں اور قابلِ فخر و احترام محسوس ہوتا کہ میں اس وقت اس کو کسی تشبیہ و استعارے سے بھی واضح نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اس کو کسی حسین و شیرازہ یا معصوم سے معصوم تندرست بچے کے مسکرانے اور ہنسنے سے بھی تشبیہ دینا نا کافی سمجھتا ہوں۔ جگر صاحب اچھی صورت کے ہوتے تو شاید اتنے اچھے نہ معلوم ہوتے۔ جگر صاحب ہی پر موقوف نہیں کوئی اور بھی ہوتا تو اتنا دلاویز نہ معلوم ہوتا۔ سیرت کا حسن دنیا کے تمام دوسرے حسن سے افضل ہوتا ہے۔ یہ بات جتنی سچی اور پکی ہے، افسوس ہے کہ اتنی ہی دیر میں اور کبھی کبھی وقت نکل جانے پر اس کا احساس اور یقین ہوتا ہے۔

جگر صاحب جتنے مذہبی آدمی تھے اتنے ہی اخلاقی بھی! ایسا ہونا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ بالخصوص ایسے لوگوں کے لئے جو اصلاً نہیں اصطلاحاً مذہبی ہوتے ہیں۔ ہر مذہبی آدمی اخلاقی آدمی نہیں ہوتا۔ خود غرض یا نادانف مذہب کو بالعموم اصطلاحی حدود میں مقید رکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض دوسرے اخلاق کو مذہب سے آزاد اور علیحدہ سمجھتے ہیں۔ مذہب اور اخلاق کو علیحدہ خانوں میں رکھا نہیں جاسکتا۔ اس لئے حقیقتاً اخلاق مذہب سے برآمد ہوا ہے اور اس کا آوردہ و پروردہ ہے۔ اخلاق مذہب کی عملی شکل ہے۔ مذہب سے علیحدہ ہو کر اخلاق پر زور دینا ان لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے جن کی نیت بالعموم بخیر نہیں ہوتی۔ مذہب اخلاق کا محافظ و محتسب ہے اور اخلاق بغیر مذہب، عورت بغیر شوہر ہے!

خود غرض طالب مذہب کی ہمہ گیر و ہمہ گرفت سے بچنے کے لئے اخلاق کے دائرے میں پناہ لیتی ہیں، جس کی سرحد پھانڈ کر تہذیب کی قلمرو میں آجاتے ہیں۔ وہاں سے سیاست کی وادی میں پہنچتے ہیں۔ سیاست سے قومیت اور تجارت کی منزلیں دور نہیں رہ جاتیں۔ یہیں پہنچنا بالعموم ان کا مقصد ہوتا ہے۔ مذہب کے تقاضوں سے بچنے یا مذہب کی بلندی سے اترنے کے لئے جو زینے ہیں ان میں پہلا اخلاق پھر تہذیب، اس کے بعد سیاست قومیت اور تجارت ہیں۔ موجزاً لہذا ذکر تین کا نام مسعود اتحاد آج عالم انسانیت کا سب سے بڑا آشوب ہے!

مذہبی ہونے کا علمی و کتابی تصور واضح کرنے کے لئے خاص طرح کی لیاقت درکار ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ اپنے طور پر پابندی کر پاتا ہو یا نہیں کوئی ایسی بات سننا اور دیکھنا گوارا نہ کر سکے جو خدا اور اس کے رسول کے خلاف کسی کے منہ سے نکلے یا جس سے شعائر اسلام کی سبکی ہوتی ہو۔

بہت دنوں کی بات ہے علی گڑھ میں طالب علمی کا زمانہ تھا۔ احباب کی ایک صحبت میں ہر طرح کی باتیں بے تکلفی سے ہو رہی تھیں۔ ایک دوست موجود تھے جو مسلمان کہلاتے تھے لیکن خدا رسول اور احکام دین کے قائل نہ تھے۔ ایک دوسرے صاحب بھی تھے جو ہم میں اپنی اول جلوبل حرکتوں اور بھولے پن کے لئے باعث تفریح رہا کرتے تھے۔ گفتگو کے دوران پہلے کی زبان سے مذہب کے بارے میں کچھ استہزائیہ کلمے نکل گئے۔ باؤلا برا فرودختہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا تو بہ کر دو اور معافی مانگو، نہیں تو تمہاری خیر نہیں! انہوں نے سٹ پٹا کر کہا تم بھی تو اسی طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ کچھ جوش میں آ کر کچھ رو کر باؤلے نے جواب دیا، میری بات اور ہے خدا رسول تو میرے ماں باپ بھائی بہن ہیں۔ میرے جوجی میں آئے گا کہوں گا، تیرا تو ان سے کوئی رشتہ نہیں۔ تو میرے سامنے میرے ماں باپ بھائی کی کیسے توہین کر سکتا ہے۔

جگر صاحب کا علی گڑھ اور الہ آباد کا وہ زمانہ یاد ہے جب وہ زیادہ تر مخمور اور بد حال رہتے تھے،

لیکن دین یا ائمہ دین کے خلاف کوئی فقرہ کان میں پڑ جاتا تو بد مستی کا پورا زور اس پر صرف کر دیتے جس کی زبان سے وہ کلمہ نکلا ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے ان پر شراب کے نشے کے بجائے کوئی اور عالم طاری ہو گیا۔ مذہب ان کی نہاد میں تھا جس کا مظاہرہ وہ کبھی کبھی اس طرح کر جاتے کہ بڑی نزاکت کا سامنا ہو جاتا۔ اس سے جگر صاحب نے نقصان اٹھایا ہو یا نہیں وہ لوگ فائدہ اٹھا لیتے تھے جن کی نیوٹوں میں فتور ہوتا۔

کہیں کا سفر کتنا ہی ضرور ہوتا، علی گڑھ سے گزرتے تو وہ ایک دن میرے ساتھ ٹھہرنے کی گنجائش نکال لیتے۔ حج سے واپس آچکے تھے۔ ایک دن سہ پہر میں چائے پی رہے تھے۔ حسب معمول کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے فرمانے لگے، مدینہ طیبہ میں ایک دن چائے کی پوری پیالی اور آرزوی لیکن کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اتنا کہہ کر چپ ہو گئے حاضرین میں سے ایک صاحب بول اٹھے، جگر صاحب فکر شعر میں غرق رہے ہوں گے خبر نہ ہوئی ہوگی۔ جگر صاحب نے جواب دیا، کیا کیجئے گا آپ کو اس طرح کی تعبیر کی توفیق ہوئی۔ پھر ہنس پڑے اور بولے، پرانا زمانہ کیا برا تھا جب ہر کس و ناکس کو آزادی نہ تھی، اس کے لئے معتمد اور منتخب ہی لوگ ہوتے تھے۔

جگر صاحب پر بعض زمانہ بڑی سختی کا گزرا ہے۔ مالی دشواریوں کے سبب سے پریشان رہتے تھے۔ اس کا اظہار انہوں نے کسی اور سے کیا ہو یا نہیں مجھ سے کبھی نہیں کیا۔ یہ بڑی آزمائش کا مرحلہ ہوتا ہے۔ سیرت میں کہیں کوئی خامی رہ جاتی ہے، تو تنگ دستی میں بالضرور اور بڑی شدت سے ابھر آتی ہے۔ معمولی اشخاص کا تو ذکر کیا وہ تو ذرا سے فشار سے بکھرنے لگتے ہیں، اچھے اچھوں کو اس منزل میں ڈگمگاتے دیکھا ہے۔ ایسے زمانے میں بھی جگر صاحب اچھا کھاتے تھے، اچھا پہنتے تھے۔ اچھی طرح خود رہتے تھے، اپنے مہمانوں کو رکھتے تھے۔ کسی پر برا وقت آ پڑتا تو اپنے اوپر سختی جمیل کر اس کی مدد کرتے۔ دور ابتلا میں بھی لوگ ان کو طرح طرح سے دھوکہ دیتے اور زیر بار کرتے۔ کم لوگ ایسے ہوں گے جن کو دوسروں نے اتنا لوٹا کھسوٹا ہو جتنا جگر صاحب کو۔ اور ایسے لوگ تو شاید ہی ملیں جو اپنے اس طرح لوٹے کھسوٹے جانے کو خاطر میں نہ لاتے ہوں۔

جگر صاحب کسی کی درخواست کو رد نہیں کر سکتے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ درخواست کرنے والا جھوٹا ہے۔ آخر آخر میں تو نوبت یہاں تک آ گئی تھی کہ لوگ مانگنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ جس کا جب جی چاہا جس چیز کو چاہا لے لیا۔ جگر صاحب یہ سب دیکھتے لیکن کسی طرح کا خیال نہ کرتے۔ ایک بار میں نے ذرا تلخ ہو کر پوچھا، جگر صاحب آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ مسکرا کر اور عجیب معصوم انداز میں فرمانے لگے، کیا کروں، نہ کسی سے انکار کر سکتا ہوں اور نہ اس کو شرمندہ دیکھ سکتا ہوں۔ میں نے ذرا کم شریفانہ انداز میں کہا، اس کے بعد آپ یہ بھی چاہتے ہوں گے کہ میں آپ کی یا

اس کی درازی حیات کی دعا بھی مانگا کروں؟ بڑے مزے سے ہنسے اور جگر صاحب کب نہیں مزے سے ہنستے تھے!

بڑے باوضع آدمی تھے۔ جس سے خلوص کے مراسم ہو گئے تمام عمر کے لئے اس پر مہر لگ گئی۔ علی گڑھ میں تین چار گھرانے ایسے تھے جن سے عزیزانہ اور دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ آتے تو چاہے کتنے ہی موانع ہوں ان کے گھر ضرور جاتے۔ وہ جس طرح کی فرمائش کرتے قبول کر لیتے خواہ اس میں ان کو کتنی ہی تکلیف ہوتی۔ جہاں جاتے اہتمام سے جاتے۔ نہادھو کر، کپڑے بدل کر، کبھی تھکے کے طور پر کچھ لے کر۔ مدت دراز سے یہ سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ آخر آخر میں جب صحت خراب رہنے لگی تھی تو میں اس طرح کی دید و بازو سے روکتا۔ ہر طرح کا اہتمام کرنے کے بعد پانوں کی ڈبیا بٹوالے کر کسی کے ہاں جانے کے لئے تیار ہوتے اور اتفاقاً میں نکل آتا تو ان پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی جیسی کوئی بچہ تصور کرتا ہوا پکڑ لیا جائے۔ منع کرنا تو فوراً مان جاتے وہ بھی اس طرح جیسے واقعی مان گئے ہوں۔ اندر آ جانا تو تھوڑی دیر بعد اسی اہتمام کے ساتھ اپنی مہم پر روانہ ہو جاتے جیسے بچوں کو کسی کام سے منع کیجئے تو خوش و ناخوش اس وقت تو مان جائیں گے لیکن موقع ملتے ہی وہی کریں گے جو کرنے والے تھے۔ جگر صاحب کا بچوں کا سایہ انداز بڑا پر لطف معلوم ہوتا تھا، بالخصوص اس وقت جبکہ بعد میں بچوں سے بھی زیادہ معصوم یعنی اپنے انداز میں اس کی ٹوٹی پھوٹی معذرت کرتے!

جگر صاحب جانتے تھے کہ بطیب خاطر میں کسی شاعر سے شعر سنانے کی فرمائش نہیں کرتا اور اس بات سے اور زیادہ بد حظ ہوتا ہوں کہ خود شاعر بے تکلف ہو کر یا بادنی اشتعال جس کا مرتکب بھی اکثر وہ خود ہوتا شعر سنانے لگے! اسے آپ میری بد تمیزی پر محمول کریں، یا شاعری، یا دونوں کی کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ بات یہ ہے کہ بعض صوری یا معنوی اعتبار سے (صوری زیادہ معنوی برائے نام) شعر سننے اور داد دینے کے لئے بالعموم میرا انتخاب کیا جاتا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ پورا مصرع در کنار اس کا جزو تک اٹھانے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں الفاظ یا اعراب وغیرہ کا الٹ پھیر نہ ہو جائے۔ جب شاعر دوسرا مصرع پڑھتا ہے اور اکثر بار بار اور دیر تک پڑھتا رہتا ہے پہلا بھول چکا ہوتا ہوں، اس لئے پورے شعر کی داد دینے کے لئے طرح طرح کے سامعین کا منہ تکتا پڑتا ہے اور جلد سے جلد فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ان میں سے کون حلوے ماٹھے کی غرض سے آیا ہے، کون میزبان کو ایصال ثواب کرنا چاہتا ہے، کون شاعر کو ضرب شدید یا خفیف پہنچانے کا تہیہ کر رہا ہے اور کون مجھ کو محفل سے باہر نکل جانے کا چیلنج دے رہا ہے۔ اس کے بعد کہیں میرا منہ اس قابل ہوتا ہے کہ شاعر کو دکھا سکوں۔ دوسری اور سب سے بڑی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ کبھی کبھی میں شعر بے متاثر ایک طرح ہوتا ہوں لیکن داد دوسری طرح دینی پڑتی ہے۔ ساتھ ہی ڈرتا بھی رہتا ہوں کہ اس کشمکش میں کہیں مقدم موخر نہ ہو جائے! چنانچہ جہاں کہیں

اس کا خطرہ ہوتا ہے کہ شاعر اور اس کے کلام دونوں کی کرامات پر سب سے پہلے مجھے ایمان لانا پڑے گا اور اعلان بھی کرنا پڑے گا میں داد دینے والا ساتھ لے جاتا ہوں جس کی مجھے خاصی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ داد دینے والے سے یہ طے رہتا ہے کہ وہ اس طرح داد دے کہ اگر میں دینے لگوں تو کوئی سن نہ پائے یا دینے والا ہوں تو ہمت نہ پڑے۔

غالباً فروری ۱۹۵۹ء کی آخری تاریخیں تھیں۔ ”آتش گلن“ پر جگر صاحب کو ساتھ اکیڈمی کا انعام ملا تھا۔ جیسا کہ قاعدہ بنا رکھا تھا دلی سے واپسی پر میزے ہاں ٹھہر گئے۔ یہ ان کا علی گڑھ میں آخری قیام تھا۔ صحت کافی گر چکی تھی لیکن طبیعت بنشاش تھی۔ معمولات میں زیادہ فرق نہیں آیا تھا۔ دوستوں کی آمد و رفت، مقررہ گھرانوں پر حاضری، طالب علموں سے ملاقات، بچوں سے تفریح بدستور تھی۔ صبح کا وقت تھا، صحن میں دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خلاف معمول مجھے اندر سے بلوا بھیجا۔ آیا تو جگر صاحب کو غیر معمولی طور پر شگفتہ پایا۔ جیسا کہ ان کا قاعدہ تھا مسکرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہی سر سے پاؤں تک شوق و شینگی کا عالم۔ کچھ رکے۔ پھر بے اختیار بول پڑے آج میں نے آپ کو تکلیف دینے کی جرات کر ہی ڈالی۔ میں نے کہا، جگر صاحب، اچھا کیا مجھے بھی تو یہ کہنے کا فخر حاصل ہوا، کہ آپ نے بلا بھیجا۔ خوش ہو گئے۔ میں بیٹھ گیا۔

جگر صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ میری طبیعت کچھ دنوں سے خراب رہنے لگی تھی۔ لیکن انہوں نے آج نہ پہلے کبھی یہ پوچھا کہ میں کیا ہوں، کیا کرتا ہوں، کیا کرنا چاہئے، سچے کہاں ہیں، کیا کرتے ہیں، کس کی شادی ہوئی ہے، کس کی نہیں، کون پاکستان میں ہے، کون ہندوستان میں، کتنے بے روزگار ہیں، کتنے نہیں، مشیت الہی یا حکومت کی پالیسی کیا تھی، جس پر مجھے صبر کرنا چاہئے یا بغاوت، جیسا کہ اس طرح کی باتیں ملاقات کے وقت کے لئے لوگ عموماً حفظ کر رکھتے ہیں۔ وہ صرف یہ دیکھ کر اس طرح خوش ہو جاتے جیسے یہ تمام باتیں پوچھ لیں اور مطمئن ہو گئے اور مجھے مبارکباد دے ڈالی۔

یاد نہیں آتا کہ کون کون سی غزلیں سنائیں۔ اس صبح کو انہوں نے جس درد اور وارگی سے اپنا کلام سنایا اس سے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ آج میری تمام عمر کی محبت کا صلہ دینے کی کوشش کر رہے ہوں جس سے بڑا صلہ ان کے پاس دوسرا نہ ہو۔ جیسے سب سے بے تعلق ہو کر میرے لئے اپنے کو اپنے ہی نغمے میں ضم اور ختم کر دینا چاہتے ہوں! سنانا ختم کرتے ہی مسکرا کر اور بات چھیڑ دی۔ جیسے یہ سنانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا اور یہ سب محض اس احتیاط کے پیش نظر کہ اگر اس کا کوئی غمگین اثر مجھ پر ہوا تو جلد سے جلد زائل ہو جائے۔

اس وقت یہ بحث پیش نظر نہیں ہے کہ ہمارے شعراء مشاعروں میں کون سے پڑھتے ہیں تو اچھا

کرتے ہیں یا برا۔ یہاں تو صرف جگر صاحب کے پڑھنے کا سوال ہے۔ بعض اصحاب، مرحوم کے کلام کی تاثیر کو سمجھی سمجھی ان کی خوش الحانی پر محمول کرنے لگتے ہیں۔ لیکن مجھے ان کی آواز اور پڑھنے کا انداز ہمیشہ ان کے کلام کا جز معلوم ہوئے۔ مرحوم کے کلام اور پڑھنے کے انداز و آواز میں غیر معمولی ہم آہنگی ملتی تھی جیسے

ع بے بام ظہور بادہ نہیں، بے بادہ فردغ جام نہیں

یاد آتا ہے کہیں میں۔ اس طرح کی بات لکھی ہے کہ اصغر گوڈوی مرحوم کے کلام کو پڑھتا ہوں تو اصغر صاحب سامنے آجاتے ہیں اور اصغر صاحب کا تصور کرتا ہوں تو ان کا کلام یاد آنے لگتا ہے۔ جگر صاحب کا کلام ان کی آواز ہے اور ان کی آواز ان کا کلام! کہیں یوں بھی سنا ہے کہ آواز کلام اور کلام کو ایک ہی مانتے ہیں!

جگر صاحب کے جذبات تیز و تند تھے، اسی اعتبار سے وہ مزاج الحس بھی تھے۔ کوئی واردات ہو خارجی یا داخلی، دور ہو یا نزدیک، شخصی ہو یا اجتماعی اسے بہت جلد اور بڑی شدت سے محسوس کر پتے تھے۔ یہ بات دوسرے شاعروں میں بھی مل سکتی ہے، لیکن اکثر اس فرق کے ساتھ کہ جذبات کتنے ہی تیز و تند ہوں جگر صاحب کے شریفانہ شاعرانہ تصرف سے وہ اپنی قباحتیں اور کشائفتیں کھودتے ہیں، زور قائم رہتا ہے اور اثر بڑھ جاتا ہے۔ اعلیٰ اور ادنیٰ شاعر میں اکثر اس طرح بھی امتیاز کرتے ہیں کہ کس کے یہاں کون چیز کیا بن گئی۔ اعلیٰ اسفل میں جا کر آیا اسفل کو اعلیٰ کی طرف رہبری ملی۔

شاعر کے ظرف و ذوق کا صحیح اندازہ لگانے کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ وہ عورت اور متعلقہ جذبات کا کس طرح اظہار کرتا ہے۔ وہ عورت کو جسم کی لذت کا صرف ایک وسیلہ سمجھتا ہے یا اس کو ایک قدر اعلیٰ اور ایک ذمہ داری بھی مانتا ہے۔ جگر صاحب کے محرکات شعری میں عورت کا عمل دخل کم نہیں ہے، لیکن اتنا ہی عورت کا اجرام اور اس سے عشق کا ارتقاع بھی ملتا ہے۔ یوں بھی وہ کسی جذبہ فکر یا خیال کو مرتفع کئے بغیر پیش کرتے۔ شاعری اور شاعر دونوں کی بڑائی اسی میں ہے۔ بعض شاعر ہر طرح کے جذبات و خیالات کو جوں کا توں پیش کر دینا شاعری کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی بھول یا بددیانتی ہے۔

ضمنیاً یہاں ایک بات کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں۔ ہمارے شعراء اور افسانہ نگار ایسے ہیں جن کی فنی چابک دستی میں شبہ نہیں، لیکن وہ اپنے جذبات و واردات کو ظاہر کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے اور اس کو اپنی خالی نہیں شاعری کا تقاضا قرار دیتے ہیں۔ شہوت، غصہ، نفرت، خود نمائی کے جذبات بڑے منہ زور ہوتے ہیں اور کم و بیش ہر انسان میں ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی غلط نہیں ہے کہ حیوان اور انسان میں فرق بھی ہے کہ حیوان ان پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ لیکن انسان ان کو بس

ہی میں نہیں رکھتا بلکہ ان کو بہتر مقاصد اور بہتر مشکل میں ڈھال دیتا ہے۔ وہ محسوس تو حیوان ہی کی طرح کرتا ہے، لیکن اظہار انسان کی مانند کرتا ہے جو محسوس کرے، اسی کو ظاہر کرے۔ قرین فطرت یقیناً ہے، قرین انسانیت نہیں ہے۔ اپنی خامی کو شاعری کا تقاضا سمجھنا نالائق کی علامت ہے۔ انسان کا انا الحق کہنا ایسا غلط نہیں ہے۔ تلاش معرفت میں بعض فقرایا صوفیاء پر یہ واردات طاری ہوئے ہیں، لیکن ان واردات اور ان کے اظہار کو دلیل کم نظر و کم ظرفی قرار دے کر کہنے والے کو قتل کر دیا گیا ہے۔

سوا الہام کے جو خدا کی طرف سے صرف اس کے رسول پر نازل ہوتا ہے اور رسول اس کو بخند امت کو پہنچا دیتا ہے، کوئی ایسا خیالی نہیں ہے جو شاعر کے دل میں آتا ہو اور وہ اس میں حسب ضرورت تصرف کے بغیر ہم تک پہنچا دیتا ہو۔ یہ تمام تر شاعر کے ذوق اور ظرف پر منحصر ہے کہ وہ اس خیال کو کس مقصد سے کس شکل میں ہم تک پہنچاتا ہے۔ اگر وہ سرشت کا اچھا، فن سے واقف، زبان کار مزین شاعر ہے، کہنے کا سلیقہ رکھتا ہے اور صحیح موقع و محل رکھتا ہے تو اس کی بات موثر مفید اور دیر پا ہوگی۔ اگر اس میں یہ صفات نہیں ہیں تو یہ شاعری نہیں کچھ اور ہوگی جس کو آپ شاعر کی نارسائی یا نالائقی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ شاعر ڈاک خانہ، تار گھر، ریڈیو نہیں ہوتا جو صرف خبر رسائی کا کام انجام دیتے ہیں۔ وہ فنکار اور معلم کی حیثیت سے حسن، صداقت کا داعی ہوتا ہے۔ اردو شاعروں کی فہرست پر نظر ڈالنے اور ہر شاعر کے کلام کی عمر اور انجام کو اس پیمانے سے ناپ لیجئے۔ یوں دنیا میں کوئی نالائق یا نالائقی ایسی نہیں ہے جس کے لئے کوئی سند جواز نہ تصنیف کی جاسکے۔

جگر، اصغر اور فانی ان سرآمد غزل گو یوں میں ہیں جن کا کلام ان مخصوص صحبتوں میں بھی بے تکلف پڑھا اور لطف سے سنا جاسکتا ہے جہاں رند، پارسا، خورد و بزرگ، ماں، بیٹیاں، بہن، بہو، بیوی بیک وقت موجود ہوں اور محفل ثواب کمانے کے مقصد سے نہیں تفریح و انبساط خاطر کے لئے منعقد کی گئی ہو۔ آج اس طرح کی بات کسی شاعر کی بڑائی میں بیان کرنا خود مجھے اپنے کانوں کو اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے اسے مضحکہ خیز بھی سمجھیں تو کیا عجب! ان میں جگر صاحب کو ایک گونہ اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنے ان ساتھیوں سے زیادہ جذبات کی بعض نزاکتوں کو اپنے کلام میں جگہ دیتے ہیں۔

فانی کا جہان ہی دوسرا ہے۔ ان کے ہاں اس طرح کی دشواریاں پیش نہ آتی ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔ وہ سرتاپا الم ہیں لیکن اتنے غمگین شخص نہیں ہیں جتنے غمگین شاعر ہیں۔ غم کا ذکر انہوں نے جس رکھ رکھاؤ سے کیا ہے اس سے غم، غم نہیں رہا ایک انداز فکر، آرٹ یا عبادت بن گیا۔ ان کے ہاں غم کا انداز بین و بکا کا نہیں، عرفان و ایقان کا ہے۔ بڑھی ہوئی داخلیت کے سبب سے کہیں کہیں وہ الفاظ کے الٹ پھیر سے بھی کام لیتے ہیں لیکن یہ شعوری اور شاعرانہ ہوتا ہے اس لئے ذوق پر بار نہیں ہوتا،

اکثر اس کی سیرابی کا باعث ہوتا ہے۔
 اصغر کے لہجے میں جیسی شائستگی و شگفتگی، جذبات و افکار کی جوتازگی و تہذیب ملتی ہے، نیز شہرت
 منتخب اور مترجم الفاظ و ترکیبیں جو مفہوم اور معانی کو زیادہ حسین و دلنشین کر دیتی ہیں، بجائے خود ایسے
 عوامل ہیں جو غیر صالح خیالات و جذبات کے اظہار کے منافی ہیں۔ اصغر کے یہاں عورت، تصوف،
 عاشق اور سیاست کا وہ ”روزمرہ اور محاورہ“ نہیں ملے گا جسے عام طور پر دوسرے شعراء کبھی کبھی ”رسم
 پابندی اوقات“ کے طور پر کام میں لاتے ہیں۔ لیکن ان کے کلام میں ان سب کے بڑی دلکش جانی
 پہچانی، اکثر چونکا دینے والی تصویریں اور تعبیریں ملیں گی! ان پر اور ان کی شاعری پر خود ان کا شعر گوہ
 ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ باد صبا چمن میں غنچہ و گل کو کس مزے سے چھیڑتی ہے۔ لیکن اس کی
 پاس دامانی پر حرف نہیں آتا!

معتبر شاعر وہ ہے جو تمام علوم ”سینہ و سفینہ“ کے اسرار و رموز سے کما حقہ واقف ہو یا نہ ہو، اس
 سے آشنا ہو کہ فلاں خیال، جذبہ یا فکر پر کس علم کا عمل مناسب حال ہوگا۔ مثلاً کسی خاص خیال کو فنون
 لطیفہ، فلسفہ، تصوف، اخلاقیات، مذہبیات، کیمیا، طبیعیات وغیرہ میں سے کسی علم و فن یا علوم و فنون کے
 رموز و رعایت کی: و سے سلجھا کر توانائی دے کر اور سنوار کر سامعین تک پہنچایا جائے تاکہ وہ زیادہ سے
 زیادہ مفید و موثر ہو۔ یہاں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر شاعر علم و فن سے واقف ہو (سب سے زیادہ
 تو اسے اپنے نرض اور فن سے واقف ہونا چاہئے) کہنا صرف اتنا ہے کہ جو علوم انسان کو فطرت کا راز
 سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں اپنے اپنے طور پر مدد پہنچاتے ہوں، شاعر کو ان کا علم ہونا چاہئے۔
 اس کو شاعر کے ان علوم پر قدرت رکھنے سے تعبیر نہیں کریں گے، نہ اس کا مطالبہ کریں گے بلکہ ان علوم
 پر اس کا شاعرانہ تصرف قرار دیں گے اقبال اس رمز سے خوب واقف تھے، غزل گوئی میں کبھی حد تک
 اصغر مجھے ایسے معلوم ہوئے۔

حسرت عشق مجازی کے پہلو اور بے ساختگی کے انداز کو پیش پیش رکھتے ہیں۔ حسرت عشق
 مجازی کے مزاج داں اور محتسب دونوں تھے۔ اتنی حسین رچی ہوئی جیتی جاگتی خارجیت صف اول ہی
 کے شعراء میں ملے گی۔ خارجیت کا نباہنا و داخلیت کے نبانے سے زیادہ مشکل اور ذمہ داری کا کام
 ہے۔ میرے نزدیک خارجیت اور داخلیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک کو جانے بغیر دوسرے کا
 ہو رہنا نارسائی یا نااہلی کی دلیل ہے۔ خارجیت کے آداب اور موقع و محل سے بے پروایا بیگانہ رہ کر
 داخلیت کا صحیح عرفان نہیں ہو سکتا اور داخلیت کے رموز سے نا آشنا رہ کر خارجیت کا کاروبار کرنا
 سطحیت اور نالہ پن ہے!

لگر صاحب نے حسن و عشق کے علاوہ سیاسی و سماجی حالات و حوادث پر بھی اظہار خیال کیا

ہے۔ سیاسی تاثرات کو شعوری طور پر غزل کے جام وینا میں ڈھالنے کی سب سے پہلی وہ کامیاب کوشش سہیل نے کی ہے۔ اس میں ان کے پیش نظر وحسرت موہانی ہیں۔ لیکن حسرت کی غزلوں میں سیاسی رنگ اتنا داخلی نہیں ہے، جتنا خارجی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے فکر سخن کرتے ہوئے ایک آدھ شعر سیاسی رنگ کے آگے تو ان کو بھی غزل میں ڈال دیا۔ حسرت کی سیاست اور شاعری علیحدہ علیحدہ خیالات میں بنی ہوئی ہیں۔ سیاسی شعور کے چھینٹے مولانا محمد علی جوہر کی غزلوں میں بھی ملتے ہیں۔ سیاسی تنگ نظری اور سیاسی تیرہ دلی کے خلاف دونوں کے کلام میں احتجاج کی ایک زیریں لہر لہتی ہے جو رفتہ رفتہ جگر کے یہاں زیادہ قوی اور نمایاں ہو گئی ہے۔ جگر صاحب نے مستقل نظمیں بھی کہی ہیں اور اپنے تاثرات کا اظہار بڑے درد اور دلیری سے کیا ہے۔ سب و شتم اور شور و فتن سے نہیں، بعض محصوم جس سے انقلابی شاعری مراد لیتے ہیں۔

یہاں اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ حسرت اور سہیل دونوں کے سیاسی مسلک تھے۔ ان کے کلام میں اس کا اثر ملے تو تعجب کی بات نہیں۔ جگر صاحب کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں تھے، کم سے کم جہاں تک مجھے اس کا علم ہے۔ اس لئے جگر صاحب جب کسی (ظلم و زیادتی) پر طول یا برہم ہو کر کچھ کہتے تو ہر طبقے کے لوگ متاثر ہوتے۔ اس لئے کہ ان کی آواز کو کسی سیاسی یا جماعتی نعرے کی صدائے بازگشت نہیں بلکہ انسانی ضمیر کی پکار سمجھتے تھے اور جگر صاحب نے یقیناً وہ درجہ حاصل کر لیا تھا جہاں ان کی آواز کو یہ حیثیت حاصل تھی!

جگر صاحب کو اعزازی ڈائریکٹریٹ تفویض کرنے کا مسئلہ مسلم یونیورسٹی کے سامنے آیا تو سب سے زیادہ جس خیال نے اس تحریک کو تقویت پہنچائی وہ یہ تھا کہ جگر صاحب اب شاعری کے دبستانوں اور حریفانہ ہتھیاروں سے بلند اور شخصیت کے اعتبار سے بھی (غیر متنازعہ فیہ) ہو چکے ہیں۔ ان کی شاعری پر کسی طرح کا لیبیل لگا کر مخصوص و محمود نہیں کیا جاسکتا۔ وہ شاعری کے اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں شاعری کے ساتھ ساتھ شاعر کی اہمیت و عظمت کو بھی دیکھتے ہیں۔ یہ پیش کش جگر صاحب کو علی گڑھ کی طرف سے آئی بھی چاہئے تھی، اس لئے کہ علی گڑھ نے ہی اردو ادب کے دبستانوں کو ختم کیا تھا اس کو ایک تنگنائے آب سے نکال کر ”زندہ رود“ کا درجہ حاصل کرنے کی صلاحیت بخشی تھی!

علی گڑھ نے اس طرح جو عزت افزائی کی تھی اس کا جگر صاحب پر بڑا اثر تھا۔ کنویشن کے موقع پر آنے کے لئے بے قرار تھے۔ ہر خط میں اس کا ذکر کرتے اور ہر شخص سے کہلا بھیجتے۔ لیکن صحت اتنی گر چکی تھی کہ معالجون نے سفر کرنے کی اجازت نہ دی۔ جگر صاحب کو علی گڑھ سے عشق تھا۔ یہاں کی دعوت پر ضرور آتے اور آجاتے تو جیسے علی گڑھ کا گوشہ گوشہ ان کی موجودگی سے زمزمہ سنج ہو جاتا! جگر صاحب ان رسوم و قیود اور اصرار و انکار کے حدود سے آگے نکل گئے تھے جو ہمارے بعض

شعراء کا دھیرہ بن گیا ہے۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ علی گڑھ بلائے جاتے تو بڑی خوشی سے چلے آتے تا وقتیکہ کوئی سخت معذوری سے سابقہ نہ ہوتا۔ جو کچھ پیش کیا جاتا خوشی سے قبول کر لیتے۔ طلباء ان کا احترام کرتے تھے اور ان کی پذیرائی کو اپنے لئے سرمایہ افتخار جانتے تھے۔ اس لئے ان سے زیادہ سے زیادہ جو بن پڑتا مدد کرتے۔ دوسرے شعراء کے لئے بھی علی گڑھ میں بہت کچھ ہوتا ہے لیکن جس "جذبہ بے اختیار شوق" سے جگر صاحب کے لئے ہوتا دوسروں کے لئے نہیں!

جگر صاحب اس پر بھی اصرار نہیں کرتے تھے کہ ان کے پڑھنے کا نمبر سب سے پہلے آئے۔ کس کے بعد آئے یا سب کے بعد آئے۔ جب کہا گیا، جتنا کہا گیا، پڑھ دیا اور اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔ پڑھنے سے پہلے بطور قید یا معذرت نہ انکار کرنے نہ افتخار، فرصت کی کمی، صحت کی خرابی، سفر کی صعوبت وغیرہ کا بھی ذکر نہ کرتے جیسا کہ شعر بالعموم کیا کرتے ہیں۔ یہاں کہتے بھی کسی نے نہیں سنا کہ یہ شعر ملاحظہ فرمائیے گا یا وہ دوسرے شاعروں کے پڑھنے کے طریقے یا اس کی سچ دھج یا اس کے کلام پر نکتہ چینی کا ایک لفظ نہ کہتے، خاموش بیٹھے رہتے۔ آمل پاس والوں سے گفتگو یا ہنسی مذاق کرتے۔ سنجیدگی اور خلوص سے شریفانہ نرم لہجے میں داد دیتے، ہر شاعر کا اکرام ملحوظ رکھتے ایک بار تو ایسا ہوا کہ ایک لڑکے نے مشاعرے میں عمداً غلطی سے جگر صاحب کی پرانی کوئی غزل پڑھ دی۔ جگر صاحب پاس بیٹھے تھے۔ کسی طرح کا مطلق اثر نہیں لیا۔ لڑکے کی بیٹھ تھپتھپائی اور شفقت کا اظہار کیا۔ یہ دیکھ کر کسی اور کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ لڑکے سے تعرض کرتا۔ جیسا کہ بیان کر آیا ہوں علی گڑھ کے طلباء خواہ وہ کسی مسلک و مذاق کے ہوں۔ جگر صاحب کو بڑی عزت و محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ امتیاز بہت سے لیڈروں کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ میں نے اکثر محسوس کیا جیسے ان سے مل کر طلباء کی صحت مند صلاحیتیں بیدار ہونے لگی ہوں۔ یوں بھی علی گڑھ کے طلباء میں ایچھے اثرات کے قبول کرنے کی استعداد نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا سبب وہ روایت اور وہ فضا ہے جس کے قائم کرنے میں ہماری قوم کے بہترین افراد نے اپنی بہترین صلاحیتیں مدتوں صرف کی ہیں۔ جس طرح طلباء میں ڈپلن قائم رکھنے کے لئے ایچھے اساتذہ، ایچھی لائبریری، ایچھا ساز و سامان، ایچھا کھانا پینا، رہنا سہنا، باغ، سبزہ زار، صحبت اور تفریحیں اور ورزشیں، کھیل کے میدان، ڈائنگ ہال، یونین کلب وغیرہ سوز مند ثابت ہوتے ہیں، اسی طرح کچھ اس طرح کا انتظام بھی ہونا چاہئے کہ ہماری وہ گراں نمایہ شخصیتیں جو علی گڑھ سے باہر ہوں، خواہ وہ علم و فضل کے شعبے سے تعلق رکھتی ہوں، مسلم یونیورسٹی کے حدود کے اندر فراغت سے مستفلاً آباد ہو جائیں اور ہمارے نوجوان طلباء کے ہر چشمہ فیض ثابت ہوں۔

ذہن میں کچھ اسی طرح کی باتیں تھیں کہ چند دن ہوئے بعض احباب نے اس کی کوشش شروع کر دی تھی کہ کوئی ایسا انتظام کیا جائے کہ آرام و یکسوئی کی زندگی گزارنے کے لئے جگر صاحب

مستقل طور پر علی گڑھ آجائیں۔ لیکن یہ کوشش آگے نہ بڑھ سکی اور جگر صاحب ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے!

جلیل القدر معاصر شعراء کی طرح جگر صاحب نے مشاعرے کی منزلت اور آخر دم تک بنایا اور اس روایت کو برقرار رکھا جس کی رو سے مشاعرے کا شعار اعلیٰ تہذیبی اداروں میں ہوتا تھا۔ بعض ارباب سخن کی یہاں مشاعروں میں اسی طرح کے آداب ملحوظ رکھے جاتے تھے جو مذہبی یا نیم مذہبی محفلوں کے ہوتے۔ ہماری زبان جس رتبے کو پہنچی اور تہذیب کو جو گراں مانگی نصیب ہوئی، اس میں ان مشاعروں اور ان کے آداب کو بڑا دخل ہے۔ زبان اور تہذیب اسی طرح کی آزمائش سے گزر کر اپنا مقام پیدا کرتی ہیں۔ نوجوان طلباء کا ہجوم خواہ کسی سلسلے میں اکٹھا ہو، اونٹنی بہانے یا اشارے پر آج جس طرح بے قابو ہو جاتا ہے اور وہ سب کر گزرتا ہے جو کسی اور کے مناسب حال ہو یا نہ ہو، طلباء کے شایان شان ہرگز نہیں ہوتا۔ مشاعروں میں آج سے کم و بیش ۲۵، ۲۰ سال پہلے تک کم از کم علی گڑھ میں دیکھنے میں نہیں آتا۔ اس میں سامعین کا چاہے جتنا گناہ ہو، ہمارے شعراء کا بھی کچھ کم نہیں۔

بعض شعراء ایک ایسے مشاعرے یا مواقع کے لئے جہاں نوجوان لڑکیاں اور خواتین موجود ہوتی ہیں، ایسی ناپسندیدہ اور بیباک نظمیں لکھ لاتے ہیں جو نوجوانوں کے حیوانی و شہوانی جذبات کو برا سمجھتے و بے قابو کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔ اسے یہ شعراء اپنا بڑا کارنامہ اور انعام سمجھتے ہیں۔ دیکھا تو یہاں تک گیا ہے کہ مشاعروں میں اس نظم کو سنانے کی کوئی فرمائش نہیں کرتا تو یہ شعراء خود نہایت بے غیرتی کے ساتھ اور اتنے ہی بھونڈے پن سے اشارنا اس کی یاد دہانی کرتے ہیں! شاید غالب کی بیروی میں جہاں انہوں نے ”غریب شہر چھنائے گفتی دارو“ کہا ہے!

جگر صاحب میں بڑی حیا اور غیرت تھی۔ کہیں کسی محفل میں بیٹھے ہوں، ہمیشہ نظر نیچی رکھتے تھے۔ جیسے اس محفل میں نوجوان خواتین اور لڑکیوں کو اپنی ذمہ داری اور امانت سمجھتے ہوں۔ بے تکلف احباب میں بھی بیٹھ کر وہ اس طرح کے فقرے زبان پر نہیں لاتے تھے جن میں عورتوں سے بے راہ روی کے روابط کا اشارہ ملتا ہو، جو خواہ وہ فقری کتنے ہی ”در پردہ“ کہے جاسکتے ہوں۔

ان باتوں کا خیال کرتا ہوں تو جگر صاحب اور ان کے پرانے ساتھی شعراء آج کس حیرت و الم سے یاد آتے ہیں جن کو دیکھ کر اس وقت تو اتنا نہیں، جتنا اب محسوس کرتا ہوں کہ تہذیب و شرافت بھی دنیا میں کتنی بڑی نعمت ہے اس لئے ذمہ داری ہے۔

جگر صاحب شعر کہہ سکتے تھے، اپنے شعر پر مضمون نہیں لکھ سکتے تھے۔ اچھے اور بڑے شعراء بالعموم ایسا نہیں کر پاتے۔ بعض ایسا کر سکتے ہیں لیکن ان کا مضمون ان کے شعر سے اچھا ہوتا ہے اور کبھی کبھی بجائے ان کے دوسروں پر صادق آتا ہے۔ اس لئے وہ خارج از بحث ہیں۔ جگر صاحب سے

جب بھی اس طرح کی بات آئی، بڑے شوق سے بحث میں حصہ لینے کے لئے تیار ہوئے۔ لیکن گفتگو کچھ اس طرح کی کرنے لگتے تھے جیسے شعر کہنے کے طور طریقوں پر بحث نہ کر رہے ہوں، غزل کی اہمیت سے انکار کرنے والے سے لڑائی منول لینے پر تیار ہوں۔ یہ لڑائی بھی کچھ اس طرح کی ہونے والی ہوتی جیسے اس نیک کام کے لئے حربہ کوئی نہ ہو، حوصلہ بہت ہو ظاہر ہے۔ ایسے نبرد آزما کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

بایں ہمہ ایک جگہ وہ بڑی جرات اور صفائی سے ایک ایسی بات کہہ گئے ہیں جو ہماری اردو شاعری کے اعتبار و امتیاز کو بڑی خوبی سے واضح کرتی ہے۔ شعر یاد نہیں آتا۔ مفہوم یہ ہے شعر میں ”شرقیّت“ نہ ہو تو وہ مغربیت کی نقالی ہے اور کچھ نہیں۔ یہ بات بظاہر مولویوں جیسی معلوم ہوتی ہے، لیکن دراصل یہ ایسی ہے نہیں۔ شرقیت کیا ہے، کیا نہیں؟ اس سے یہاں بحث نہیں۔ لیکن نئے انداز کے شاعروں کو اس نکتے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسے شخص کا قول ہے جس کے کلام اور شخصیت سے کافی زمانے تک ہم محظوظ و متاثر رہے ہیں اور یہ وہ زمانہ تھا جب مغربیت اور عقلیت اپنے مقہور پر تھی اور ہمارے فکر و تخیل پر مغرب سے زیادہ مغربیت طاری تھی۔

جگر صاحب نے براہ راست شاید ہی کبھی مجھے خط لکھا ہو۔ بچوں میں سے کسی کو لکھ دیتے، وہ مجھے بتا دیتے۔ جگر صاحب کا انداز بھی ان کی دوسری اداؤں کی طرح کتنا دلکش تھا۔ وفات سے کچھ دن پہلے لڑکوں میں سے ایک کے نام خط آیا۔ قیاس کرتا ہوں کہ مضمون کیا رہا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ شان خط میں بھی وہ رعنائی اور صلابت نہیں رہ گئی تھی جو پہلے تھی۔ جگر صاحب کا خط شکست نہایت پاکیزہ اور پختہ تھا۔ جس پر التفات خاص ہوتی اس کی اپنی کوئی غزل ہاتھ سے لکھ کر دیتے اور مخصوص طغرا میں اپنے دستخط کر دیتے اور تاریخ لکھ دیتے۔ جگر صاحب کو جس حال میں ہمیشہ سے دیکھتا آیا تھا، اس کے بعد ان کی بیماری کے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جس خط کا اوپر ذکر آیا ہوں اس میں ایک شعر لکھا تھا جو مجھے سنا دیا گیا۔ کہہ نہیں سکتا اوروں نے بھی کہیں سنایا پڑھا ہے یا نہیں شعر یہ تھا۔

کہیں ایثار غم جاتا ہے ضائع

چمن شاداب ہے شبنم نہیں ہے

جگر صاحب کی زندگی اس طرح کی تھی اور ایسی زندگی کم کسی کو نصیب ہوتی ہے۔

میرا کلام میری نظر میں

(جگر مراد آبادی)

جگر نے ”شعلہ طور“ کے پہلے ایڈیشن میں جو ۱۹۳۲ء میں ناچی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا اپنے کلام پر خود اپنے قلم سے اظہار خیال کیا تھا وہ مضمون بطور یادگار شامل کیا جا رہا ہے۔

یہ میں فخر یہ نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ انتہائی درد کے ساتھ کہ میری زندگی کا ہر شعبہ سخت پریشان اور کج معنی واقع ہوا ہے۔ خدا جانے کس قدر سرمایہ کلام ضائع ہو گیا اور کس قدر اختیار نے فائدہ حاصل کیا۔ شعروادب کے متعلق نثر میں متعدد طویل و مختصر مضامین لکھے جو میرے ذاتی تفکر و تدبر کا نتیجہ تھے، انہوں نے سب ضائع ہو گئے۔

اولاً تو میرے لئے لکھنا ہی مصیبت سے کم نہیں۔ اس پر بار بار کی شدید جگر کاویوں کے نتائج کا اس سے آسانی سے محو ہو جانا خصوصاً میرے لئے کس قدر اندوہناک سانحہ ہو سکتا ہے۔ ارادہ تھا ”شعلہ طور“ پر خود کوئی مقدمہ لکھوں چنانچہ کئی بار لکھا لیکن ہر بار کسی نہ کسی طرح ضائع ہی ہوتا چلا گیا۔ مشیت الہی شاید مجھ سے یہ کام لینا نہیں چاہتی۔ یا کسی آنے والے وقت تک منتظر رکھنا چاہتی ہے۔

انشاء اللہ العزیز ”شعلہ طور“ کی دوسری اشاعت میں اس کمی کو پورا کر دیا جائے گا۔

سرسری طور پر اپنے کلام کے متعلق کچھ کہہ دینا چاہتا ہوں۔

”اغلاط“ سے نہ میں نے اپنے آپ کو بے پروا رکھا ہے اور نہ انہیں کا ہوا کہ وہ گیا ہوں۔ اکثر غلطیوں کا مجھے احساس ہے۔ بعض غلطیاں ایسی بھی ہیں جنہیں میں نے دانستہ اختیار کیا ہے۔ بعض ایسی بھی ہیں کہ وہ اپنی جگہ محاسن ہیں۔

اکثر ایسی بھی ہوں گی جن کا مجھے علم نہیں یا جن کو ناقدانہ نظر سے دیکھ سکتا۔ اس لئے میں خوش

ہوں گا اگر مجھے میری غلطیوں پر متنبہ کر دیا جائے۔

(میرے نظریہ شعری کے اعتبار پر) مشاعرے کی غزلوں میں سے بہت کم ایسی غزلیں ہو سکتی ہیں جن پر صحیح معنوں میں غزل کا اطلاق کیا جاسکے۔ تاہم ہر جگہ آپ میری انفرادیت محسوس کئے بغیر نہیں گزر سکیں گے۔

میری شاعری ”غزل“ ہی تک محدود ہے اور چونکہ حسن و عشق میں میری زندگی ہے۔ اس لئے بعض مستثنیات کو چھوڑ کر کبھی دوسرے میدان میں قدم رکھنے کی جرات نہیں کر سکا۔

واقعہ کانپور کی متعلق جو نظم ہے وہ بیشک بالکل بے اختیارانہ طور پر لکھی گئی ہے لیکن اس میں ایک لفظ ایسا آ گیا ہے جس کے مفہوم کی محدودیت پر مجھے اکثر تاسف رہا۔ اور وہ لفظ ”مادروطن“ ہے۔ میں وطنیت اور قومیت دونوں کی سخت ناپسند کرتا ہوں۔ ناظرین میں کسی کو اللہ اگر توفیق عطا فرمائے تو انہیں میری طرف سے قطعاً اجازت ہے کہ وہ اس کو صحیح کریں۔

اکثر سیاسی نظمیں بھی کہی ہیں۔ لیکن احباب کے سخت اصرار پر۔ ممکن ہے کہ ان میں بھی کہیں کہیں اجزائے دل پائے جائیں۔ لیکن میرے لئے وہ سرمایہ ناز نہیں۔ اچھا ہوا کہ ضائع ہو گیا۔ البتہ دو نظمیں جن میں سے ایک نظم ”تلک کی موت“ پر ہے اور دوسری اسکول اسٹرائک کے موقع پر ”بچوں سے خطاب“۔ ان دونوں کے تلف ہونے کا مجھے ضرور صدمہ ہے۔ لیکن تلک کی موت پر جو نظم ہے اس میں سے بعض تجزیہ کے متعلق محض اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ ”موزخ ادبی“ میرے عقائد مذہبی کو بھی دیکھا ہی سمجھنے لگے۔ اس لئے یہ ظاہر کئے دیتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ نظم پورے شباب کے عالم میں کہی گئی جبکہ نہ مجھے مذہب کی خبر تھی اور نہ اپنی، اس لئے اس میں بیجا غلو اور بعض شدید قسم کی لغزشیں ہو گئی ہیں۔ میں نے بہت چاہا کہ یہ نظم دستیاب ہو جائے لیکن نہیں ہو سکی۔ اس لئے احتیاطاً اس قدر لکھ دیا گیا۔

اپنی خصوصیات شاعری کے متعلق فی الوقت کسی طویل مضمون نگاری کے لئے آمادہ نہیں۔ صرف کچھ کہنے کے لئے کچھ کہتا ہوں۔

مجھے اپنے شعر و ادب پر سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ میری زندگی اور میری شاعری میں بالکل مطابقت ہے۔ تضاد نہیں۔

نظالی اور استادانہ مشافی میرے لئے تنگ رہی ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ تنگ سمجھتا رہوں گا۔

دوسری خصوصیات کی جانب بہت کم حضرات کی توجہ منحطف ہوئی ہے اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ میں نے (اول کلام کا کچھ زمانہ چھوڑ کر) حسن کی قصائی ہندی یا ایرانی عاشق کی طرح عشق کو ذلیل اور سوا صورت میں ہرگز پیش نہیں کیا بلکہ حسن ہو یا عشق ان کے حقیقی تاثرات و واردات کو تا امکان صحیح صحیح شاعرانہ انداز بیان کے ساتھ نمایاں کر دیا ہے۔

محاکات کے اعتبار سے اکثر مقامات آپ کو ایسے ملیں گے کہ مصور کے تمام کمالات ان کی تصویر کشی میں بیکار محض ثابت ہوں گے۔

لفظی و معنوی دونوں حیثیتوں میں آپ کو اکثر و بیشتر مستقل اضافات و اولیات ملیں گے جنہیں بخوف طوالت چھوڑنا ہوں۔ وقت نہیں کہ اس میں زیادہ کچھ لکھا جاسکے۔ ناظرین نکتہ رس خود ہی اندازہ فرمائیں گے۔

ممکن ہے کہ اکثر حضرات اپنے کلام پر اتنی ہی جنبش قلم کو پسند نہ فرمائیں گے لیکن اگر ازراہ انصاف غور فرمائیں گے تو یقیناً مان لینا پڑے گا کہ شاعر سے زیادہ کسی دوسرے شاعر یا غیر شاعر کو اس کے کلام پر نقد و نظر کا حق نہیں۔ بشرطیکہ احتساب نفس کے ساتھ ہو میں نے جو کچھ لکھا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں انصاف کو مطلق دخل نہیں دیا گیا۔

میری زندگی گونا گوں انقلابات و تغیرات کا مجموعہ ہے جسے پیہم مصائب آلام کی آمیزش نے خدا جانے کیا بنا دیا ہے لیکن میں منہ بنانا کرونے بسورنے کو بالطبع سخت ناپسند کرتا ہوں۔ خود میں نے کہا ہے

جاں ہمہ غم ساختم، رقصم بہ عشق
دل ہمہ خوں کردہ، خنداں میردم

پیشک جس طرح جذبات مسرت و انبساط فطرتی عطیات میں، اسی طرح جذبات غم و الم بھی۔ لیکن سچے رونے والے کہاں؟ الفاظ پیشک رونے والے صرف کئے جاتے ہیں لیکن دل ٹٹولے تو درد کا نام بھی نہیں۔

مشاتی کی بدولت الفاظ پر قدرت حاصل ہے، یا جو چاہو اور جس طرح چاہا کہہ دیا۔ زندگی کو شعر سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر سچے رونے والے ہوں بھی تاہم اس قسم کا ”شعر و ادب“ اولاً تو حیات قوی کے لئے ستم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ ددیمش کامیاب رونا وہ رونا نہیں جس میں نسائیت و عمویت پائی جاتی ہے۔ آپ میرے کلام میں بظاہر درد کا عنصر بہت کم پائیں گے۔ لیکن ذرا ٹھہر کر آپ اگر جذبات اور شعر کا جائزہ لیں گی تو ایک بہت ہی نازک سی موج درد ضرور محسوس کریں گے اور جس طرح میری زندگی تازہ بہ تازہ نو بہ نو انقلابات و تغیرات کے ماتحت تبدیل ہوتی گئی۔ بعینہ اسی طرح رنگ کلام بھی تبدیل ہوتا گیا۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکا اور حافظ نے مدد کی ”شعلہ طور“ کو مختلف اقدار میں تقسیم کر دیا۔ تاہم نظر ثانی کا محتاج رہ گیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسری اشاعت میں پورا لحاظ رکھا جائے گا۔

”جگر“ مراد آبادی

آتشِ گل

میں اپنے اس مجموعہ کلام کو قائد ملت مولوی بہادر خاں مرحوم
سابق نواب بہادر یار جنگ کے نام نای سے منسوب کرنا اپنا اخلاقی
اور ادبی فرض تصور کرتا ہوں جو سراپا گداز، مجسم اخلاص، فقید المثال
مقرزہ کامیاب مصلح، اپنے وقت کے عظیم المرتبت خطیب اور ایک
جری انسان تھے۔ جن کے گفتار و کردار میں کوئی تضاد نہ تھا۔

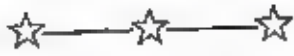
وہ بیک وقت تمام محاسن شعری کا احاطہ کر لیتے تھے۔ اور اچھے
شعر سے اتنی شدت کے ساتھ متاثر ہوتے تھے کہ میں نے اپنی پوری
زندگی میں ایسا کوئی دوسرا خوش مذاق نہیں دیکھا۔ خدائے رحمان
ورحیم ان کی روح کو اپنا قرب خاص عطا فرمائے!

جلد مراد آبادی

غزلیات

ہر حقیقت کو بانڈاز تماشا دیکھا
جستجو میں تری یہ حاصل سودا دیکھا
خوب دیکھا ترے جلووں کو مگر کیا دیکھا
آئینہ خانہ عالم میں کہیں کیا دیکھا
ایک اک ذرہ کا آغوش طلب وا دیکھا
ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا
تیرے دھوکے میں خود اپنا ہی تماشا دیکھا
جو یہ کہہ دے کہ ترا حسن سراپا دیکھا
لہریں لیتا ہوا اک قطرے میں دریا دیکھا
دل آگاہ میں کیا کہئے جگر، کیا دیکھا

کوئی شائستہ و شایانِ غمِ دل نہ ملا!
ہم نے جس بزم میں دیکھا اُسے، تنہا دیکھا



یادش بخیر! جب وہ تھور میں آ گیا
جب عشق اپنے مرکزِ اصلی پہ آ گیا
شعر و شباب و حسن کا دریا بہا گیا
خود بن گیا حسین، دو عالم پہ چھا گیا
وہ کر سکے بیاں، نہ ہمیں سے کہا گیا
خوش فکر تھا کہ صاف یہ پہلو بچا گیا
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا
دل بن گیا نگاہ، نگہ بن گئی زباں
اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل
آج اک سکوتِ شوقِ قیامت ہی ڈھا گیا

میرا کمالِ شعر بس اتنا ہے اے جگر!
وہ مجھ پہ چھا گئے، میں زمانے پہ چھا گیا



کوئی جیتا، کوئی مرتا ہی رہا
جمعِ خاطر کوئی کرتا ہی رہا
عشق اپنا کام کرتا ہی رہا
دل کا شیرازہ بکھرتا ہی رہا
غم وہ بیخانہ، کی جس میں نہیں
دل وہ پیانہ، کہ بھرتا ہی رہا
حسن تو تھک بھی گیا، لیکن یہ عشق
کارِ معشوقانہ کرتا ہی رہا
وہ مٹاتے ہی رہے، لیکن یہ دل
نقش بن بن کر ابھرتا ہی رہا
دھڑکنیں دل کی سبھی کچھ کہہ گئیں
دل کو میں خاموش کرتا ہی رہا

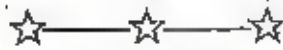
تم نے نظریں پھیر لیں، تو کیا ہوا؟
دل میں اک نشتر اترتا ہی رہا



وہی ہے آگ، مگر آگ میں دھواں نہ رہا
مگر وہ شیوہ فرسودہ بیاں نہ رہا
خوشا وہ سجدہ جو محدود آستان نہ رہا!
رہے گا کیا، جو یہ پروہ بھی درمیاں نہ رہا؟
مری بلا سے، اگر میرا آسٹیاں نہ رہا
کہ تیرے در کے سوا کوئی آسٹیاں نہ رہا
گدازِ عشق نہیں کم، جو میں جواں نہ رہا
نہیں کہ دل مرا وقفِ غم نہاں نہ رہا
رہے وہ شوق جو پابندیں و آں نہ رہا!
حجابِ عشق کو، اے دل، بہت غنیمت جان
چمن تو برقی حوادث سے ہو گیا محفوظ
جنونِ سجدہ کی معراج ہے یہی شاید
کمالِ قرب بھی شاید ہے عینِ بحدِ جگر!
جہاں جہاں وہ ملے، میں دہاں دہاں نہ رہا

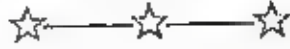


دل کو سکون، رُوح کو آرام آ گیا
جب کوئی ذکر، گردشِ ایام، آ گیا
غم میں بھی ہے سُرور، وہ ہنگام آ گیا
ذیوانگی ہو، عقل ہو، اُمید ہو کہ یاس
دل کے معاملات میں ناصح! شکست کیا؟
صیادِ شادماں ہے، مگر یہ تو سوچ لے
دل کو نہ پوچھ معرکہِ حسن و عشق میں
یہ کیا مقامِ عشق ہے، ظالم کہ ان دنوں
موت آگئی کہ دوست کا پیغام آ گیا
بے اختیار لب پہ ترا نام آ گیا
شاید کہ دورِ بادۂ گلغام آ گیا
اپنا وہی ہے، وقت پہ جو کام آ گیا
سو بارِ حسن پر بھی یہ الزام آ گیا
میں آ گیا کہ سایہ تہِ دام آ گیا
کیا جانئے، غریب کہاں کام آ گیا
اکثر ترے بغیر بھی آرام آ گیا
احباب مجھ سے قطع تعلق کریں جگر
اب آفتابِ زیت لبِ بام آ گیا



شعر و نغمہ، رنگ و نگہت، جام و صہبا ہو گیا
اور بھی آج، اور بھی ہر زخم گہرا ہو گیا
اس کو کیا کیجئے، زبانِ شوق کو چپ لگ گئی
اپنی اپنی وسعتِ فکر و یقین کی بات ہے
ہم نے سینے سے لگایا، دل نہ اپنا بن سکا
میں نے جس بُت پر نظر ڈالی جنونِ شوق میں
اُٹھ سکا ہم سے نہ بارِ التفاتِ ناز بھی
وہ چمن میں جس روش سے ہو کے گذرے بے نقاب
زندگی سے حسن نکلا اور رُسا ہو گیا
بس کراے چشمِ پشیمان، کام اپنا ہو گیا
جب یہ دل شائستہ عرضِ تمنا ہو گیا
جس نے جو عالم بنا ڈالا، وہ اُس کا ہو گیا
مسکرا کر تم نے دیکھا، دل تمہارا ہو گیا
دیکھتا کیا ہوں، وہ تیرا ہی سراپا ہو گیا
مرحبا، وہ جس کو تیرا غم گوارا ہو گیا
دفعاً ہر ایک گل کا رنگ گہرا ہو گیا

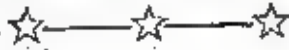
شش جہت آئینہ حسنِ حقیقت سے جگر
قیس دیوانہ تھا، محو روئے لیلیٰ ہو گیا



رخصت اے دیر و حرم، دل کا مقام آہی گیا
باش اے گروں کہ وقتِ انتقام آہی گی
تو بہ جس سے کانپتی تھی، وہ مقام آہی گیا
رفتہ رفتہ سامنے حسنِ تمام آہی گیا
آخر آخر اک مقام بے مقام آہی گیا
میں یہ سمجھا، جیسے مجھ تک دور جام آہی گیا
ناگہاں آنکھوں کو اشکوں کا سلام آہی گیا
ہو شیار اے عشق، وہ نازک مقام آہی گیا
خود زمانہ بن کے تیغ بے نیام آہی گیا
زندگی کو راسِ دردِ نا تمام آہی گیا
بہکا بہکا سا مگر طرزِ کلام آہی گیا

رو بروئے دوست ہنگام سلام آہی گیا
منتظر کچھ رند تھے جس کے وہ جام آہی گیا
ہر نفس خود بن کے میخانہ بہ جام آہی گیا
اللہ اللہ، یہ مری ترک و طلب کی دستیں!
اول اول ہر قدم پر تھیں ہزاروں منزلیں
التفاتِ چشمِ ساقی کی سبک تابی نہ پوچھ
عشق کو تھا کب سے اپنی خشک دامانی کا رنج
ہر نگہ پر بندشیں، ایک اک نفس کی پرش
اہل دنیا اور کفرانِ زمانہ تا کیے؟
شوق نے ہر چند صدا تفرقے ڈالے، مگر
صحبتِ رنداں سے واعظ کچھ نہ حاصل کر سکا

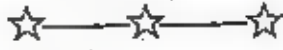
بے جگر سونا پڑا تھا مدتوں سے میکدہ
پھر وہ دریا نوش، رندِ تشنہ کام آہی گیا



ہر سانس ہے پیغمبرِ اسرارِ محبت
اچھے نظر آتے نہیں آثارِ محبت
اظہارِ محبت! ارے اظہارِ محبت!
اک یہ بھی ہے اندازِ فسوں کا محبت!
دم لینے دے اے لذتِ آثارِ محبت
اللہ رے، یہ شعلہٴ رخسارِ محبت!
کوئین ہے خود عاشیہ بردارِ محبت
ایسا بھی کوئی جذبہٴ سرشارِ محبت
دیکھے ہیں برستے ہوئے انوارِ محبت
چہرے سے تو کھلتے نہیں آثارِ محبت
ٹو، اور یہ احساسِ گراں بارِ محبت!

سینے میں اگر ہو دل بیدارِ محبت
وہ بھی ہوئے جاتے ہیں طرف دارِ محبت
ہشیار ہو، اے بے خود سرشارِ محبت!
تا دیر نہ ہو دل بھی خبردارِ محبت
توہینِ نگاہِ کرم یار کہاں تک؟
سب بھونک دیئے خار و خسِ مذہب و ملت
کوئین سے کیا اہل محبت کو سردکار؟
جو عرش کی رفعت کو بھی اُس در پہ ٹھکانے
میں نے نہیں تار یک فضاؤں میں بھی اکثر
ناصح کو ہے کیوں میری محبت سے سردکار؟
میں اور یہ عملکینِ عمِ عشق، ارے توبہ!

اب عرضِ محبت کی جگر کیوں نہیں جرات
وہ سامنے ہیں، گرم ہے بازارِ محبت



غم ہے کیا زینۂ صفات و ذات
نغمۂ آرزو و رقصِ حیات!
تُو محبت کو لازوال بنا
ہم نے دیکھے ہیں جاگتے ہوئے دل
آرزو ہر نفسِ حیات و مرگ
باتوں باتوں میں آج تو سرِ بزم
آپ جو کچھ کہیں بجا، لیکن
خُسن ہی خُسن، جلوہ ہی جلوہ
عشق وہ تشنہ کام ہے کہ جسے
اے کمالِ سخن کے دیوانے
”مادرائے سخن بھی ہے اک بات“

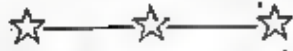


تیرا تصور شب ہمہ شب
دعویٰ شوق اور شکوہ بلب
باتیں ہیں دو مقصود ہے ایک
آ ہی گیا اک مستِ شباب
خُسنِ کمال، جذب و گریز
بیت گئی جو دل پہ نہ پوچھ
ترکِ طلب اور اطمینان
خلوتِ غم بھی بزمِ طرب
شرم! دلِ آرامِ طلب
تیری طلب یا اپنی طلب
شیشہ بدست و نغمہ بلب
عشقِ مسلسل، ترک و طلب
ہجر کی شب اور آخرِ شب
دیکھ تو میرا خُسنِ طلب
ہائے وہ دردِ دل کہ جگر
کچھ نہیں کھلتا جس کا سبب

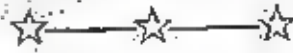


پرابے ہاتھوں چینے کی ہوس کیا؟
مکان و لامکان سے بھی گذر جا
نشین ہی نہیں تو پھر قرض کیا؟
فضائے شوق میں پروازِ خس کیا؟

کرم صیاد کے صدہا ہیں، پھر بھی
 محبت سرفروشی، جاں سے پیاری
 اجل خود زندگی سے کانپتی ہے
 زمانے پر قیامت بن کے چھا جا
 قفس سے ہے اگر بیزار تلبلیں بسکھن
 تو پھر یہ شغلِ تزیینِ قفس کیا؟
 لہو آتا نہیں سچ کر مودہ تک
 نہ آئے گی بہار آب کے برس کیا؟



یک لحظہ خوشی کا جب انجام نظر آیا!!
 یہ کون تصور میں ہنگام سحر آیا؟
 خیر اس کو نظر آیا، شر اس کو نظر آیا
 اس بزم سے دل لے کر کیا آج اثر آیا؟
 اس جانِ تغافل نے پھر یاد کیا شاید
 گلشن کی تباہی پر کیوں رنج کرے کوئی؟
 شبنم کو ہنسی آئی، دل غنچوں کا بھر آیا
 محسوس ہوا جیسے خود عرش اتر آیا
 آئینے میں خود عکس آئینہ نگر آیا
 ظالم جسے سمجھے تھے، مظلوم نظر آیا
 پھر عہدِ محبت کا ہر نقش نظر آیا
 الزام جو آنا تھا دیوانوں کے سر آیا
 یہ محفل ہستی بھی کیا محفل ہستی ہے!
 جب کوئی اٹھا پردہ، میں خود ہی نظر آیا

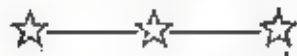


دنیا کے ستم یار، نہ اپنی ہی وفا یاد
 میں شکوہ بلب تھا، مجھے یہ بھی نہ رہا یاد
 چھیڑا تھا جسے پہلے پہل تیزی نظر نے
 جب کوئی حسین ہوتا ہے سرگرم نوازش
 کیا جانے، کیا ہو گیا ارباب جنوں کو
 مدت ہوئی اک حادثہ: عشق کو، لیکن
 ہاں ہاں، تجھے کیا کام مری شدتِ غم سے؟
 میں ترک رہ درسم جنوں کر ہی چکا تھا

کیا لطف کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں
 کیجئے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد



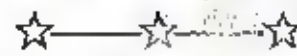
شاید و ساقی و بہار سے دُور
تخت سے، تاج و تاجدار سے دُور
ہے خزاں اپنی ہر خزاں سے جدا
ہستم و بَورِ آسماں سے الگ
خطرۂ موت اب، نہ فکرِ حیات
پرتوِ حُسنِ ذات سے نزدیک
اک حقیقت، خیال سے برتر
عشق ہے اُس مقام پر کہ جہاں
حُسن ہے نقصِ اعتبار سے دُور



نغمہ ترا نفسِ نفس، جلوہ ترا نظرِ نظر
بن گئی مستقلِ عذاب، جان خرابِ شوق پر
ترا خلوصِ دلبری، جان نہ ڈال دے اگر
معرفتِ جمال میں، کام نہ آئے بال و پر
باہمہ ذوقِ آگہی، ہائے رے پستی بشر!
دیکھا ہے، اک جہاںِ خاص، میں نے کبھی جگر
شورشِ درد، الاماں! گردشِ دہر، الجذرا!
آ، مری جان انتظار، آمرے آفتابِ شوق
عرضِ نیازِ عشق کا چاہیے اور کیا صلہ؟
لاکھ بیانِ دردِ دل، اک وہ تبسمِ حزیں
مجھ سے کسی کو کام کیا، میرا کہیں قیام کیا؟
حُسن سے جو نہ ہو سکا، کر گئی حُسن کی اک آہ

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمتِ شب جہاں جہاں

ایک طلوعِ آفتاب، دشت و چمن سحر سحر



حسینِ دل، تبسمِ نگاہِ پیدا کر
جسے ہوئے زمانہ کبھی بچھا نہ سکے
پھر اک لطیف سی خاموش آہ پیدا کر
قدم قدم پہ وہ اک شمعِ راہ پیدا کر

خلوصِ عشق و یقینِ حیات کے ہمراہ جنوںِ شوق و فسونِ نگاہ پیدا کر
 رگوں میں بھر کے فروغِ جمالِ اِلٰہِ اللہ نظر میں شعلگی لا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پیدا کر
 یہی زمیں ترا مسکن، یہی ترا مدفن
 اسی زمین سے تو مہر و ماہ پیدا کرا

☆—☆—☆

تری رحمتِ خطا بخش و خطا پوش مری بجزأتِ خطا کار و خطا کوش
 ہوا جاتا ہے دل پیاں فراموش کہاں سے، اے جنوںِ خانہ بردوش؟
 یہ کہہ کر ہو گیا دیوانہ خاموش سلامِ آخری، اے حبیبِ ہوش!
 خبر لے اپنی اے غارت گر ہوش ہوا جاتا ہے تو بھی خود فراموش
 نہ پہنچی آج دامن تک کسی کے بڑا احساں ترا، اے سوزِ خاموش!
 یہ اعجازِ نگاہِ نازِ ساقی! مری ہستی ہمہ مستی، ہمہ ہوش!
 اسی کو بڑھ کے ہوتا ہے قیامت سلامت باکرامتِ فتنہ ہوش
 ہمیں شکوے تھے کیا کیا اُن سے لیکن
 ہمیں ثابت ہوئے احساں فراموش

☆—☆—☆

وہ احساںِ شوقِ جواں اوّل اوّل وہ اک عالمِ گلشنِ اوّل اوّل
 وہ خود ساختہ اک طلسمِ حتماً وہ تالیف و تصنیفِ جاں اوّل اوّل
 وہ موہوم سا اک جہانِ محبت وہ مبہم سی اک داستاں اوّل اوّل
 تخیل میں رنگینیاں رفتہ رفتہ تصور میں تصویرِ جاں اوّل اوّل
 وہ اک گلفتِ شادماں تازہ تازہ وہ اک عشرتِ بزرگراں اوّل اوّل
 جسم و تعبیرِ خوابِ محبت! وہ نظارہٴ ناگہاں اوّل اوّل
 وہ اک پیکرِ حسنِ معصوم و سادہ وہ اک جلوہٴ بے اماں اوّل اوّل
 تکلم میں بے ربط سا اک تسلسلِ خموشی میں حسنِ بیاں اوّل اوّل

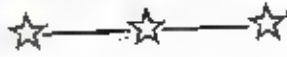
جگر آہ انجام و آغازِ الفت

سکوتِ آخرِ آخر، فغاںِ اوّل اوّل

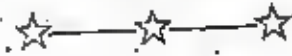
☆—☆—☆

محبت میں جگر گزرے ہیں ایسے بھی مقامِ کثر کہ خود لینا پڑا ہے اپنے دل سے انتقامِ کثر

کہاں حُسنِ تمام یار و تکلیفِ کرمِ کوشی؟
 مری رندی بھی کیا رندی، مری مستی بھی کیا مستی؟
 بدلتی ہے دُنیا اک نگاہِ ناتمام اکثر
 میری توبہ بھی بن جاتی ہے میخانہِ بجام اکثر
 تھوڑی ہی میں رہتا تھا جو اک محشرِ خرام اکثر
 جگر ایسا بھی دیکھا ہے کہ ہنگامِ یہِ مستی
 نظر سے چھپ گئے ہیں ساقی و مینا و جام اکثر



اللہ رے اس گلشنِ ایجاد کا عالم!
 اُف رنگِ رُخِ بانیِ بیدار کا عالم!
 جو صید کا عالم، وہی صیاد کا عالم
 جیسے کسی مظلوم کی فریاد کا عالم
 کیا جائے، کیا ہے دلِ ناشاد کا عالم!
 جلاؤ سے پوچھے کوئی جلاؤ کا عالم
 تیرا ہی تو عالم ہے، تری یاد کا عالم
 عالم تو ہے صرف اک مری افتاد کا عالم
 کہتے ہیں کسے نکبتِ برباد کا عالم
 کیوں آتشِ گل میرے نشین کو جلائے
 تنکوں میں ہے خود برقِ چمن زاد کا عالم



حُسنِ کافرِ شباب کا عالم
 عرقِ آلودِ چہرہِ تاباں
 سر سے پا تک شراب کا عالم
 شبنم و آفتاب کا عالم
 کچھ حیا، کچھ عتاب کا عالم
 شوخیوں میں حجاب کا عالم
 ہمہ نور و سرور کی دُنیا
 وہ لبِ جوئے بار و موسمِ گل!
 وہ شبِ ناہتاب کا عالم!
 زنگِ نیمِ خواب کا عالم!
 یک بیک اجتناب کا عالم
 ایک سادہ جواب کا عالم
 دل کا عالم، حجاب کا عالم
 اک شکستہ رباب کا عالم
 کافرِ شباب کا عالم
 عرقِ آلودِ چہرہِ تاباں
 وہ مری عرضِ شوقِ بے حد پر
 اللہ اللہ وہ امتزاجِ لطیف!
 ہمہ نور و سرور کی دُنیا
 وہ لبِ جوئے بار و موسمِ گل!
 زانوئے شوق پر وہ بچھلے پیر
 دیر تک اختلاطِ راز و نیاز
 لاکھ رنگیں پائیوں پہ مری
 غم کی ہر موج، موجِ طوفانِ خیز
 دلِ مطربِ سمجھ سکے، شاید

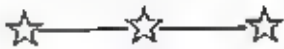
وہ سماں آج بھی ہے یاد جگر
ہاں مگر جیسے خواب کا عالم



جنوں کم، جستجو کم، تشنگی کم
بھگد اللہ! تو ہے جس کا ہدم
توجہ بے نہایت اور نظر کم
مری آنکھوں نے دیکھا ہے وہ عالم
خطا کیونکر نہ ہوتی عافیت سوز؟
خوشا یہ نسبتِ حسن و محبت!
وہ اک حسن سراپا، اللہ اللہ!
کہاں پہلوئے خورشید جہاں تاب
سرت، زندگی کا دوسرا نام
سرت کی حتما، مستقل غم

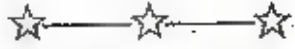


رکھتے ہیں رخصت سے، نہ غرض رہنما سے ہم
مانوس ہو چلے ہیں جو دل کی صدا سے ہم
یا رب! نگاہ شوق کو دے اور وسعتیں
مخصوص کس کے واسطے ہے رحمت تمام
اوست نازِ حسن! تجھے کچھ خبر بھی ہے؟
چلتے ہیں بیچ کے دُور ہر اک نقشِ پا سے ہم
شاید کہ جی اٹھے تری آوازِ پا سے ہم
گھبرا اٹھے جمالِ جہت آشنا سے ہم
پوچھیں گے ایک دن یہ کسی پار سے ہم
تجھ پر شمار ہوتے ہیں کس کس ادا سے ہم
یہ کون چھا گیا ہے دل و دیدہ پر کہ آج
اپنی نظر میں آپ ہیں نا آشنا سے ہم



یہ ڈرے جن کو ہم خاک رہ منزل سمجھتے ہیں
جسے سب لوگ حسن و عشق کی منزل سمجھتے ہیں
حقیقت میں جو رازِ دوری منزل سمجھتے ہیں
ہمیں وہ کیوں جھلسے خاص کے قابل سمجھتے ہیں؟
اسی اک جرم پر اغیار میں برپا قیامت ہے
زبانِ حال رکھتے ہیں، زبانِ دل سمجھتے ہیں
بلند اس سے بھی ہم اپنا مقام دل سمجھتے ہیں
انہیں کو ہم سلوکِ عشق میں کامل سمجھتے ہیں
یہ رازِ دل ہے، اس کو حیرانِ دل سمجھتے ہیں
کہ ہم بیدار ہیں اور اپنا مستقبل سمجھتے ہیں

نگاہوں میں کچھ ایسے بس گئے ہیں حسن کے جلوے
کوئی مانے نہ مانے اس کو، لیکن یہ حقیقت ہے
یہ بزم و ناتواں موچیں خودی کا راز کیا جانیں؟
حکومت کے مظالم جب سے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں
کوئی محفل ہو، لیکن ہم تری محفل سمجھتے ہیں
ہم اپنی زندگی میں غیب کو شامل سمجھتے ہیں
قدم لیتے ہیں طوفاں، عظمت ساحل سمجھتے ہیں
جگر ہم ہمیں کو کوچہ قاتل سمجھتے ہیں



یہ تو نہیں کہ عرضِ غم در خور اشتیاق نہیں
نالہ جاں فرور با نغمہ غم فزا نہیں
پیش نظر ہے حسن دوست، حسن کے ماسوا نہیں
غیر نے کچھ اگر کہا، رنج کرے تری بلا
بیٹھے ہیں بزم دوست میں گم شدگانِ حسن دوست
پینے سے کام ہے ہمیں میکدہ حیات میں
بھول وہی، چین وہی، فرق نظر نظر کا ہے
پھر یہ جدائیاں ہیں کیوں، پھر یہ ذہائیاں ہیں کیا؟
اے مرے مقصدِ حیات! گوشہ چشم التفات
اُف یہ کرشمہ کاریاں ہائے یہ ربطِ حسن و عشق!

حسن کو لیکن اے جگر فرصت ماسوا نہیں
اے دل فتنہ آفریں! تو ہے اگر تو کیا نہیں
عشق میں بتلا ہوں میں شرک میں بتلا نہیں
تو ہی جو با وفا نہیں، کوئی بھی با وفا نہیں
عشق ہے اور طلب نہیں، نغمہ ہے اور صدا نہیں
ظرف جدا جدا سبکی، اصل جدا جدا نہیں
عہد بہار میں تھا کیا، دور خزاں میں کیا نہیں؟
عشق سے تو الگ نہیں، حسن سے میں جدا نہیں
ایک نگہ تو ہے بہت، نیم نگہ میں کیا نہیں؟
مجھ پہ کوئی نظر نہیں، تیری کوئی خطا نہیں

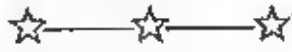
خشک نہ لب نہ آنکھ تر، زاہرے حضرت جگر!
جیسے کہ دور کا بھی اب عشق سے واسطہ نہیں



مقاماتِ اربابِ جاں اور بھی ہیں
مکمل نہیں ہے جونِ بحس
یہیں تک نہیں عشق کی سیر گاہیں
محبت کی منزل ہی شاید نہیں ہے
محبت نہیں صرف مقصودِ انساں
قفس توڑ کر مطمئن ہو نہ بلبل!
بہت دل کے حالات کہنے کے قابل
نہیں منحصر کچھ سے و میکدہ تک
خوشا درسِ غیرت، زہے عشقِ تنہا!

مکان اور بھی، لامکان اور بھی ہیں
مسلسل جہاں در جہاں اور بھی ہیں
مہ و انجم و کہکشاں اور بھی ہیں
کہ جب دیکھئے امتحان اور بھی ہیں
محبت میں کارِ جہاں اور بھی ہیں
قفس صورتِ آشیاں اور بھی ہیں
ورائے نگاہ و زباں اور بھی ہیں
مری تشنہ سامانیاں اور بھی ہیں
وہاں میں نہیں ہوں، جہاں اور بھی ہیں

صبا! خاکِ دل سے بچا اپنا دامن ابھی اس میں چنگاریاں اور بجھی ہیں
انہیں جس سے ہے اعتمادِ محبت
وہ مجھ سے جگرِ بدگماں اور بھی ہیں



دل میں کسی کے راہ کئے جا رہا ہوں میں
دنیا کے دل تپاہ کئے جا رہا ہوں میں
فردِ عمل سیاہ کئے جا رہا ہوں میں
ایسی بھی اک نگاہ کئے جا رہا ہوں میں
مجھ سے لگے ہیں عشق کی عظمت کو چار چاند
دفتر ہے ایک معنی بے لفظ و صوت کا
آگے قدم بڑھائیں، جنہیں سو جھتا نہیں
معصومی جمال کو بھی جن پہ رشک ہے
تقیدِ حسنِ مصلحت خاصِ عشق ہے
اٹھتی نہیں ہے آنکھ مگر اُس کے زویر و
گلشن پرست ہوں، مجھے گل ہی نہیں عزیز
یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر!

مجھ سے ادا ہوا ہے جگرِ جستجو کا حق
ہر ذرے کو گواہ کئے جا رہا ہوں میں



بے کیف ہے دل اور جئے جا رہا ہوں میں
پیہم جو آہ آہ کئے جا رہا ہوں میں
مجبوری کمالِ محبت تو دیکھنا!
وہ دل کہاں ہے اب کہ جسے پیار کیجئے
رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی
خالی ہے پیشہ اور پئے جا رہا ہوں میں
دولت ہے عم، زکوٰۃ دیئے جا رہا ہوں میں
جینا نہیں قبول، جئے جا رہا ہوں میں
بجوریاں ہیں، ساتھ دیئے جا رہا ہوں میں
کہنے کی بات ہے کہ جئے جا رہا ہوں میں

پہلے شرابِ زیست تھی، اب زیست ہے، شراب
کوئی پلا رہا ہے، پئے جا رہا ہوں میں



جو سرتوں میں خلش نہیں، جو اذیتوں میں مزا نہیں
 ترے حسن کا بھی قصور ہے، مرے عشق ہی کی خطا نہیں
 مرے جذبِ عشق پہ رحمتیں، مجھے بے بسی کا گلا نہیں
 ترے جبرِ حسن کی خیر ہو، مرے اختیار میں کیا نہیں؟
 مرا ذوق بھی، مرا شوق بھی، ہے بلند سطحِ عوام سے
 ترا ہجر بھی، ترا وصل بھی، مرے دردِ دل کی دوا نہیں
 جسے میں بھی خود نہ بتا سکا، مرا رازِ دل ہے وہ رازِ دل
 جسے غیر دوست سمجھ سکے مرے ساز میں وہ صدا نہیں
 مرا نالہ ہو شربا ہو کیا، مرا نغمہ رُوحِ فزا ہو کیوں؟
 کہ چمن میں پھول تو ہیں وہی، مگر ان میں بسے وفا نہیں
 یہ طریقِ عہد ہے خوب تر، مگر آہِ واعظِ بے خبرا
 اسے ساز گار ہو زہد کیا، جسے معصیت بھی روا نہیں؟
 مرے درد میں یہ خلش کہاں، مرے سوز میں یہ تپش کہاں؟
 کسی اور ہی کی پکار ہے، مری زندگی کی صدا نہیں
 وہ ہزار دشمن جاں سہی، مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے
 جسے خاک پا تری چھو گئی، وہ بُرا بھی ہو تو بُرا نہیں
 وہی ربطِ عشق و جمال ہے، ترا اور کچھ جو خیال ہے
 یہ سمجھ، تجھی میں ہے کچھ کمی، یہ نہ کہہ کہ جنسِ وفا نہیں
 وہی میں ہوں اور وہی انجمن، مگر آج ہے مرا حال کیا
 یہ گمان ہے کہ حقیقتاً کوئی اور تیرے سوا نہیں
 مرے شعر میں ہیں نزاکتیں، مری نظم میں ہیں لطافتیں
 مری فکر میں کہیں اسے جگر! ادبِ کثیف کی جا نہیں



اُس رُخ پہ از وہامِ نظر دیکھتا ہوں میں کانٹوں کی گود میں گلِ تر دیکھتا ہوں میں
 سعیِ مآلِ فکر و نظر دیکھتا ہوں میں! منزلِ رواں دواں ہے، جدھر دیکھتا ہوں میں
 تاثیرِ التفاتِ نظر دیکھتا ہوں میں کونین اپنے زیرِ اثر دیکھتا ہوں میں
 خود جس میں آرزوئے شکستِ غرور ہے ایسی بھی آج ایک نظر دیکھتا ہوں میں

ربیب جمال و جذبِ محبت تو دیکھنا
 تنہا نہیں ہے عشق ہی رسوائے جستوا
 اللہ رے کمالِ خودی کی نیا دستیں!
 اے عشق شاد باش کہ آج ان کو بار بار
 جو خرامِ ناز ہیں سخنِ چمن میں وہ
 میرا مقامِ عشقِ فنا نہیں
 کستانِ نسیمِ سحر دیکھتا ہوں میں
 دنیائے زندگی ہے، جدھر دیکھتا ہوں میں
 شاید نہیں بھی اس کی خبر ہونے لگے
 در پردہ نظر جو نظر دیکھتا ہوں میں

☆—☆—☆

جو عشقِ معتبر یہ کسی کو خبر نہیں
 سنجیدگی ہزار ہو، غم سے مفر نہیں
 دنیا کو دیکھ دیدہ روشن نگاہ سے
 جو ہر نفس کے ساتھ نہ لائے پیامِ دوست
 یہ شرمگین نگاہ، یہ انکارِ مضحل
 وہ کون سا ہے جلوہ، مکرر کہیں جسے؟
 طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر!
 ایسا بھی حسن ہے جو بقیدِ نظر نہیں
 دریا ای میں بند ہے، جو آنکھ تر نہیں
 فردوسِ زندگی ہے، وہاں نظر نہیں
 ہرگز وہ میری شام، وہ میری سحر نہیں
 پھر کیا ہے، اعترافِ محبت اگر نہیں؟
 وہ کونسی نظر ہے جو پہلی نظر نہیں؟
 ایسی بھی کونسی شام ہے جس کی سحر نہیں؟

بھوپال اگرچہ خلد بدامن ہے، اے جگر!

دل کیا شگفتہ ہو کہ نسیمِ جگر نہیں

☆—☆—☆

محبت میں یہ کیا مقام آرہے ہیں!
 یہ کہہ کہہ کے ہم دل کو بہلا رہے ہیں
 وہ از خود ہی نادم ہوئے جا رہے ہیں
 ہمارے ہی دل سے مزے اُن کے پوچھو
 جفا کرنے والوں کو کیا ہو گیا ہے؟
 وہ عالم ہے اب، یارو اغیار کیسے،
 کہ منزل پینے ہیں اور چلے جا رہے ہیں
 وہ اب چل چکے ہیں، وہ اب جا رہے ہیں
 خدا جانے، کیا کیا خیال آ رہے ہیں!
 وہ دھوکے جو دانستہ ہم کھا رہے ہیں
 وفا کر کے بھی ہم تو شرما رہے ہیں
 ہمیں اپنے دشمن ہوئے جا رہے ہیں

مزاج گرامی کی ہو خیر، یا رب!
کئی دن سے اکثر وہ یاد آ رہے ہیں



کہاں کے لالہ و گل، کیا بہار تو بہ شکن
نیہ کس غضب کی محبت نے ڈال دی اُبھن
خلوص شوق، نہ جوشِ عمل، نہ دردِ وطن
جمال اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن
وطن ہی جب نہیں اپنا تو پھر کہاں کا وطن؟
غضب ہے، قہر ہے، انسان کی یہ بواجبی
یہ مرحلہ بھی مری حیرتوں نے دیکھ لیا
مرا شعورِ محبت ہے کس لئے ہمہ گوش؟
ابھی ہے دل کو مقامِ سپردگی سے گریز
بہ ہوش باش کہ وہ انقلاب آ پہنچا
خردِ حقیقتِ چالاک و پخت و مستِ خرام
حضورِ دوست یہی جرمِ زندگی نکلا!
جنوں کی بے سرو سامانیوں پہ رنج نہ کر
جہانِ حُسن کو بھی جس نے کر دیا بیدار
ہر ایک لحظہ ہے در پیش کارزارِ حیات
وہی ہے زوِجِ محبت، وہی ہے جسمِ وفا

کھلے ہوئے ہیں دلوں کی جراثیموں کے چمن
نہ ضبطِ شوق کا یارا، نہ تابِ عرضِ سخن
یہ زندگی ہے خدایا کہ زندگی کا کفن
گلوں سے دب نہ سکی جس کی بوئے پیراہن
چمن اجاڑ رہا ہوں مگر برائے چمن!
خود اپنا دوست بہت کم، زیادہ تر دشمن
بہار میرے لئے اور میں تھی دامن
اگر نہیں مری جانب کسی کا رُوئے سخن
اک اور بھی سہی گیسوئے عنبریں میں شکن
میں سن رہا ہوں دل سنگ و سخت کی دھڑکن
جنوں صداقتِ بیباک و مصلحتِ روشن
جنابِ شیخ کو تھا زعمِ پاکِ دامن
اگر جنوں ہے، سلامت، ہزار ہا دامن
خوشا وہ سینہ اہلِ فراق کی دھڑکن!
سکوں تلاش نہ کر اے دلِ سگوں دشمن
بدلتا رہتا ہے لیکن مذاقِ پیراہن

مقامِ عشق کی نیرنگیاں نہ پوچھ جگر
کمالِ آگہی و سخت آگہی دشمن



اللہ اگر توفیق نہ دے، انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں
یہ تو نے کہا کیا اے ناداں، فیاضی قدرت عام نہیں؟
تو فکر و نظر تو پیدا کر، کیا چیز ہے جو انعام نہیں؟
یارب! یہ مقامِ عشق ہے کیا؟ گودیدہ و دلِ ناکام نہیں

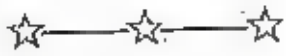
تسکین ہے اور تسکین نہیں، آرام ہے اور آرام نہیں
کیوں مست و شرابِ عیش و طرب تکلیف توجہ فرمائیں؟

آوازِ شکستِ دل ہی تو ہے، آوازِ شکستِ جام نہیں
آنا ہے جو بزمِ جاناں میں، پندارِ خودی کو توڑ کے!

اے ہوش و خرد کے دیوانے! ہاں ہوش و خرد کا نام نہیں!
زاہد نے کچھ اس انداز سے پی، ساقی کی نگاہیں پڑے لگیں

مے کش یہی اب تک سمجھے تھے شائستہ دردِ جام نہیں
عشق، اور گوارا خود کر لے بے شرطِ شکستِ فاش اپنی

دل کی بھی کچھ ان کے سازش ہے، تہا یہ نظر کا کام نہیں
سب جس کو اسیری کہتے ہیں، وہ تو ہے اسیری ہی، لیکن
وہ کونسی آزادی ہے یہاں، جو آپ خود اپنا دام نہیں؟



اب لفظ بیاں سب ختم ہوئے، اب دیدہ و دل کا کام نہیں
اب عشق ہے خود پیغام اپنا، اب عشق کا کچھ پیغام نہیں
اللہ کے علم و حکمت کے محدود اگر اکرام نہیں

ہر سانس کے آنے جانے میں کیا کوئی نیا پیغام نہیں؟
ہر حُلدِ تمنا پیشِ نظر، ہر جنتِ نظارہ حاصل

پھر بھی ہے وہ کیا شے سینے میں، ممکن ہی جسے آرام نہیں؟
یہ حسن ہے کیا، یہ عشق ہے کیا، کس کو ہے خبر اس کی؟ لیکن

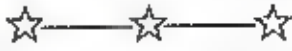
بے جامِ ظہورِ بادہ نہیں، بے بادہ فروغِ جام نہیں
زاہد ترے ان سجدوں کے عوض، سب کچھ ہو مبارک تجھ کو مگر

وہ سجدہ یہاں ہے کفرِ جبین، جو سجدہ کہ خود انعام نہیں
دنیا یہ دکھی ہے پھر بھی مگر، تھک کر ہی سہی، سو جاتی ہے

تیرے ہی مقدر میں اے دل، کیوں چین نہیں، آرام نہیں
اک شاہد و معنی و صورت کے ملنے کی تمنا سب کو ہے

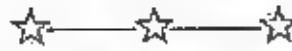
ہم اس کے نہ ملنے پر ہیں فدا، لیکن یہ مذاق عام نہیں

پینے کو تو سب پیتے ہیں جگر میخانہ فطرت میں، لیکن
محروم نگاہ سانی ہے، وہ رند جو، درد آشام نہیں



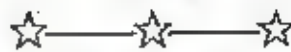
جب تک انساں پاک طینت ہی نہیں وہ محبت، وہ عداوت ہی نہیں
علم و حکمت، علم و حکمت ہی نہیں سینہ آہن بھی تھا جس سے گداز
زندگی میں اب صداقت ہی نہیں آدی کے پاس سب کچھ ہے، مگر
اب دلوں میں وہ حرارت ہی نہیں بچ کے رہ جائے، وہ غنچہ ہی کہاں؟
ایک تنہا آدمیت ہی نہیں حسن کو سمجھا ہے کیا، اے نو الہوس!

صرف تقالی ہے مغرب کی جگر
شعر میں اب مشرقت ہی نہیں!



بے ربط حسن و عشق یہ کیف و اثر کہاں؟ تھی زندگی عزیز، مگر اس قدر کہاں؟
تیرے بغیر رونق دیوار و در کہاں؟ شام و سحر کا نام ہے، شام و سحر کہاں؟
کیا جائے، خیال کہاں ہے، نظر کہاں! تیری خبر کے بعد پھر اپنی خبر کہاں؟
ہر جلوہ جمال ہے برقی گریز پا اے دل! یہاں تھکلی بار دگر کہاں؟
مانا کہ محتسب بھی بڑا با شعور ہے لیکن اسے نزاکتِ عم کی خبر کہاں؟
مل کر ہجوم جلوہ میں خود جلوہ بن گئی پہنچا ہے کس جگہ سے مقام نظر کہاں؟
آج اس کی مہمان ہے، کل اس کی مہماں اس خانماں خرابِ محبت کا گھر کہاں؟
کہنے کو اہل علم کی کوئی کمی نہیں! لیکن خود اپنی فکر، خود اپنی نظر کہاں؟
ترک تعلقات کو مدت گذر چکی ظالم ترے خیال سے پھر بھی مفر کہاں؟
ہر اعتبار دوست پہ صدقے ہزار جان لیکن وہ کیف وعدہ نامعتبر کہاں؟
عرصہ ہوا کہ رسم محبت بدل گئی! دامن سے وہ معاملہ چشم تر کہاں؟
ہر گام پر ہے منزل نو جستجو طلب جاتا ہے سر اٹھائے ہوئے بے خبر کہاں؟
صد عشرت نگاہ مسلسل خوشا نصیب! لیکن لطافت نگہ مختصر کہاں؟

ہر چند کائنات دو عالم میں، اے جگر!
انساں ہی ایک چیز ہے، انساں مگر کہاں؟



عشق کی بریادیوں کو رایگاں سمجھا تھا میں
 بے حجابی کو حجاب درمیاں سمجھا تھا میں
 ہر نگہ کو طبع نازک پر گراں سمجھا تھا میں
 شہاد باش و زندہ باش اے عشق خود سودائے من
 کیا خبر تھی، خود وہ نکلیں گے برابر کے شریک؟
 یاد لیاے کہ جب ذوق طلب کامل نہ تھا
 آدمی کو آدمی سے بعد، وہ بھی کس قدر!
 کیا بتاؤں کس قدر زنجیر پا ثابت ہوئے
 زندگی نکلی مسلسل امتحاں در امتحاں
 اس گھڑی کی شرم رکھ لے، اے نگاہ ناز دوست
 میری ہی زرداد، ہستی تھی مرے ہی سامنے

پردہ اٹھا تو وہی صورت نظر آئی جگر

مذتوں رُوح القدس کو ہم زباں سمجھا تھا میں:



سبھی اندازِ حسن پیارے ہیں
 اُس کی راتوں کا انتقام نہ پوچھ
 اے سہاروں کی زندگی والو،
 لالہ و گل سے تجھ کو کیا نسبت؟
 ہم تو اب ڈوب کر ہی ابھریں گے
 شبِ فرقت بھی جگمگا اٹھی
 آتشِ عشق وہ جہنم ہے
 وہ ہمیں ہیں کہ جن کے ہاتھوں نے

ہم مگر سادگی کے مارے ہیں
 جس نے ہنس ہنس کے دن گزارے ہیں
 کتنے انساں بے سہارے ہیں!
 ناممکن سے استعارے ہیں!
 وہ رہیں شاد، جو کنارے ہیں
 اشکِ غم ہیں کہ ماہ پارے ہیں
 جس میں فردوس کے نظارے ہیں
 گیسوئے زندگی سنوارے ہیں

حسن کی بے نیازوں پہ نہ جا!

بے اشارے بھی کچھ اشارے ہیں



یہ صحنِ دردیش، یہ لالہ و گل، ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں

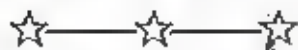
تخریبِ جنوں کے پردے میں تعمیر کے ساماں ہوتے ہیں

منڈلائے ہوئے جب ہر جانب طوفاں ہی طوفاں ہوتے ہیں
 دیوانے کچھ آگے بڑھتے ہیں اور دست و گریباں ہوتے ہیں
 اس جہد و طلب کی دنیا میں کیا کار نمایاں ہوتے ہیں!
 ہم صرف شکایت کرتے ہیں، وہ صرف پشیمیاں ہوتے ہیں
 بیدار عزائم ہوتے ہیں، اسرار نمایاں ہوتے ہیں
 جتنے وہ ستم فرماتے ہیں، سب عشق پہ احساں ہوتے ہیں
 رندوں نے جو چھیڑا زاہد کو، ساقی نے کہا کس طغر نے آج!
 اوروں کی وہ عظمت کیا جانیں، کم ظرف جو انساں ہوتے ہیں
 تو خوش ہے کہ تجھ کو حاصل ہیں، میں خوش کہ مرے ہنسنے میں نہیں
 وہ کام جو آساں ہوتے ہیں، وہ جلوے جو ارزاں ہوتے ہیں
 آسودہ ساحل تو ہے مگر، شاید یہ تجھے معلوم نہیں
 ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں
 یہ خون جو ہے مظلوموں کا، ضائع نہ ہو جائے گا، لیکن
 کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرف بہاراں ہوتے ہیں
 جو حق کی خاطر جیتے ہیں، مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر!
 جب وقت شہادت آتا ہے، ذل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں



غم معتبر نہیں ہے، مکمل خوشی نہیں
 یہ تو نہیں کہ مجھ کو سرے کشی نہیں
 تسخیر مہر و ماہ مبارک تجھے، مگر
 واعظ اب اور کیا کہوں، لیکن خطا معاف!
 کیا وقت ہے کہ لطف محبت میں بھی نہیں
 لیکن ابھی نہیں، مرے ساقی، ابھی نہیں
 دل میں نہیں اگر، تو کہیں روشنی نہیں
 جو تیرے سامنے ہے، حقیقت وہی نہیں

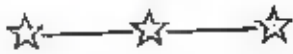
کیا جانئے یہ کون سا عالم ہے، اے جگر!
 دل مضطرب ہے اور کوئی بات بھی نہیں



کوئی یہ کہہ دے گلشن گلشن لاکھ بلائیں، ایک نشین
 کامل رہبر، قاتل رہ رہ زن دل سا دشمن
 مہول کھلے ہیں گلشن گلشن لیکن اپنا اپنا دامن

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
خیر مزاجِ حسن کی، یارب!
آ، کہ نہ جانے تجھ بن کب سے
آنکھ نہ جانے راز یہ کیا ہے
عمریں بیتیں، صدیاں گذریں
تجھ سا حسین اور خونِ محبت
برقی حوادث، اللہ اللہ!
تو نے سلجھ کر گیسوئے جاناں
رحمت ہو گی طالبِ عصیاں
دل کہ مجسمِ آئینہ ساہاں
بیٹھنے میں ہم ہر بزم میں، لیکن
ہستی شاعر اللہ اللہ! (قطعہ)
رنگیں فطرت، سادہ طبیعت
کام ادھورا اور آزادی
شخ ہے، لیکن ڈھنڈلی ڈھنڈلی!
کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر
عشق ہے کارِ شیشہ و آہن
تیز بہت ہے دل کی دھڑکن
روح ہے لاشہ جسم ہے مدفن
ہجر کی رات اور اتنی روشن!
ہے وہی اب تک عقل کا بچپن
وہم ہے شاید سُرخِ دامن
جھوم رہی ہے شاخِ نشین
اور بڑھا دی شوق کی اُلجھن
رشک کرے گی پاکی دامن
اور وہ ظالم آئینہ دشمن
جھاڑ کے اٹھے اپنا دامن
حسن کی منزل، عشق کا مسکن
فرش نشیں اور عرش نشین!
نام بڑے اور تھوڑے درشن
سایہ ہے لیکن روشن روشن
کون پھولے اپنا دامن؟

چلتی پھرتی چھاؤں ہے پیارے
کس کا صحراء کیسا گلشن؟



ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
بے فائدہ الم نہیں، بے کار غم نہیں
میری زباں پہ شکوہ اہلِ بستم نہیں
یارب! ہجومِ درد کو دے اور وسعتیں
شکوہ تو ایک چھیڑ ہے، لیکن حقیقتاً
اب عشق اس مقام پہ ہے جستجوِ نور
مٹا نہ کیوں مزہ ستمِ روزگار میں!
زاہد کچھ اور ہو نہ ہو میخانے میں، مگر
ہم سے زمانہ خود ہے، زمانے سے ہم نہیں
تو تیس دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں
مجھ کو جگا دیا، یہی احسان کم نہیں
دامن تو کیا ابھی مری آنکھیں بھی نم نہیں
تیرا ستم بھی تیری عنایت سے کم نہیں
سایہ نہیں جہاں، کوئی نقشِ قدم نہیں
تیرا کرم بھی خود جو شریکِ ستم نہیں
کیا کم یہ ہے کہ فتنہ دیرِ حرم نہیں

مرگ جگر پہ کیوں تری آنکھیں ہیں اشک ریز؟
اک سانحہ سہی، مگر اتنا اہم نہیں



عشق لامحدود جب تک رہ نما ہوتا نہیں
بیکراں ہوتا نہیں، بے انتہا ہوتا نہیں
اس سے بڑھ کر دوست کوئی دوسرا ہوتا نہیں
زندگی اک حادثہ ہے، اور کیسا حادثہ
کون یہ ناصح کو سمجھائے بطرز دل نشیں
درد سے معمور ہوتی جا رہی ہے کائنات
میری عرضِ غم پہ وہ کہنا کسی کا ہائے ہائے!
اس مقامِ قرب تک اب عشق پہنچا ہے، جہاں
ہر قدم کے ساتھ منزل، لیکن اس کا کیا علاج
اللہ اللہ یہ کمالِ ارتباطِ حسن و عشق!

زندگی سے زندگی کا حق ادا ہوتا نہیں
قطرہ جب تک بڑھ کے قلزم آشنا ہوتا نہیں
سب جدا ہو جائیں، لیکن غم جدا ہوتا نہیں
موت سے بھی ختم جس کا سلسلہ ہوتا نہیں
عشق صادق ہو تو غم بھی بے مزا ہوتا نہیں
اک دل انساں مگر درد آشنا ہوتا نہیں
شکوہ غم شیوہ اہل وفا ہوتا نہیں
دیدہ دل کا بھی اکثر واسطہ ہوتا نہیں
عشق ہی کم بخت منزل آشنا ہوتا نہیں
فاصلے ہوں لاکھ، دل سے دل جدا ہوتا نہیں

کیا قیامت ہے کہ اس دورِ ترقی میں جگر
آدی سے آدی کا حق ادا ہوتا نہیں



جو طوفانوں میں پلتے جا رہے ہیں
نکھرتا آ رہا ہے رنگِ گلشن
وہیں میں خاک اڑتی دیکھتا ہوں
چراغِ دیر و کعبہ اللہ اللہ!
وہی دنیا بدلتے جا رہے ہیں
خس و خاشاک جلتے جا رہے ہیں
جہاں چشمے اُبلتے جا رہے ہیں
ہوا کی زد پہ جلتے جا رہے ہیں
شبابِ دُسن میں بحثِ آپڑی ہے
نئے پہلو نکلتے جا رہے ہیں



عمر بھر روح کی اور جسم کی یک جانی ہو
کوئی اتنا بھی نہ مصروفِ خود آرائی ہو
انجمن ہو، نہ سر انجمن آرائی ہو
مستی حسنِ غمِ عشق پہ یوں چھائی ہو
کیا قیامت ہے کہ پھر بھی نہ شناسائی ہو
کہ تماشا رہے باقی نہ تماشاائی ہو
میں ہوں اور صرف مرا عالمِ تنہائی ہو
دل سے جو مونجِ غم اٹھے، تری انگڑائی ہو

اے غم دوست! ترا صبر مجھی پر ٹوٹے بے ترے نیند بھی آنکھوں میں اگر آئی ہو
 وہ محبت ہی نہیں ہے، وہ قیامت ہی نہیں جو ترے پائے نگاریں کی نہ ٹھکرائی ہو
 ہو گئی دل کو تری یاد سے اک نسبتِ خاص
 اب تو شاید ہی میسر کبھی تنہائی ہو



داغِ دل کیوں کوئی مجروح پذیرائی ہو گلِ ویرانہ بنے، لالہِ صحرائی ہو
 دم الٹ جائے کہ دم پر مرے بن آئی ہو کیوں تری یاد شریکِ غمِ تنہائی ہو
 پھر وہی رُت، وہی ہم تم، وہی تنہائی ہو پھر ہر اک چوٹِ محبت کی اک بھر آئی ہو
 نالہ یوں کیجئے، یہ اعجازِ شکیبائی ہو جیسے بیساختہ ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہو
 حُسن و بیچارگیِ حُسن، الہی توبہ! ہو میں تو مر جاؤں جو یوں عشق کی بن آئی ہو
 عرصہ حشر کہاں، جلوہ گہ دوست کہاں؟ وہ بھی میرا ہی نہ اک گوشہِ تنہائی ہو
 بھول جاؤں کہ مرا فرضِ محبت کیا ہے اس طرح تو نہ مری حوصلہ افزائی ہو
 گر کے نظروں سے تری اُس کاٹھکانا ہی کہاں جس نے ظالم ترے دل میں بھی جگہ پائی ہو
 ہائے، اُس حصّہ گلشن کا مقدر ہدم! نہ خزاں آئی ہو جس میں، نہ بہار آئی ہو
 یوں بھی ہو کاش! غمِ عشق کی تاثیر، جگر
 میں تمنا نہ کروں اور وہ تمنا ہی ہو



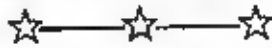
ممکن نہیں کہ جذبہِ دل کارگر نہ ہو یہ اور بات ہے، تمہیں اب تک خبر نہ ہو
 توہینِ عشق دیکھ، نہ ہو، اے جگر نہ ہو ہو جائے دل کا خون، مگر آنکھ تر نہ ہو
 دریائے حُسن و کارِ غمِ عشق، ناصح! یہ کیا کہا، ترا بہرِ دامن بھی تر نہ ہو!
 لازمِ خودی کا ہوش بھی ہے بخودی کے ساتھ کس کی اُسے خبر، جسے اپنی خبر نہ ہو
 وہ بدگمانیاں ہیں، نہ وہ سرگرائیاں اتنی بھی دل کی دل کو الہی خبر نہ ہو
 احسانِ عشقِ اصل میں توہینِ حُسن ہے حاضر ہیں دین و دل بھی، ضرورت اگر نہ ہو
 یا طالبِ دُعا تھا میں اک ایک سے جگر
 یا خود یہ چاہتا ہوں، دعا میں اثر نہ ہو



بھول بسر کرتے ہیں خاروں کے ساتھ
 کم نہ ہوئیں اُن سے بھی کچھ ظلمتیں
 عشق کہیں تجھ سے نہ لے انتقام
 ایک نظر، ایک دل، اتنا تو اُن!
 عشق میں کیا ہے، یہی معراج دید
 رقص میں ہے کب سے دل کی کائنات
 لوٹ بہاریں نہ چمن کی بہت
 صبح ہے دُور اور ابھی سے جگر
 کھیلتے ہیں ہم کبھی شراروں کے ساتھ
 ربط بڑھایا تھا ستاروں کے ساتھ
 چھیڑ نہ کر عشق کے ماروں کے ساتھ
 مفرکہ درپیش ہزاروں کے ساتھ
 گم ہیں نگاہیں بھی نظاروں کے ساتھ
 دیدہ و نازیدہ اشاروں کے ساتھ
 تو بھی نہ لٹ جائے بہاروں کے ساتھ
 ڈوب چلی نبض ستاروں کے ساتھ
 جان فدا اُس پہ کہ جس نے جگر
 زینت بسر کی نہ سہاروں کے ساتھ

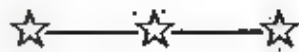


ابھی نہ روک نگاہوں کے پیر نے ہمانہ
 فضائے کعبہ ہو یا سر زمین بہت خانہ
 سحر ہوئی، وہ بڑھے ہاتھ سوائے پیانہ
 حدیثِ حسن، نہ شغلِ شراب و پیانہ
 مذاقِ عشق کی تفریق، اے معاذ اللہ!
 ستم بھی ڈھائے کسی نے تو اس توجہ سے
 جوں عشق کی کافر ادائیاں، توبہ!
 وہیں وہیں سے اٹھے ہیں ہزار ہا فتنے
 خود اپنی آگ میں جلتی ہے شمع، جلتے دو
 وہ ایک شعرِ مجسم، وہ ایک حکمِ حسن
 نظر نظر مجسم، اگرچہ بے پردا
 فدائے نیم نقابی تمام نکبت و رنگ
 شامِ نیم نگاہی، تمام سے خانہ

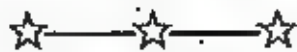


سراپا حقیقت، مجسمِ فسانہ
 ہم شعر و نغمہ، ہم رنگ و نکبت
 محبت کا عالم، جوں کا زمانہ
 وہ جانِ تمنا، وہ حسنِ یگانہ

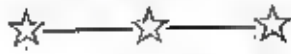
وہ پہلے پہل دونوں جانب یہ عالم نظر اٹھتے اٹھتے، نظر ملتے ملتے حیا میں وہ معصوم سی اک شرارت وہ ہر چھیڑ میں اک نئی زندگانی طبیعت شگفتہ، مگر کھوئی کھوئی وہ اخفائے رازِ محبت کی خاطر وہ اشک و تبسم کا پُرکینف موسم کبھی رُوئے زیبا پہ غصے کی لہریں وہ بارِ بربط سا اک طلسمِ مغانی جوں کمل کا بھی ایک عالم غرورِ بجل، مگر زخمِ خوردہ شکستِ محبت، مگر فاتحانہ



یہ فلک یہ ماہ و انجم، یہ زمین یہ زمانہ یہ ہے عشق کی کرامت، یہ کمالِ شاعرانہ یہ علیل سی فضا میں، یہ مریض سا زمانہ یہ مرا پیام کہنا تو صبا مودِ پانہ مجھے چاک جیب و دامن سے نہیں مناسبت کچھ تجھے حادثاتِ ہیمن سے بھی کیا ملے گا ناداں؟ تری اک نمود سے ہے ترے اک حجاب تک ہے وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ یہ ترا جمالِ کامل، یہ شباب کا زمانہ کبھی حُسن کی طبیعت نہ بدل سکا زمانہ مجھے عشق کی صداقت پہ بھی شک سا ہو چلا ہے تجھے اے جگر! ہوا کیا کہ بہت دلوں سے پیارے! نہ بیانِ عشق و مستی، نہ حدیثِ دلبرانہ



میں ہوں اس مقام پر اب کہ فراق دوصل کیسے؟
 مری زندگی تو گذری ترے ہجر کے سہارے
 ترے عشق کی کرامت، یہ اگر نہیں تو کیا ہے
 تری دوری و حضوری کا ہے عجیب عالم
 مرنے ہم صغیر بلبل! مرا تیرا ساتھ ہی کیا
 میں وہ صاف ہی نہ کہہ دوں ہے جو فرق مجھ میں تجھ میں
 ترا درد درد تہا، مرا غم غم زمانہ
 ترے دل کے ٹوٹنے پر ہے کسی کو ناز کیا کیا!
 تجھے اے جگر! مبارک! یہ شکست فاتحانہ!



محبنت کار فرمائے دو عالم ہوتی جاتی ہے
 ہر اک صورت، ہر اک تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے
 زمانہ گرم رفتار ترقی ہوتا جاتا ہے
 جہاں تک توڑتا جاتا ہوں رسم ظاہر و باطن
 جہاں تک دل کا شیرازہ فراہم کرتا جاتا ہوں
 نزاکت ہائے احساسِ محبت، اے معاذ اللہ!
 غرورِ حسن، برخصت! الفراق اے ناز خود بینی!
 یہی جی چاہتا ہے چھیڑتے ہی چھیڑتے رہیے
 ارے توبہ! یہ تکمیلِ شباب و حسن ارے توبہ!
 تصورِ رفتہ رفتہ اک سراپا بنتا جاتا ہے
 وہ تہہ کہ گلے گلے بل بل کے رخصت ہوتے جاتے ہیں
 جدھر سے مین گذرتا ہوں، نگاہیں اٹھتی جاتی ہیں
 جگر! تیرے سکوتِ غم نے یہ کیا کہہ دیا ان سے؟

کہ ہر دنیائے دل شاکستہ غم ہوتی جاتی ہے
 الہی! کیا مری دیوانگی کم ہوتی جاتی ہے
 مگر اک چشمِ شاعر ہے کہ پر غم ہوتی جاتی ہے
 دلیلِ عاشقی اتنی ہی محکم ہوتی جاتی ہے
 یہ محفل اور برہم، اور برہم ہوتی جاتی ہے
 کہ اک اک گھڑی ایک ایک عالم ہوتی جاتی ہے
 مزاجِ حسن سے اب تمکنت کم ہوتی جاتی ہے
 بہت دل کش ادائے حسن برہم ہوتی جاتی ہے
 کہ ہر ظالم ادا تقدیرِ عالم ہوتی جاتی ہے
 وہ اک شے جو بھی میں سے جسم ہوتی جاتی ہے
 مری آنکھوں سے یارب! روشنی کم ہوتی جاتی ہے
 مری ہستی بھی کیا تیرا ہی عالم ہوتی جاتی ہے؟
 جھکی پڑتی ہیں نظریں، آنکھ پر غم ہوتی جاتی ہے



کیا کششِ حسن بے پناہ میں ہے!
 مے کدہ میں، نہ خانقاہ میں ہے
 ہائے! وہ رازِ غم کہ جو اب تک
 عشق میں کیسی منزلِ مقصود
 میں جہاں ہوں، ترے خیال میں ہوں

جو قدیم ہے، اسی کی راہ میں ہے
 جو تجلی دلِ تباہ میں ہے
 تیرے دل میں، مری نگاہ میں ہے
 وہ بھی اک گرد ہے، جو راہ میں ہے
 تو جہاں ہے، مری نگاہ میں ہے

حسن کو بھی کہاں نصیب، جگر !
وہ جو اک شے مری نگاہ میں ہے



کسی صورت نمود سوزِ پہانی نہیں جاتی
نہیں جاتی، کہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی
نگاہوں کو خزاں نا آشنا بننا تو آجائے
پشیمان ستم وہ دل ہی دل میں رہتے ہیں، لیکن
صداقت، وہ تو دل سینوں سے کھینچنے لگتے ہیں، واعظ
مزاج اہل دل بے کیف و مستی رہ نہیں سکتا
بلندی چاہئے انسان کی فطرت میں پوشیدہ
گئے وہ دن کہ دل سرمایہ دارِ درو پیہم تھا
جسے رونق ترے قدموں نے دے کر چھین نی رونق
وہ یوں دل سے گذرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
مجھے تو کر دیا سیراب ساقی نے مرے، لیکن
نہیں معلوم کس عالم میں خُسن یار دیکھا تھا
جلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر کر
محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گذرتا ہے

جگر ! وہ بھی زسرتا پتا محبت ہی محبت ہیں

مگر اُن کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی



تکلف سے، تصنع سے، بری ہے شاعری اپنی
نظر سے اُن کی پہلی ہی نظریوں مل گئی اپنی
وہ اُن کی بے رخی، وہ بے نیازانہ ہنسی اپنی
جمال اُن کا، مزاج اپنا، غم اُن کا، زندگی اپنی
یہاں تک تو جگر ! پہنچی ہے معراجِ خودی اپنی
ہمیں کیوں اب کوئی سمجھائے، دل اپنا، خوشی اپنی
حقیقت شعر میں جو ہے، وہی ہے زندگی اپنی
حقیقت میں تھی جیسے مدتوں سے دوستی اپنی
بھری محفل تھی، لیکن بات بگڑی بن گئی اپنی
حیاتِ خُسن ہے گویا حیاتِ عاشقی اپنی
کہ خُسن اک مشغلہ اپنا ہے، عشق اک دل لگی اپنی
گر یہاں اپنا، ہاتھ اپنے، جنوں اپنا، ہنسی اپنی

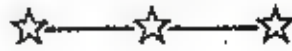
ایسے سمجھے نہ سمجھے کوئی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ترک مئے کشی پر بھی وہی ہے مئے کشی اپنی جگر! رہ جائے بن کر آہ جواک کا سہ سال نہ ایسی شاعری اپنی، نہ ایسی زندگی اپنی



اگر شامل نہ در پردہ کسی کی آرزو ہوتی تو پھر اے زندگی، ظالم، نہ میں ہوتا، نہ تو ہوتی اگر حائل نہ اس رُخ پر غلاب رنگ و بو ہوتی کے تاب نظر رہتی، مجال آرزو ہوتی؟ نہ اک مرکز یہ دک جاتی، نہ یوں بے آبرو ہوتی محبت جستجو تھی، جستجو ہی جستجو ہوتی ترا ملتا تو ممکن تھا، مگر اے جان مجھو بی!

نگاہ شوق اسے بھی ڈھال لیتی اپنے سانچے میں

اگر اک اور بھی دنیا ورائے رنگ و بو ہوتی



وہی اس نظر میں ہیں گھب جانے والے جو سینوں پہ ہیں برچھیاں کھانے والے شکن کاش پڑ جائے اپنی جبین پر! پریشاں بہت ہیں ستم ڈھانے والے سراپا محبت بنے جا رہے ہیں سلامت رہیں ان کو بہکانے والے بہ غور اپنی جانب بھی اے کاش دیکھیں! مرے حال پر رحم فرمانے والے محبت کی باتیں، محبت ہی جانے ترے حسن کا راز کیوں کر چھپاؤں مری طاقت ضبط کی خیر یا رب!

جو ہیں خاص چشم و چراغ محبت

وہ آنسو نہیں ہیں نظر آنے والے



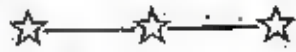
آنکھوں میں بس کے، دل میں سما کر چلے گئے خوابیدہ زندگی تھی، جگا کر چلے گئے حسن ازل کی شان دکھا کر چلے گئے چہرے تک آستین وہ لا کر چلے گئے رگ رگ میں اس طرح وہ سما کر چلے گئے میری حیات عشق کو دے کر جنون شوق سمجھا کے پستیاں مرے اوج کمال کی اپنے فروغ حسن کی دکھلا کے وسعتیں

میرے خدو و شوق بڑھا کر چلے گئے

ہر شے کو میری خاطر ناشاد کے لئے
آئے تھے دل کی پیاس بجھانے کے واسطے
آئے تھے چشم شوق کی حسرت نکالنے
اب کاروبارِ عشق سے فرصت مجھے کہاں؟
اپنا سا کیوں نہ مجھ کو بنا کر چلے گئے
شکرِ کرم کے ساتھ یہ شکوہ بھی ہو قبول!

لب تھر تھرا کے رہ گئے، لیکن وہ اے جگر!

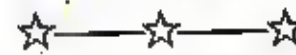
جاتے ہوئے نگاہ ملا کر چلے گئے



وہ جو روٹھیں، یوں مٹانا چاہیے
ہمتِ قاتل بڑھانا چاہیے
زندگی ہے نامِ جہد و جنگ کا
ہے انہیں دھوکوں سے دل کی زندگی
زندگی سے زوٹھ جانا چاہیے
زیرِ پنجرِ مسکراتا چاہیے
موت کیا ہے، بھول جانا چاہیے
جو حسین دھوکا ہو، کھانا چاہیے
گلگلوں سے جی لگانا چاہیے

ان سے ملنے کو تو کیا کہئے، جگر!

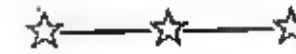
خود سے ملنے کو زماں چاہیے



برابر سے بچ کر گذر جانے والے
نہیں جانتے کچھ کہ جانا کہاں ہے
پہ نالے نہیں بے اثر جانے والے
چلے جا رہے ہیں مگر جانے والے
دبے پاؤں منہ پھیر کر جانے والے
”نہیں“ کہہ کے سب سے گذر جانے والے

محبت میں ہم تو جئے ہیں، جئیں گے

وہ ہوں گے کوئی اور مر جانے والے



سودا جواب ہے، سر میں، وہ سودا ہی اور ہے
لیلائے آب و گل تو ہزاروں ہزار میں
اس کا چمن ہی اور ہے، صحرا ہی اور ہے
مجنوں ہے، جس کی رُوح، وہ لیلیٰ ہی اور ہے
محسوس اب ہوا، وہ تمنا ہی اور ہے
وہ جانِ حُسن، حُسن سراپا ہی اور ہے
خود حُسن استعارہ ہے جس کے جمال کا

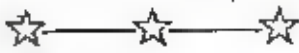
جس سے کہ مطمئن ہو مزی فطرتِ بلند . شاید وہ حُسن و عشق کی دُنیا ہی اور ہے
صورت میں یہ فروغ، یہ جذب و کشش کہاں؟ . در پردہ کوئی شاید معنی ہی اور ہے
یہ حسن رنگ رنگ بھی کچھ کم نہ تھا جگر!

کیا کیجئے کہ دل کا تقاضا ہی اور ہے



یوں پرسشِ ملال وہ فرما کے رہ گئے . شکوے مری زبان تک آ آ کے رہ گئے
پہلے تو عرضِ غم پہ وہ جھنجھلا کے رہ گئے . پھر کچھ سمجھ کے، سوچ کے، شرما کے رہ گئے
آئینہ پُوم پُوم رہے تھے وہ بار بار . دیکھا جو یک یہ یک مجھے، شرما کے رہ گئے
وہ کون ہے کہ جو سر منزل پہنچ سکا . دُھندلے سے کچھ نشانِ نظر آ کے رہ گئے
نغموں پہ میرے اور تو وہ کچھ نہ کہہ سکے . کچھ مسکرا کے بھول سے برسا کے رہ گئے

ہر شکر انتقامِ محبت ہے اے جگر!
شکوہ نہیں ہے اُن سے، جو تڑپا کے رہ گئے



پھر دل ہے قصدِ کوچہ جاناں کئے ہوئے . رگ رگ میں نیشِ عشق کو پہاں کئے ہوئے
پھر عزتِ خیال سے گھبرا رہا ہے دل . ہر وسعتِ خیال کو زنداں کئے ہوئے
پھر چشمِ شوق دیر سے لبریز شکوہ ہے . قطروں کو موج، موج کو طوفاں کئے ہوئے
پھر جان بے قرار ہے آمادہٴ فغاں . سو حشرِ اک سکوت میں پہاں کئے ہوئے
پھر کیفِ بیخودی میں بڑھا جا رہا ہوں میں . سب کچھ شاعرِ شوقِ فراواں کئے ہوئے
پھر سُوئے خلدِ حُسن کھنچا جا رہا ہے دل . ہر جنتِ نظارہ کو دیراں کئے ہوئے
پھر بڑھ چلا ہے جوشِ طلبِ راہِ دوست میں . سو فتحِ ہر شکست پہ قرباں کئے ہوئے
پھر بڑھ چلیں جنونِ تمنا کی شورشیں! . برہمِ نظامِ عالمِ امکاں کئے ہوئے
پھر ہے نگاہِ شوق کو دیدار کی ہوس . مدت ہوئی ہے جرأتِ عصیاں کئے ہوئے
پھر لے چلی ہے وحشِ دل شہرِ حُسن میں . جنسِ گرانِ عشق کو ارزاں کئے ہوئے

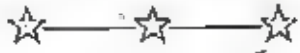
پھر جی یہ چاہتا ہے کہ بیٹھے رہیں جگر!

اُن کی نظر سے بھی انہیں پہاں کئے ہوئے



پلکوں کی اوٹ، حشر کا سماں کئے ہوئے
نظارہ و نظر کو پریشاں کئے ہوئے
ایماں کو کفر، کفر کو ایماں کئے ہوئے
یک قطرہ اشک زینتِ مرگاں کئے ہوئے

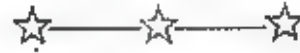
آئے ہیں پھر وہ عزمِ دل و جاں کئے ہوئے
پھر اٹھ رہی ہے عارضِ پُر نور سے نقاب
پھر شام و صبح، زلف و زرخ یار ہیں بہم
پھر حُسنِ منفعلِ متبسم ہے زیرِ لب



یہیں دوزخ نظر آئی، یہیں بخت دیکھی
ہر ادا پھر تو قیامت ہی قیامت دیکھی
یہ تری نیم نگاہی کی شرارت دیکھی
حُسن ہی حُسن، محبت ہی محبت دیکھی
بن گئی وہ بھی فسانہ، جو حقیقت دیکھی
وہ تجلی بھی سر پر وہ حیرت دیکھی

ہم نے دنیا ہی میں دُنیا ئے حقیقت دیکھی
عشق کے بھیس میں جب حُسن کی صورت دیکھی
منفرد رنج، نہ تنہا کوئی راحت دیکھی
جب تجھے دیکھ کے کونین کی وسعت دیکھی
غلہ شوق کی محرومیِ تقدیر نہ پوچھا!
حُسنِ بے نام نے رکھا تھا چھپا کر جس کو

اُس گہنگارِ محبت کو خدا ہی سمجھے!
جس نے اُس مدد بھری آنکھوں کی ندامت دیکھی



مجھ کو جگا دیا مرے دل کی پکار نے
چھوڑا ہے کس کو عشقِ دو عالم شکار نے
سب اپنی اپنی دُھن میں لگے کچھ پکار نے
مارا ہے مجھ کو خود مرے صبر و قرار نے
یہ کام تو کیا دل ناکردہ کار نے
وہ عشق ہی نہیں ہے، وہ دل ہی نہیں جگر
لبیک خود کہا نہ جسے حُسن یار نے

واعظ نے اور نہ زلیدِ شب زندہ دار نے
تُم کو غرورِ حُسن ہے، لیکن یہاں یہ فکر
تسکینِ رُوح جب نہ کسی طرح ہو سکی
تکلیف و پردہ داری تکلیف، الاماں!
طنزاً وہ دیکھتے ہیں مگر دیکھتے تو ہیں
وہ عشق ہی نہیں ہے، وہ دل ہی نہیں جگر
لبیک خود کہا نہ جسے حُسن یار نے



کچھ اس میں اُن کی توجہ بھی پائی جاتی ہے
حیاتِ زندہ حقیقت بنائی جاتی ہے
ضرور کوئی کمی ہے کہ پائی جاتی ہے
مگر یہ شرم جو چہرے پہ چھائی جاتی ہے
وہ زندگی جو زباں تک ہی پائی جاتی ہے

شبِ فراق ہے اور نیند آئی جاتی ہے
یہ عمرِ عشق یونہی کیا گنوائی جاتی ہے؟
بنا بنا کے جو دُنیا مٹائی جاتی ہے
ہمیں یہ عشق کی تہمت لگائی جاتی ہے
خدا کرے کہ حقیقت میں زندگی بن جائے

گنہگار کے دل سے نہ فقا کے چل زاہد
 نہ سوزِ عشق، نہ برقیہ جمال پر الزام
 یہیں کہیں تری جنت بھی پائی جاتی ہے
 دلوں میں آگ خوشی سے لگائی جاتی ہے
 کچھ ایسے اب بھی ہیں رنداں پاکباز جگر
 کہ جن کو بے مے و ساغر پلائی جاتی ہے

☆—☆—☆

نقابِ حسنِ دو عالم اٹھائی جاتی ہے
 قدمِ قدم مری بہت بڑھائی جاتی ہے
 وہ اک نظر جو بہ مشکل اٹھائی جاتی ہے
 سکوں ہے موت یہاں ذوقِ جستجو کیلئے
 خدا وہ دروِ محبت ہر ایک کو بخشے!
 وہ بے کدہ ہے تری انجمن، خدا رکھے!
 ترے حضور یہ کیا وارداتِ قلب ہے آج؟
 تجھے خبر ہو تو اتنی نہ فرصتِ غم دے
 وہ چیز، کہتے ہیں فردوسِ گمشدہ جس کو
 جھی کو میری تھکی دکھائی جاتی ہے
 نفسِ نفس تری آہٹ سی پائی جاتی ہے
 وہی نظرِ رگ و پے میں سمائی جاتی ہے
 یہ تشنگی وہ نہیں جو بھجائی جاتی ہے
 کہ جس میں رُوح کی تسکین بھی پائی جاتی ہے
 جہاں خیال سے پہلے پلائی جاتی ہے
 کہ جیسے چاند پہ بدلی سی چھائی جاتی ہے
 کہ تیری یاد بھی اکثر ستائی جاتی ہے
 کبھی کبھی تری آنکھوں میں پائی جاتی ہے

فریبِ منزلِ آخر ہے، الفراقِ جگر!

سفرِ تمام ہوا، نیندِ آئی جاتی ہے

☆—☆—☆

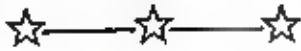
نہ اب مسکرانے کو جی چاہتا ہے
 ستاتے نہیں وہ تو اُن کی طرف سے
 کوئی مصلحت روک دیتی ہے، ورنہ
 تجھے بھول جانا تو ہے غیر ممکن
 تواضع کر اے عشق! چند آنسوؤں سے
 بہت دیر تک چھپ کے تیری نظر سے
 تری آنکھ کو بھی جو بے خواب کر دے
 حسیں تیری آنکھیں، حسیں تیرے آنسو
 نہ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے
 خود اپنے ستانے کو جی چاہتا ہے
 پلٹ دیں زمانے کو، جی چاہتا ہے
 مگر بھول جانے کو جی چاہتا ہے
 بہت مسکرانے کو جی چاہتا ہے
 تجھے دیکھ پانے کو جی چاہتا ہے
 وہ فتنہ جگانے کو جی چاہتا ہے
 یہیں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے

جگر اب تو وہ ہی یہ کہتے ہیں مجھ سے

ترے ناز اٹھانے کو جی چاہتا ہے

☆—☆—☆

جلوہ بہ قدر ظرف نظر دیکھتے رہے
اپنا ہی عکس پیش نظر دیکھتے رہے
کیا قہر تھا کہ پاس ہی دل کے لگی تھی آگ!
لاکھ آفتاب پاس سے ہو کر گذر گئے
اُن کی حریم ناز کہاں، اور ہم کہاں
ایسی بھی کچھ فراق کی راتیں گذر گئیں
ہیں دور بے دلی کی وہ مجبوریاں بھی یاد
ہر لحظہ شانِ حسن بدلتی رہی جگر
ہر آن ہم جہانِ دگر دیکھتے رہے



یہ مصرع کاش نقش ہر درو دیوار ہو جائے
وہی مے خوار ہے، جو اس طرح مے خوار ہو جائے
دل انسان اگر شاکستہ اسرار ہو جائے
ہر اک بے کاری، سستی بہ روئے کار ہو جائے
سنا ہے حشر میں ہر آنکھ اُسے بے پردہ دیکھے گی
حریم ناز میں اس کی رسائی ہو، تو کیوں کر ہو؟
معاذ اللہ، اس کی وارداتِ غم، معاذ اللہ!
یہی ہے زندگی، تو زندگی سے خودکشی اچھی
اک ایسی شان پیدا کر کہ باطل تھر تھرا اٹھے
یہ روز و شب، یہ صبح و شام، یہ بستی، یہ دیرانہ



محبت صلح بھی، پیکار بھی ہے
طبیعت اس طرف خود دار بھی ہے
ادائے عشق ادائے یار بھی ہے
یہ فتنے، جن سے اک دنیا ہے نالاں
یہ شاخ گل بھی ہے، تلوار بھی ہے
اُدھر نازک مزاج یار بھی ہے
بہت سادہ، بہت ہنر کار بھی ہے
انہی سے گریزاں بازار بھی ہے

جنوں کے دم سے ہے نظمِ دو عالم
نفس پر ہے مدارِ زندگانی
اسی انسان میں سب کچھ ہے پنہاں
وہ یوئے گل کہ ہے جانِ چمن بھی
یہی دُنیا ہے بستی آنسوؤں کی!!
جہاں وہ ہیں، وہیں میرا تصور
خبردار! اے سبک سارانِ ساحل
غنیمت ہے کہ اس دورِ ہوں میں
جو کوئی سن سکے تو نکہتِ گل
ان آنکھوں کی زہے معجز بیانی
بہم انکار بھی، اقرار بھی ہے

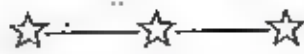


نہ تابِ مستی، نہ ہوشِ ہستی، کہ شکرِ نعمت ادا کریں گے
خزان میں جب ہے یہ اپنا عالم، بہار آئی تو کیا کریں گے؟
ہر ایک غم کو فروغ دے کر یہاں تک آراستہ کریں گے
وہی جو رہتے ہیں دُور ہم سے خود اپنی آغوشِ داکریں گے
جدھر سے گذریں گے سرفروشانہ کارنامے سنا کریں گے
وہ اپنے دل کو ہزار روکیں، مری محبت کو کیا کریں گے؟
نہ شکرِ غم زیر لب کریں گے، نہ شکوہ بر ملا کریں گے
جو ہم پہ گذرے گی، دل ہی دل میں کہا کریں گے، سنا کریں گے
ترے تصور سے حاصل اتنا کمال کسبِ ضیا کریں گے
جہاں کچھ آنسو ٹپک پڑیں گے، ستارے سجدے کیا کریں گے
یہ ظاہری جلوہ ہائے رنگیں فریب کب تک دیا کریں گے؟
نظر کی جو کر سکے نہ تسکین، وہ دل کی تسکین کیا کریں گے؟
وہاں بھی آہیں بھرا کریں گے، وہاں بھی نالے کیا کریں گے
جنہیں ہے تجھ سے ہی صرف نسبت، وہ تیری دُخت کو کیا کریں گے؟
نہیں ہے جن کو مجالِ ہستی، سوائے اس کے وہ کیا کریں گے

کہ جس زمیں کے ہیں بسنے والے اُسے بھی رسوا کیا کریں گے؟
یہاں نہ دُنیا نہ فکرِ دُنیا، یہاں نہ عقلمندی نہ فکرِ عقلمندی
جنہیں سر مانسوا بھی ہو گا، وہی غم مانسوا کریں گے
ہم اپنی کیوں طرز فکر چھوڑیں، ہم اپنی کیوں وضعِ خاص بدلیں
کہ انقلاباتِ نو بہ نو تو ہوا کئے ہیں، ہوا کریں گے
یہ سخت تر عشق کے مراحل، یہ ہر قدم پر ہزار احساں
جو بچ رہے تو جنوں کے حق میں، جس کے جب تک دُعا کریں گے
یہ خام کارانِ عشق سوچیں، یہ شکوہ سخاںِ حسن سمجھیں
کہ زندگی خود حسیں نہ ہو گی تو پھر توجہ وہ کیا کریں گے؟
خود اپنے ہی سوزِ باطنی سے نکال اک شمعِ غیر فانی!
چراغِ دیر و حرم تو اے دل، جلا کریں گے، بجھا کریں گے



کس کا خیال، کون سی منزل نظر میں ہے
چہرے پہ برہمی ہے، تبسمِ نظر میں ہے
اب کیا کمی تباہیِ قلب و جگر میں ہے
کیا میرے ساتھ خود مری منزل سفر میں ہے
اک روشنی سی آج ہر اک دشت و در میں ہے
تسلیمِ حُسنِ دوست کی معصومیاں، مگر
شامل تو کوئی فتنہ شام و سحر میں ہے
اک لرزشِ خفی جو مرے بال و پر میں ہے
نازک سا اعتراف بھی آج اُس نظر میں ہے
دیکھا تو ہر مقام تری رہ گذر میں ہے
یا رب! وفائے عذریہ محبت کی خیر ہو
سجھے تھے دُورِ شجر سے نکل جائیں گے کہیں
کارگیرانِ شعر سے پوچھے کوئی جگر
سب کچھ تو ہے، مگر یہ کمی کیوں اثر میں ہے



زندگی ہے، مگر پرانی ہے
جب مسرتِ قریب آئی ہے
مرگِ غیرت! تری دُہائی ہے
غم نے کیا کیا ہنسی اُڑائی ہے
عشق کی جان پر بن آئی ہے
حُسنِ کافر! تری دُہائی ہے
سایہ گل میں نیند آئی ہے
ہائے وہ سبزہ چمن کہ جسے
عشق کو زعمِ پارسائی ہے
ہائے وہ سبزہ چمن کہ جسے

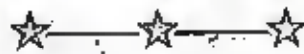
عشق ہے اُس مقام پر کہ جہاں زندگی نے شکست کھائی ہے
 خاکِ منزل کو منہ سے ملتا ہوں یادگارِ شکستہ پائی ہے
 اُس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا کیا اسیری ہے، کیا رہائی ہے
 ہجر سے شاد، وصل سے ناشاد
 کیا طبیعت جگر نے پائی ہے



اگر جمالِ حقیقت سے ربط محکم ہے
 نہیں مقابلہ کوئی، مگر یہ کیا کم ہے
 الہی خیر! یہ کیا شام ہی سے عالم ہے
 نہ کوئی خلد، نہ زاہد! کوئی جہنم ہے
 ہر ایک قطرے میں دریائے معرفت ہے رواں
 ابھی کمال کو پہنچی نہیں ہے فطرتِ عشق
 جنوں بھی ساتھ نہ دے اب، تو کچھ نہیں پروا
 جو گوشِ دل سُخوا ہو، تو بزمِ ہستی میں
 خزاں کا رنج کرے عشق میں بلا میری
 حسین و سادہ ہے کن درجہ فطرتِ شاعر
 نفسِ نفس میں نئی زندگی کا عالم ہے
 خود آفتابِ درخشاں حریفِ شبنم ہے
 کہ جیسے آج ستاروں میں روشنی کم ہے؟
 خود اپنی اپنی نظر، اپنا اپنا عالم ہے
 مگر نصیب ہو کیونکر کہ پیاس ہی کم ہے
 کہ آدمی کو ہوز انتظارِ آدم ہے
 خوشا کہ تیری نگاہوں سے ربط محکم ہے!
 سکوتِ ساز بھی اک نغمہٴ مجسم ہے
 نہیں بہار، تو یادِ بہار کیا کم ہے؟
 ہنسنے تو غنچہٴ و گل، رو پڑے تو شبنم ہے

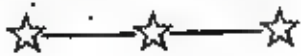
خوشی میں بھول نہ جانا جگر یہ رازِ حیات

کہ جو خوشی ہے یہاں، اک امانتِ عم ہے



حُسن و صورت کے، نہ حسرت کے، نہ ارمانوں کے
 اُف! کہ انسان ہیں مارے ہوئے انسانوں کے!
 کیا مقامات ہیں ان سوختہ سامانوں کے
 خضر خود بڑھ کے قدم لیتے ہیں دیوانوں کے!
 انہیں ذرات میں خاموش ہے دیوانوں سے
 دل دھڑکتے نظر آئے مجھے انسانوں سے
 جلوۂ دوست، یہ آہستہ خرابی تاچند؟
 ندیاں سوکھ چلیں شوق میں طوفانوں کے

موج ہے، رنگِ شوق، لالہ و گل، مطلعِ صبح
چند عنوان ہیں مرے شوق کے افسانوں کے
اسی کشتی کو نہیں تابِ تلاطم، صد حیف!
جس نے منہ پھیر دیئے تھے کبھی طوفانوں کے
حسن کی جلوہ گری سے ہے محبت کا جوں
شبحِ روشن ہوئی، پر لگ گئے پروانوں کے
مرحبا! جذبہ بے باک جوانانِ وطن!!
تیغِ چم خم ہے، مگر ہاتھ میں نادانوں کے
ناز ہے شہدِ فطرت کو بھی جن پر، ہمد!
وہ چمن سب ہیں لگائے ہوئے دیوانوں کے
میں نے دیکھا ہے اسے روپ میں فطرت کے جگر
میں نے پایا ہے اسے بھیں میں انسانوں کے

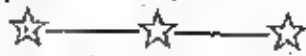


دل ہے ہوائے منزلِ جاناں لئے ہوئے
لیکن حجابِ دیدہ حیراں لئے ہوئے
ہر قطرہ خون ہے شمعِ فردزاں لئے ہوئے
اک طرزِ التفاتِ گریزاں لئے ہوئے
نشر لئے ہوئے ہے، نہ پیریاں لئے ہوئے
آنکھیں ہیں یوں ندابتِ غصیاں لئے ہوئے
کشتی جو غرق ہو گئی طوفان لئے ہوئے
پھرتا ہوں ایک جہتِ ویراں لئے ہوئے
لیکن کسی کا گوشہ داماں لئے ہوئے
دل میں اذائے حسنِ گریزاں لئے ہوئے
رگِ رگ میں ایک برقِ خراماں لئے ہوئے
دل ہے تجلیات کا طوفان لئے ہوئے
ناصح! گدازِ عشق کی معراج دیکھنا
وہ سامنے تو آئے مگر اس ادا کے ساتھ
دل کو ہے کیوں گلہ کہ بظاہر تو وہ نگاہ
کانٹوں میں جیسے بھول جہنم میں جیسے خلد
اہلِ سلامتی کی طرف سے اُسے سلام
دل میں کہاں امید و تمنا کا وہ ہجوم؟
ہونا تھا چاک چاک گریباں کو، اے جنوں!
ہر مرحلہ سے عشق گذرتا چلا گیا
بھولوں کو ناز حسن اگر ہے تو ہو جگر
کانٹے بھی ہیں غرورِ گلستاں لئے ہوئے



آنکھیں ہیں رنگ و بوئے گل تر لئے ہوئے
لیکن غم حیات مکرر لئے ہوئے
خود زندگی ہے بادہ و ساغر لئے ہوئے
دل بھی ہے اک لطیف سا شتر لئے ہوئے
کوئین اپنے سینے کے اندر لئے ہوئے
ہنسنا پڑا ہے قلبِ مکرر لئے ہوئے
یارب! کہاں میں جاؤں یہ نشتر لئے ہوئے؟
لیکن ہوں ایک بوجھ سادل پر لئے ہوئے
بیٹھا ہوں ترے غم کے برابر لئے ہوئے
رہ رہ گئے ہیں ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے

آنکھیں ابھی کچھ اور بھی ہیں منتظر جگر
چھپرا کی قتل گاہ کا منظر لئے ہوئے



سب سے پہلے دل شاعر پہ عیاں ہوتا ہے
نہیں معلوم، یہ انساں کہاں ہوتا ہے
ذرہ ذرہ مری جانب نگراں ہوتا ہے
اُسی دیوانے کے قدموں پہ جہاں ہوتا ہے
مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے
کوئی دیکھے تو یہ ہنگامہ کہاں ہوتا ہے
تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے
ذہن مفلس ہو تو ہر سود زیاں ہوتا ہے
موت کے نام سے جس کو خفقاں ہوتا ہے
ختم ہر مرحلہ سود و زیاں ہوتا ہے
ہر نفس سانچہ مرگِ جواں ہوتا ہے

ناز جس خاکِ وطن پر تھا مجھے آہ! جگر
اسی جنت پہ جہنم کا گماں ہوتا ہے



کس کا خیال ہے دلی منظر لئے ہوئے
آئی ہے موت جن کا منظر لئے ہوئے
ہر لحظہ اک سرورِ منظر لئے ہوئے
ہشیار، اے نگاہِ ستم آشنائے دوست!
کوئین کی ہوس میں ہے انساں ذلیل و خوار
دنیا بھی کیا مقام ہے، جس میں کہ بارہا
شرم گنہ سے بڑھ کے ہے غفو گنہ کی شرم
عصیاں کا بارہٹ تو گیا سر سے، اے کریم!
اللہ رے بے بسی کہ غمِ روزگار بھی
اُف رنے تجھکی زرخِ ساتی، کہ بادہ کش

راز جو سینہ فطرت میں نہاں ہوتا ہے
سخت خونریز جب آشوبِ جہاں ہوتا ہے
جب کوئی حادثہ کون و مکاں ہوتا ہے
جو نظر کردہ صاحبِ نظراں ہوتا ہے
جب کوئی عشق میں بربادِ جہاں ہوتا ہے
متزلزل ہے ادب گاہِ محبت کی زمیں
کہیں ایسا تو نہیں، وہ بھی ہو کوئی آزار
دل غنی ہو تو ہر اک رنج بھی دل کی راحت
امتحان گاہِ محبت میں نہ رکھے وہ قدم
یہی وہ منزلِ دشوار ہے، جس منزل میں
ہر قدم معرکہ کرب و بلا ہے درپیش

اہل دل کے لئے سرمایہ جاں ہوتا ہے
 آف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے
 کبھی ہر علم و یقین، وہم و گماں ہوتا ہے
 دل سا ہمدرد زمانے میں کہاں ہوتا ہے؟
 دل پہ احساسِ محبت بھی گراں ہوتا ہے
 دل میں رکتا ہے نہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے
 حسن خود منظرِ عشق جواں ہوتا ہے
 عقل بڑھتی ہے، مگر دل کا زیاں ہوتا ہے
 ختم جب معرکہ لفظ و بیاں ہوتا ہے
 ہر تبسم پہ جراحت کا گماں ہوتا ہے
 اکثر اس طرح سے بھی رقصِ فغاں ہوتا ہے

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے، جہاں ہوتا ہے
 ہائے وہ وقت کہ جب حسن پہ آتا ہے شباب
 کبھی اک زندہ حقیقت نظر آتا ہے جہاں
 دل کو بیدرد محبت میں بتانے والے
 وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب
 ہائے وہ سلسلہ اشک کو جو تیرے حضور
 عزمِ پیماک اگر ہو تو کہاں کی دوری؟
 شرح و تفصیل سے بے گانہ گذر جا، اے دوست!
 روح بن جاتی ہے خود نعمت بے ساز و صدا
 وسعتِ فکر و نظر بھی نہ مجھے ماس آئی!
 ساز و مطرب کے کرشموں پہ نہ جانا کہ یہاں

انقلابات سے کیا خوف کہ ہر عزم جگر
 اسی آغوش میں پلتا ہے، جواں ہوتا ہے

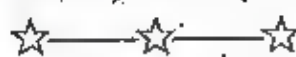


مگر اک آن جو پہلے تھی کہاں ہے ساقی
 لا تو، وہ فتنہ بیدار کہاں ہے ساقی؟
 دل کو آرام وہاں تھانہ یہاں ہے ساقی
 آدمی ہوں، مرے منہ میں بھی زباں ہے ساقی
 دیر سے آج خدا جانے کہاں ہے ساقی!

آج بھی یوں تو ہر اک رند جواں ہے ساقی
 زندگی سلسلہ خواب گراں ہے ساقی
 حرم و دیر کا چھٹنا تو گوارا، لیکن
 طنز و تعریض کی آخر کوئی حد ہوتی ہے!
 اپنے منصب کا نہ احساس، نہ رندوں کی خبر

زیست ہے یا تری نظروں کے اشاراتِ لطیف

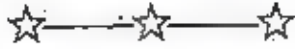
موجِ صہبا ہے کہ فردوسِ رواں ہے ساقی!



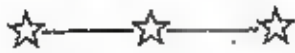
گوشہ امن بلا خانہ زنجیر میں ہے
 خاک مصروف ابھی خاک کی تعمیر میں ہے
 ربطِ محکم اسی بے ربطی تحریر میں ہے
 مجھ کو معلوم ہے، جو کچھ مری تقدیر میں ہے
 کوئی تو وجہِ ششِ نالہ زنجیر میں ہے
 پاؤں زنجیر سے باہر ہے نہ زنجیر میں ہے

ہر و خلقہ جو تری کا کل شب گیر میں ہے
 شہدِ روح کہاں، جلوہ گہ ناز کہاں
 کون سمجھائے یہ قاصد کو دم زحمت شوق
 اپنے سر آپ نہ لیں دل شکنی کا الزام!
 خود گچھے آتے ہیں زنداں کی طرف دیوانے
 دیکھنا جبرِ مشیت کہ بقیدِ زنداں!

چھپ کے پہروں اُسے لب دیکھنے والے، یہ بتا
مجھ میں کیا بات نہیں، جو مری تصویر میں ہے؟

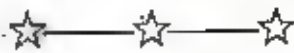


شرما گئے، لجا گئے، دامن چھڑا گئے
دل پر ہزار طرح کے ادھام چھا گئے
سب کچھ لٹا کے راہِ محبت میں اہلِ دل
صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
عقل و جنوں میں سب کی نہیں راہیں جدِ جدا
اب کیا کروں میں فطرتِ ناکامِ عشق کو
جتنے تھے حادثات، مجھے راس آ گئے



یوں تو ہونے کو گلستاں بھی ہے، ویرانہ بھی ہے
بات سادہ ہی سہی، لیکن حکیمانہ بھی ہے
ہوشیار، اوست صہبائے تغافل، ہوشیار!
ہوش میں رہتا، تو کیا جانے کہاں رکھتا قدم
کس جگہ واقع ہوا ہے حضرتِ واعظ کا گھر!
مِلتا جلتا ہے مزاجِ حسن ہی سے رنگِ عشق
زندگانی ناگجا صرفِ مئے جام و سبو؟
خیر ہے زاہد، یہ کیسا انقلاب آیا کہ آج
حاصل ہر جستجو آخر یہی نکلا جگر

دیکھنا یہ ہے کہ ہم میں کوئی دیوانہ بھی ہے
یعنی ہر انسان بقدرِ ہوش دیوانہ بھی ہے
عشق کی فطرت میں اک شانِ حریفانہ بھی ہے
یہ غنیمت ہے، مزاجاً عشقِ دیوانہ بھی ہے
دور مسجد بھی نہیں، نزدیک میخانہ بھی ہے
شمع گر بے باک ہے، گنتاخ پروانہ بھی ہے
بے خبر، مے خانہ میں اک اور مے خانہ بھی ہے
تیرے ہر انداز میں اک کیفِ زندانہ بھی ہے؟
عشق خود منزل بھی ہے منزل سے بے گانہ بھی ہے



ہر حجبی ہمیں نظر آئی
دل نے لغزش جہاں کوئی کھائی
یوں تو وہ شکوہ سنجِ رسوائی
زندگی تو ہمیں کہاں لائی؟
مجھ کو شکوہ ہے اپنی آنکھوں سے
نیچی نظروں سے دیکھنے والے

اُف رے تیری حجابِ آرائی!
ایک آواز کان میں آئی
اور در پردہ ہمت افزائی
اک محبت، ہزار رسوائی
تم نہ آئے تو نیند کیوں آئی؟
دیکھنا زخمِ دل کی گہرائی

عشق کی بد حواسیاں تو بڑا
عشق میں عشق کی بلا جانے
بار ہا خود مجھے ہنسی آئی
نا پذیرائی و پذیرائی
جیسے برسوں کی ہو شناسائی
وہ کلی ہی نہ تھی جو مڑجھائی
کار گاہ حیات میں، اے دوست!
یہ حقیقت نظر آئی
ہر اُجالے میں تیرگی دیکھی
ہر اندھیرے میں روشنی پائی
اب یہ محسوس ہو چلا ہے جگر
موت ہے، زندگی کی تنہائی



خود وہ اُٹھے ہیں جام لے لئے
اُن کی بلا سے، اُن کے لئے
اب وہ کافر ہے جو نہ پئے
کوئی مرے یا کوئی جئے
ہم بھی گرے سو بار، مگر
اُن کو بھی اپنے ساتھ لے



جان کر من جملہ خاصان نے خانہ مجھے
تنگ بے خانہ تھا میں ساتی نے یہ کیا کر دیا؟
مدتوں روپا کریں گے جام د پیمانہ مجھے
پینے والے کہہ اُٹھے ”یا پیر سے خانہ“ مجھے
سبزہ و گل، موج دریا، انجم و خورشید و ماہ
اک تعلق سب سے ہے، لیکن رقیبانہ مجھے
زندگی میں آ گیا جب کوئی وقت امتحان
اُس نے دیکھا ہے جگر بے اختیارانہ مجھے



آپڑا کچھ وقت ایسا گردشِ لیام سے
جب کبھی بچ کر چلا ہوں جلوہ گاہِ عام سے
زندگی شرما رہی ہے زندگی کے نام سے
چھ گئے ہیں خود مری فکر و نظر کے دام سے
کچھ اُنہیں بھی ربط میری حسرتِ ناکام سے
اور کچھ میں بھی گریزاں التفاتِ عام سے
ہو گیا ہے درہم و برہم نظام سے کدہ
جب کبھی توبہ مری نکلا گئی ہے جام سے
اُن کی محفل کا تو کیا کہنا، مگر اے ہم نشیں!
رنگِ محفل کہہ رہا ہے، دل میں ہے آرام سے

آج کل سے خانہ میں تقسیم ہوتے ہیں جگر
زہر کے ساغر، شرابِ زندگی کے نام سے



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



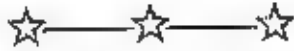
Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

جہل خرد نے دن یہ دکھائے
ہائے وہ کیوں کر دل بہلائے
ضد پر عشق اگر آ جائے
دل پہ کچھ ایسا وقت پڑا ہے
کیسا مجاز اور کیسی حقیقت؟
جھوٹی ہے ہر ایک مسرت
کار زمانہ جتنا جتنا
ضبط محبت، شرط محبت
حسن وہی ہے حسن، جو ظالم
نغمہ وہی ہے نغمہ، کہ جس کو
راہ جنوں آسان ہوئی ہے
زلف و مژہ کے سائے سائے



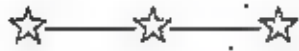
صحن کعبہ نہ سہی، کوئے صنم خانہ سہی
زندگی تلخ حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں
آپ سے جس کو ہونست، وہ جوں کیا کم ہے
اپنی شوریدہ مزاجی کو کہاں لے جاؤں؟
زندگی فرش قدم بن کے بچھی جاتی ہے
یہ ہوائیں، یہ گھٹائیں، یہ فضا میں، یہ بہار
حسن خود پردہ کشائے رُخ مقصود تو ہے
کون ایسا ہے یہاں، عشق ہے جس کا بے لاگ؟
زندگی آج بھی دل کش ہے انہیں کے دم سے
تشنہ لب ہاتھ پہ کیوں ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں؟
میں نہ زاہد سے ہوں شرمندہ، نہ صوفی سے جگر



یہ راز ہم پر ہوا نہ افشا، کسی کی خاص اک نظر سے پہلے
کہ تھی ہماری ہی کم نگاہی، ہمیں تھے کچھ بے خبر سے پہلے

یہ زندگی، خاک زندگی تھی، گداز قلب و جگر سے پہلے!
ہر ایک شے غیر معتبر تھی، ترے غم معتبر سے پہلے
تجھے ہو سیر چمن مبارک! مگر یہ راز چمن بھی سن لے
کلی نکلی خون ہو چکی تھی، شکفت گل ہائے ترے پہلے
کہاں کہاں اڑ کے پہنچے شعلے، یہ ہوش کس کو، یہ کون جانے؟
ہمیں بس اتنا ہے یاد اب تک، لگی تھی آگ اپنے گھر سے پہلے
فقس کی نازکی تیلیوں کی بھی کچھ حقیقت ہے، ہم صفر و!
مگر الجھنا پڑے گا شاید، خود اپنے ہی نال و پر سے پہلے
کہاں یہ شورش، کہاں یہ مستی، کہاں یہ رنگینیوں کا عالم!
زمانہ خواب و خیال سا تھا ترے فسوں نظر سے پہلے
خوشا یہ بیماری محبت، زہے یہ خود داری طبیعت!!
وہی ہیں مصروف دل نوازی، وہی جو تھے بے خبر سے پہلے
زمانہ مانے نہ مانے، لیکن ہمیں یہی ہے یقین کامل
جہاں اٹھا کوئی تازہ فتنہ، اٹھا تری رہگذر سے پہلے
اگرچہ ذوقِ نظارہ میں بھی ہزار سر مستیاں بھری تھیں!
مگر یہ بے باکیاں کہاں تھیں، ترے حجابِ نظر سے پہلے؟
اٹھا جو چہرے سے پردہ شب، سٹ کے مرکز پہ آگے سب
تمام جلوے جو منتشر تھے طلوعِ حسنِ بشر سے پہلے
مری طبیعت کو حسنِ فطرت سے ربطِ باطن نہ جانے کیا ہے!
مری نگاہیں کبھی نہ اٹھیں طہارتِ چشم ترے پہلے
وہ یادِ آغازِ عشق اب تک ایسے جان و دل تزیں ہے
وہ اک جھجک سی، وہ اک جھپک سی، ہر التفاتِ نظر سے پہلے
ہمیں تھے کیا جستجو کا حاصل، ہمیں تھے کیا آپ اپنی منزل؟
وہیں پہ آ کر ٹھہر گیا دل، چلے تھے جس رہگذر سے پہلے
بس ایک دل اور کیف و لذت، بس ایک ہم اور جمالِ فطرت
یہ زندگی کس قدر حسین تھی، شعور فکر و نظر سے پہلے!
ہمارے شوقِ جوں ادا کی، ستم ظریفی تو کوئی دیکھے!

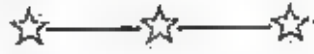
کہ نامہ بر کو روانہ کر کے پہنچ گئے نامہ بر سے پہلے
کہاں تھی یہ روح میں لطافت، کہاں تھی کونین میں یہ وسعت؟
حیات ہی جیسے سو رہی تھی، کسی کی پہلی نظر سے پہلے
یہ نالہ کیوں ہے؟ یہ نغمہ کیوں ہے؟ یہ آہ کیسی؟ یہ داہ کیسی؟
یہ پوچھ لے آئینے کے دل سے نہ پوچھ اپنے جگر سے پہلے!



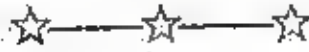
اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے
جو تیرے عارض و گیسو کے درمیاں گزرے
مجھے یہ وہم رہا مدتوں کہ جرأتِ شوق
ہر اک مقامِ محبت بہت ہی دل کش تھا
جنوں کے سخت مراعل بھی تیری یاد کے ساتھ
مری نظر سے تری جستجو کے صدقے میں
ہجومِ جلوہ میں پروازِ شوق، کیا کہنا!
خطا معاف، زمانے سے بدگماں ہو کر
مجھے تھا شکوہ ہجران، کہ یہ ہوا محسوس
رہ وفا میں اک ایسا مقام بھی آیا
خلوص جس میں ہوشمال، وہ دورِ عشق و ہوس
اسی کو کہتے ہیں جنت، اسی کو دوزخ۔ بھی
بہت حسین مناظر بھی حسنِ فطرت کے
وہ جن کے سائے سے بھی بجلیاں لرزتی تھیں
مرا تو فرضِ چمن بند کی جہاں ہے فقط
کہاں کا حسن، کہ خود عشق کو خبر نہ ہوئی
بھری بہار میں تارا جی چمن مت پوچھ
کوئی نہ دیکھ سکا جن کو، وہ دلوں کے سوا
کبھی کبھی تو اسی ایک مشمت خاک کے گرد
بہت حسین سہی صحبتیں گلوں کی، مگر
ابھی سے تجھ کو بہت ناگوار ہیں، ہدم!

تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی، کہاں گزرے؟
کبھی کبھی وہی لمحے بلائے جاں گزرے
کہیں نہ خاطرِ معصوم پر گراں گزرے
مگر ہم اہل محبت کشاں کشاں گزرے
حسین حسین نظر آئے، جواں جواں گزرے
یہ اک جہاں ہی نہیں، سینکڑوں جہاں گزرے
کہ جیسے روح ستاروں کے درمیاں گزرے
تری وفا پہ بھی کیا کیا ہمیں گماں گزرے!
مرے قریب سے ہو کر وہ ناگماں گزرے
کہ ہم خود اپنی طرف سے بھی بدگماں گزرے
نہ رائیگاں کبھی گذرا، نہ رائیگاں گزرے
وہ زندگی جو حسینوں کے درمیاں گزرے
نہ جانے آج طبیعت پہ کیوں گراں گزرے!
مری نظر سے کچھ ایسے بھی آشناں گزرے
مری بلا سے بہار آئے یا خزاں گزرے
رہ طلب میں کچھ ایسے بھی امتحاں گزرے
خدا کرے، نہ پھر آنکھوں سے وہ سماں گزرے!
معاملات کچھ ایسے بھی درمیاں گزرے
طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گزرے
وہ زندگی ہے جو کانٹوں کے درمیاں گزرے
وہ حادثات جو اب تک رواں دواں گزرے

جنہیں کہ دیدہ شاعر ہی دیکھ سکتا ہے وہ انقلاب ترے سامنے کہاں گزرے
بہت عزیز ہے مجھ کو انہیں کی یاد جگر
وہ حادثاتِ محبت جو ناگہاں گزرے

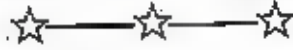


آری، آری سے ملتا ہے دل مگر کم کسی سے ملتا ہے
بھول جاتا ہوں میں ستم اُس کے وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے
آج کیا بات ہے کے پھولوں کا رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے
سلسلہ فتنہ قیامت کا تیری خوش قامتی سے ملتا ہے
مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے
کاروبار جہاں سنورتے ہیں ہوش جب بیخودی سے ملتا ہے
روح کو بھی مزا محبت کا!
دل کی ہمسائیگی سے ملتا ہے

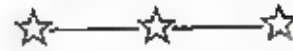


افشاں

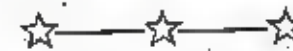
لطیف طبع کو لازم ہے سوزِ غم بھی لطیف چمن میں آتشِ گل کا کبھی دھواں نہ رہا



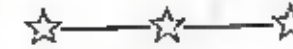
ہم نا مرادِ شوق بنے بھی تو کیا جنے! آنا تھا مفت یہ بھی اک الزام، آ گیا
کیا کیا نگاہِ دوست ہوئی مجھ سے بدگماں! دم بھر کے واسطے بھی جو آرام آ گیا



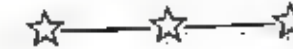
کیا کرے گا وہ کسی اور کا شیدا ہو کر جس نے اپنے کو نہ سمجھا کبھی اپنا ہو کر
طعن کیا کیا نہ فرشتوں نے کئے تھے جس پر عرشِ پیا ہے وہی، خاک کا پتلا ہو کر
ہے جو ملنا ہی مقدر، تو برابر سے ملے قطرہ دریا میں سمائے بھی تو دریا ہو کر



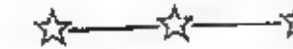
چھینتا ہے کہیں بانی بیدار کا عالم! ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ فریاد کا عالم
دیکھ اے نگہِ شوق، یہیں تک نہ ٹھہرنا اک اور تجھی ہے حسنِ خدا داد کا عالم



بچنے گی سوزِ غم سے رُوح کی پیاس اسی شعلہ کو بن جانا ہے شبنم



ان کی جفا پہ ترکِ وفا کر رہا ہوں میں سبائے کو زندگی سے جدا کر رہا ہوں میں
میری ادائے شکرِ حضوری تو دیکھنا! صد شکوہِ فراق نما کر رہا ہوں میں



اللہ اللہ، آج حسنِ دوست کی غمازیاں! عشق ہی کو صرف اپنا رازداں سمجھا تھا میں



ارے غضب، ارے ستم، وہ اک نگاہِ حریفن جھکے اگر تو بہت کدہ، اٹھے اگر تو بہت شکن



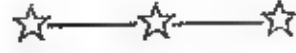
دیکھا ہے عشق ہی میں یہ عالم بھی بار بار جس کا معاملہ ہو، اسی کو خبر نہ ہو



جگر ان حوادث سے گھبرا نہ جانا یہی تو ہے دلچسپیوں کا زمانہ



محبت رہ گئی، بن کر مکمل زندگی اپنی
زمانہ تھا کبھی اپنا، یہ دنیا تھی کبھی اپنی
مبارک بخودی اپنی، سلامت باخودی اپنی
مگر اب تو نہ شامِ غم، نہ صبحِ زندگی اپنی
حقیقت نے حقیقت جان لی، بیجان لی اپنی
نگاہیں چار ہوتے ہی ظلم ظاہری ٹوٹا



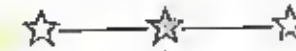
وہ کیا گئے بہارِ گلستاں لئے ہوئے
دل بھی وہی ہے، غم بھی وہی، پھر یہ کیا آج
ہر بھول ہے جراثیم پنہاں لئے ہوئے
ہر اشک ہے تبسم پنہاں لئے ہوئے؟



بہ شکلِ ناخدا جس میں ہیں اب تک جعفر و صادق
وہ کشتی غرق ہو جائے تو بیزا پار ہو جائے



تو ہلاکِ ہوش و تمکین، میں شبیدِ کیف و مستی
تری زندگی بھی مستی، مری زندگی بھی مستی



ڈمگانے لگے ہیں پائے طلبِ دل ابھی ابتدائے راہ میں ہے
میرے پندارِ عشق پر مت جا یہ ادائے نازِ گاہ گاہ میں ہے



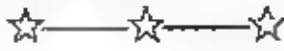
تجدیدِ ملاقات

مدت میں وہ پھر تازہ ملاقات کا عالم
نغموں میں سمویا ہوا وہ رات کا عالم
اللہ رے، وہ شدتِ جذبات کا عالم!
چھایا ہوا وہ نشہِ صہبائے محبت
وہ سادگیِ حسن، وہ محبوبِ نگاہی
نظروں سے وہ معصومِ محبت کی تراوش
عارض سے ڈھلکتے ہوئے شبنم کے دو قطرے
بے شرطِ تکلف و پذیرائیِ الفت

خاموش اداؤں میں وہ جدیات کا عالم
وہ عطر میں ڈوبے ہوئے لمحات کا عالم
کچھ کہہ کے وہ بھولی ہوئی ہر بات کا عالم
جس طرح کسی رندِ خرابات کا عالم
وہ محشرِ صد شکر و شکایات کا عالم
چہرے پہ وہ مشکوک خیالات کا عالم
آنکھوں سے جھلکتا ہوا برسات کا عالم
بے قیدِ تصنع وہ مدارات کا عالم

ایک ایک نظر شعر و شباب و سے و نغمہ
 وہ نظروں ہی نظروں میں سوالات کی دنیا
 نازک سے ترنم میں اشارات کے دفتر
 پاکیزگی عصمت و جذبات کی دنیا
 برہم وہ نظام دل و دنیائے تمنا
 وہ عشق کی بربادی زندہ کا مرقع
 وہ عارض پر نور، وہ کیف نگہ شوق!
 وہ جرأت بے باک، وہ شوخی، وہ شرارت
 تھک جانے کے انداز میں وہ دعوتِ جرأت
 شرمائی لجائی ہوئی وہ حُسن کی دنیا
 دو پھڑے دلوں کی وہ بہم صلح و صفائی
 وہ عرش سے تافرش برستے ہوئے انوار
 تا صبح وہ تصدیقِ محبت کے نظارے

عالم مری نظروں میں جگر اور ہی کچھ ہے
 عالم ہے اگرچہ وہی دن رات کا عالم



یاد

آئی جب اُن کی یاد تو آتی چلی گئی!
 ہر منظرِ جمال دکھاتی چلی گئی
 ہر واقعہ قریب تر آتا چلا گیا
 ویرانہ حیات کے ایک ایک گوشہ میں
 دل مٹھنک رہا تھا آتشِ ضبطِ فراق سے
 بے حرف و بے حکایت و بے ساز و بے صدا
 جتنا ہی کچھ سکون سا آتا چلا گیا
 کیفیتوں کو ہوش سا آتا چلا گیا

ہر نقشِ ما سوا کو مٹاتی چلی گئی
 جیسے انہیں کو سامنے لاتی چلی گئی
 ہر شے حسین تر نظر آتی چلی گئی
 جو گن کوئی ستار بجاتی چلی گئی
 دیکھ کو میہار بناتی چلی گئی
 رگ رگ میں نغمہ بن کے ساتی چلی گئی
 اتنا ہی بے قرار بناتی چلی گئی
 بے کیفیوں کو نیند سی آتی چلی گئی

کیا کیا نہ یار سے شکوے تھے عشق کو
تفریقِ حُسن و عشق کا جھگڑا نہیں رہا
کیا کیا نہ شرمسار بناتی چلی گئی
میں تشنہ کامِ شوق تھا، پیتا چلا گیا
اُڑتی گئی، مجھے بھی اُڑاتی چلی گئی
اک حُسن بے جہت کی فضاے بسیط میں
پھر میں ہوں اور عشق کی بے تائیاں جگر
اچھا ہوا، وہ نیند کی ماتی چلی گئی



سراپا

وہ حُسنِ کافر، اللہ اکبر!
وہ قدِ رعنا، وہ رُوئے رنگیں
گیسو و عارض، شانہ بشانہ
شرماکے جن سے سادوں کی راتیں
میںا بدوشے، ساغر بہ چشمے
وہ مست نظریں جب اٹھ گئی ہیں
گفتارِ شیریں، رفتارِ نازک
کشورِ کشائے دلہائے خوباں
شہکارِ فطرت، اعجازِ قدرت
گفتارِ مبہم، اجمالِ ہستی
وہ بزمِ خلوت، وہ طرفِ گلشن
وہ حُسنِ رقصاں، وہ جسمِ لرزاں
جانِ توجہ، روحِ تغافل
وہ امتزاجِ شرم و شرارت
وہ موسمِ گل، وہ شیشہ و نمل
نغمہ ہی نغمہ، خوشبو ہی خوشبو

تخریبِ دوراں، آشوبِ محشر
عالم ہی عالم، منظر ہی منظر
شامِ معطر، صبحِ منور
وہ حلقہ ہائے زلفِ معنبر
بربطِ بدستے، مے خانہ دربر
نکرا گئے ہیں، ساغر سے ساغر
خیام و حافظِ تسنیم و کوثر
فرماں روائے جاہانہائے مضطر
تعبیرِ خوابِ مالی و آذر
رفتارِ برہم، تفسیرِ محشر
وہ دستِ سیمیں، وہ جامِ احمر
وہ عشقِ حیراں، وہ شوقِ مضطر
عریاں تبسم، پوشیدہ نشر
وہ احتیاطِ آدابِ پرور
وہ کیف و مستی، وہ رُت، وہ منظر
صہبا ہی صہبا، ساغر ہی ساغر

(نا تمام)

قحطِ بنگال!

ہر چند کہ ہوں دور، مگر دیکھ رہا ہوں
 بے گور و کفن، خاک بہ سر دیکھ رہا ہوں
 ماں باپ کو مایوس نظر دیکھ رہا ہوں
 بے شامت اعمال، جدھر دیکھ رہا ہوں
 دیکھا نہیں جاتا ہے، مگر دیکھ رہا ہوں
 تخریب بہ عنوانِ ڈگر دیکھ رہا ہوں
 اک خیر بھی در پردہ شردیکھ رہا ہوں
 بیتابی اربابِ نظر دیکھ رہا ہوں
 جذبات میں طوفانِ شرر دیکھ رہا ہوں
 میں صاف ان آنکھوں سے مگر دیکھ رہا ہوں
 صیاد کا لٹتے ہوئے گھر دیکھ رہا ہوں
 اغیار کو بھجور سفر دیکھ رہا ہوں
 اک ہاتھ پس پردہ در دیکھ رہا ہوں
 ہونے کو پتہ اس شب کو سحر، دیکھ رہا ہوں
 اک خلد در آغوشِ نظر دیکھ رہا ہوں

بنگال کی میں شام و سحر دیکھ رہا ہوں
 افلاس کی ماری ہوئی مخلوق سرِ راہ
 بچوں کا تڑپنا، وہ پلکناء وہ سسکنا
 بے مہری و بیدردی و افلاس و غلامی
 انسان کے ہوتے ہوئے انسان کا یہ حشر
 تعمیر کے پردے میں یہ اندازِ حکومت
 ہر چند کہ آثار تو کچھ اور ہیں، لیکن
 بیداریِ احساس ہے ہر سمت نمایاں
 خاموش نگاہوں میں اُٹتے ہوئے جذبات
 انجامِ ستم اب کوئی دیکھے کہ نہ دیکھے
 صیاد نے لوٹا تھا عنادل کا نشین
 اربابِ وطن کو مری جانب سے ہو مودہ
 اک تیغ کی چشمک سی نظر آتی ہے مجھ کو
 رحمت کا چمکنے کو ہے پھر نیرِ تاباں
 بیداری و آزادی و اخلاص و محبت

جو خواب کہ شرمندہ تعبیر تھا اب تک

اس خواب کی تعبیر جگر دیکھ رہا ہوں

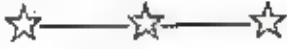


پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے

لب پر ہیں جو خلوص کا دفتر لئے ہوئے
 دل میں ہزار دشنہ و شتر لئے ہوئے
 سینے خباثوں کا سمندر لئے ہوئے
 باطن میں لاکھ فتنہ محشر لئے ہوئے

ہندوستان میں خیر سے ان کی کمی نہیں
 دیتے ہیں بات بات پر انسانیت کا درس
 چہرے جنوں حب وطن سے دھویں دھویں
 ظاہر میں اک مجسمہ امن و آشتی

کہتے ہیں، بھائی بھائی ہیں اہلِ وطن تمام پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے
انسان جس میں بستے ہوں اس طرح کے جگر
بھاگ ایسی سر زمین سے بستر لئے ہوئے

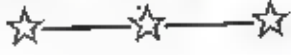


آج کل

شاعر نہیں ہے وہ جو غزلخوار ہے آج کل
بزمِ خیالِ بخت ویراں ہے آج کل
سینہ تمام رنجِ شہیداں ہے آج کل
انساں کے سائے سے بھی گریزاں ہے آج کل
اور اس کا نام فصلِ بہاراں ہے آج کل
رنگِ رخ بہار پر افشاں ہے آج کل
تہذیبِ نفس سر بہ گریباں ہے آج کل
خود زندگی متاعِ گریزاں ہے آج کل
کم ظرفی مزاج نمایاں ہے آج کل
ہر درد کا یہ نسخہ آسان ہے آج کل
اندازِ حسن بن کے نمایاں ہے آج کل
انسان کے لباس میں شیطان ہے آج کل
ہندوستان میں کس قدر اڑزاں ہے آج کل!
انساں ہے اور ماتمِ انساں ہے آج کل
ہے داغِ زندگی، جو مسلمان ہے آج کل
کارِ ثواب و کارِ نمایاں ہے آج کل
انسان کا شکار خود انساں ہے آج کل
وراصل ایک پیکر بے جاں ہے آج کل
کیا خوب اہتمامِ گلستاں ہے آج کل
لیکن مفادِ عام کا عنوان ہے آج کل
اُردو زباں پہ خاص کراہساں ہے آج کل

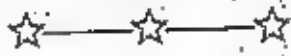
فکرِ جمیل خواب پریشاں ہے آج کل
سازِ حیات، سازِ شکستہ ہے ان دنوں
آنکھیں تمام مشہدِ عشق و جمال ہیں!
انسانیت کہ جس سے عبارت ہے زندگی
دل کی جراحتوں کے کھلے ہیں چمن چمن
صحنِ چمن میں یوئے وفا کا پتہ نہیں
تھمیلِ علم و کسبِ خطابت کے باوجود
کیسا خلوص، کس کی محبت کہاں کا درد؟
افسانہ بن گئی ہیں وسیعِ الخیالیاں
سازش، دعا، فریب، سخن پروری، دروغ
اخلاق ایک فن ہے جو عصرِ جدید میں
شائستگی کے بھیس میں یہ رُوحِ زندگی
وہ قومیت کہ جس سے ہے انسانیت ذلیل
دہلی و دہرہ دون، نواکھالی و بہار
ہے زخمِ کائنات جو ہندو ہے ان دنوں
تعداد ایک فرقی کی جتنی بھی گھٹ سکے
وہ دن گئے کہ طائرِ مقصود تھا شکار
کہتے ہیں جس کو صورتِ آزادیِ وطن!
کانٹے کسی کے حق میں، کسی کو گل و ثمر
سرمایہ داریوں کی طرف داریاں ہیں سب
ہونے کو یوں تو روز نئی ہیں عنایتیں

نسبت اب اس کو شاید مستور سے کہاں؟ شاعر ہے اور پیکرِ عریاں ہے آج کل
 کچھ رہبران قوم، جو مخلص ہیں ذاتی اُن کا چراغ بھی تہہ داماں ہے آج کل
 لیکن میں دیکھتا ہوں کہ در پر وہ شہود فطرت کا انتقام خراماں ہے آج کل
 اس سے تو خود کشی ہی غنیمت ہے، اے جگر!
 وہ مصلحت، جو پیشہ مرداں ہے آج کل



گاندھی جی کی یاد میں

وہی ہے شور ہائے وہو، وہی ہجوم فرد و زن
 وہی زمیں، وہی زماں، وہی ملیں، وہی مکاں
 وہی ہے شوقِ نوبہ نو، وہی جمالِ رنگ رنگ
 ترقیوں پہ گرچہ ہیں تمدن و معاشرت
 شرابِ نوکی مستیاں کہ الحفیظ والاماں!!
 یہ نعمتِ حیات ہے، کہ ہے اجل ترانہ سنج
 ہزار دو ہزار ہیں اگرچہ رہبرانِ ملک
 وہی مہاتما، وہی شہیدِ امن و آشتی!
 مگر وہ حسنِ زندگی، مگر وہ جنتِ وطن
 مگر سرورِ یکِ دلی، مگر نشاطِ انجمن
 مگر وہ عصمتِ نظر، طہارتِ لب و دہن
 مگر وہ حسنِ ساوگی، وہ سادگی کا یاکمین
 مگر وہ اک لطیف سا سرورِ بادۂ کہن
 یہ دورِ کائنات ہے، کہ رقص میں ہے اہرمن؟
 مگر وہ پیرِ نوجواں، وہ ایک مردِ صفِ شکن
 تھا پریم جس کی زندگی، خلوص جس کا پیرِ بن
 وہی ستارے ہیں، مگر کہاں وہ ماہتابِ ہند؟
 وہی ہے انجمن، مگر کہاں وہ صدرِ انجمن!؟



آوازیں

اگرچہ صدیاں گذر چکی ہیں مگر زہے کاروبارِ فطرت!
 وہی خزاں کا ہے رقصِ عریاں، وہی ہے جشنِ بہارِ اب بھی
 چمن کے مانی اگر بنا لیں موافق اپنا شغار اب بھی
 چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر، چمن سے زونگی بہارِ اب بھی
 نسیم ہے آج بھی طربِ زا، درخت ہیں سایہ دارِ اب بھی
 مگر وہ انساں کہ جس کے چھونے سے جلتے ہیں برگ و بارِ اب بھی

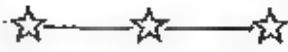
انہیں خبر کیا نہیں ہے اس کی، انہیں میں ہیں فتنہ کار اب بھی؟
 مگر وہ ہیں وقت و مصلحت کے قدیم و تازہ شکار اب بھی
 مصیبتوں کو پیامِ عشرت، کہ عقل ہے کج روی کی جانب
 صعوبتوں کو نویدِ راحت، جنوں ہے آہستہ کار اب بھی
 اگرچہ آزادیِ وطن کو گذر چکا ایک سال کامل
 مگر خود اہل وطن کے ہاتھوں فضا ہے ناسازگار اب بھی
 خود اپنی بد نیتی کے ہاتھوں بُرے نتائج بھگت رہے ہیں
 صداقتوں سے، حقیقتوں سے، وہی ہے لیکن فرار اب بھی
 زمین بدلی، زمانہ بدلا، مگر نہ بدلے تو وہ نہ بدلے
 جو تک و تار یک ذہنیت تھی، وہی ہے برزوںے کار اب بھی
 یہ زندگی غیر مطمئن سی، شکوک و شبہات کی یہ دُنیا
 مگر وہ فرمائے جا رہے ہیں کہ رشتہ ہے استوار اب بھی
 کوئی یہ چپکے سے اُن سے پوچھے، کہاں گئے آپ کے وہ وعدے؟
 نچوڑتا ہے لہو غریبوں کا دستِ سرمایہ دار اب بھی!
 سفارشیں ظالموں کے حق میں پیامِ رحمت بنی ہوئی ہیں!
 نہیں ہے شائستہ سماعت دُکھے ذلوں کی پنگار اب بھی
 اسی کا ہے نام اگر ترقی، تو اس ترقی سے باز آئے
 کہ خونِ مخلوق سے خدا کی زمین ہے لالہ زار اب بھی
 ہمیں ملا کر بھی خاک و خون میں نہیں ہیں وہ مطمئن ابھی تک

ہماری خاک لحد کے ذرے ہیں اُن کے دامن پہ بار اب بھی
 جو جو جشنِ نظامِ نو ہیں، پنگار کر اُن سے کہہ رہا ہوں
 یہ جان ہے سوگوار اب تک، یہ دل ہے ماتم گسار اب بھی
 منافقت کی ہزار باتیں وہ سنتے رہتے ہیں اور خوش ہیں
 مگر صداقت کی صاف و سادہ سی بات ہے ناگوار اب بھی
 نہ وہ مروّت، نہ وہ صداقت، نہ وہ محبت، نہ وہ شرافت
 رہیں خوف و خطر ہیں یعنی، سکونِ امن و قرار اب بھی

زبان و دل میں نہ ربطِ صادق، نہ باہمی وہ خلوصِ کامل
 جو تھے غلامانہ زندگی میں، وہی ہیں لیل و نہار اب بھی
 غلط یہ جمہوریت کے دعوے دروغ یہ زندگی کے نقشے
 دلیل اس کی یہی ہے کافی کہ ذہن ہے تنگ و تار اب بھی
 یہ جشنِ آزادیِ وطن ہے، مگر اسی جشن و سرخوشی میں
 بہت ہیں سینہ نگار اب بھی، بہت ہیں بے روزگار اب بھی
 یہی جو سادہ سے تہمتے ہیں، یہی جو پھیکے سے ہیں تبسم!
 انہیں کی تہ میں بہت سے اشکوں کے ہیں رواں آبشار اب بھی
 گر انیاں اُس طرف وہ ارزاں، ادھر یہ افلاس و تنگ دستی
 مگر حکومت کا ہے یہ عالم، ذرا نہیں شرمسار اب بھی
 ہزار ہا انقلاب دیکھے، ہزار ہا تجربوں سے گذرے
 خرد میں تنگی، عمل میں لغزش، جُوں ہے ناپختہ کار اب بھی
 یہ رشوتوں کی، یہ سازشوں کی، یہ نفع اندوزیوں کی لعنت
 وہ خود ہی انصاف سے یہ کہہ دیں نہیں وہ کچھ ذمہ دار اب بھی
 انہیں کے حلقوں سے خود انہیں کی مخالفت عام ہو رہی ہے
 ہماری جانب سے لیکن اُن کی نظر ہے بیگانہ دار اب بھی
 کہاں کی دلداری و محبت، تلافیوں کا تو ذکر ہی کیا؟
 حقوق پامال کر رہے ہیں، حقوق کے پہرہ دار اب بھی
 کبھی ہوئی ہے نہ ہو سکے گی، مسرتِ آزادیوں کی حاصل
 کہ عام انسانیت کا عالم ہے تشنہ و بے قرار اب بھی

وسیع مسلک، رفیع فطرت، خلوصِ ایماں، خلوصِ نیت
 انہیں فضائل پہ ہے وطن کے وقار کا انحصار اب بھی
 زمانہ کیا کیا نہ کہہ چکا ہے، زمانہ کیا کیا نہ کہہ رہا ہے
 مگر وہ ہیں وضع دار ایسے، ذرا نہیں شرمسار اب بھی
 خلوصِ نیت سے صرف اپنی ہی زندگی پر کریں توجہ
 خلوصِ نیت کی منتظر ہے سعادتِ کردگار اب بھی

کبھی کبھی غور کرتے رہیے، جگر کا مصرع یہ پڑھتے رہیے
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن کی روٹی پہاڑ اب بھی
جگر کی ہے زندگی محبت، نہیں ہے اس کو کسی سے نفرت
جگر کے دل میں ہے سب کی عزت، جگر ہے یاروں کا یار اب بھی



گذر جا!

اس کارگہ مکر و ضلالت سے گذر جا
جنت بھی میسر ہو تو جنت سے گذر جا
ہمت ہے تو محدود محبت سے گذر جا
ہر سادہ و پُر کار عبادت سے گذر جا
زورِ قلم و جوشِ خطابت سے گذر جا
اظہارِ وفا، جوشِ عقیدت سے گذر جا
اٹھ اور اب اس قعرِ لذت سے گذر جا
ہر مرحلہ شکر و شکایت سے گذر جا
اٹھ اور ہر آسانی لذت سے گذر جا
قسمت کو بنانا ہے تو قسمت سے گذر جا
راحت کی تمنا ہے تو راحت سے گذر جا
بہتر ہے کہ اس صبر و قناعت سے گذر جا
اس فلسفہ دانش و حکمت سے گذر جا
ہر قصرِ فلک بوس کی رفعت سے گذر جا
کچھ سوچ کے اس منظرِ عبرت سے گذر جا
اے تگِ طلب! وقفہِ راحت سے گذر جا
لڑتا ہوا ہر کفر و ضلالت سے گذر جا
پُر پیچ گذر گاہِ سیاست سے گذر جا
ہر ناقص و محدود جماعت سے گذر جا
نفرت سے، عداوت سے، شقاوت سے گذر جا

بازمچہ اربابِ سیاست سے گذر جا
ہر عشرت بے رقت و محنت سے گذر جا
جرات ہے تو ہر نیم صداقت سے گذر جا
ہر تنگ نظر اہل صحافت سے گذر جا
الفاظ نہیں دام ہیں یہ مکر و دغا کے
خود داری بیباک شرافت کا ہے جوہر
تاچند یہ توہینِ حقوقِ رعیت
سرتا بقدم میکہ ایثار و عمل بن!
کرتا ہے اگر کار نمایاں کوئی تجھ کو
قسمت تری خود ہے ترے کردار میں مضمحل
جینا جو ہے منظور تو جینے کی نہ کر فکر
جو صبر و قناعت تجھے مفلوج بنا دے
پیدا نہ کرے تجھ میں جو پاکیزگی روح!!
نازار کی بھوری دستہ کی طرف دیکھ
تھلے ہوئے اجسام، سسکتی ہوئی رُوہیں
ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام!
دنیا کے ہے رزم گہ شیطنت و حق
سیدھی سی بس اک راہِ صداقت پہ چلا چل
انسانیتِ عام کے مرکز کی بنا ڈال
اوروں کے لئے چھوڑ یہ تاریک مقامات

ہر تازہ غم و رنج و مصیبت سے گذر جا
 بچ کر نہ اس آشوبِ ہلاکت سے گذر جا
 کر خدمتِ مخلوق، تجارت سے گذر جا
 سردے کے ٹو میدانِ شہادت سے گذر جا
 تو صرف اک اندازِ حقارت سے گذر جا
 ہر واہمہٴ قلت و کثرت سے گذر جا
 ٹھکرا کے قیامت کو، قیامت سے گذر جا
 مقصد یہ نہیں فہم و فراست سے گذر جا
 ہر جزوی و محدود حقیقت سے گذر جا
 کونین کی ہر وسعت و رفعت سے گذر جا
 بارعب و دل آویز متانت سے گذر جا
 ہنستا ہوا ہر جبرِ حکومت سے گذر جا
 رنگ و وطن و قوم کی لعنت سے گذر جا

لیتا ہوا اک درسِ حیاتِ ابدی کا
 حق پر ہے اگر تو تو شہادت کا مزہ چکھ
 ہے خدمتِ مخلوق ہی نعم البدل اپنا
 ملت کی بقا ہے تری اس موت میں پہاں
 سرمایہ و سازش کے یہ مردود عزائم!
 توجید کی طاقت کو بنا اپنا معاون
 حائل ہو قیامت بھی اگر راہ میں تیری!
 پیماک گذر رزم گہ و ہر سے، لیکن!
 تو حسن کے اک دائرہ گل کی طرف آ
 کونین تری وسعت و رفعت میں ہے خود کو
 تجھ پر جو گروہ نہلا طنز کرے کچھ!
 ہوتی ہے یونہی نشوونما فکر و عمل کی
 انسان بن انسان، یہی ہے تری معراج

تیرے یہ پیامات جگر ہم کو مبارک!

تو بھی تو اب اس پستیِ عزلت سے گذر جا



نوائے وقت!

بڑھو! بڑھو! کہ چار سو پکار ہی پکار ہے
 وہ وقت ہے کہ آدمی کا آدمی شکار ہے
 کہ زندگی تمام تر بساطِ کار زار ہے
 ستم کہ، زو میں آمدھیوں کی شمع روزگار ہے
 بڑھے چلو، بڑھے چلو! یہ وقت کی پکار ہے

اٹھو اٹھو! کہ زندگی ہی زندگی پہ بار ہے
 وہ وقت ہے کہ علمِ حق ہے علمِ شیطننت میں گم
 کہاں کے مطرب و غزل، کہاں کے شاہد و چمن
 غضب کہ چھائی جا رہی ہیں ظلمتوں کی بدلیاں
 زمیں کو روندتے ہوئے، صفوں کو چیرتے ہوئے



زمانے کا آقا، غلام زمانہ

کدھر ہے تو اے بُرأتِ باغیانہ
 گھلا بابِ زنداں تو کیا اس سے حاصل
 محبت اڑی جا رہی ہے دلوں سے
 شرافت کا معیار افراطِ دولت
 زبانوں پہ اصلاحِ قومی کے نعرے
 غریبوں پہ جو کچھ گذرتی ہے، گذرے
 جتسم خود اک پیکرِ مادیت
 دلائل کی ہنگامہ آرائیوں میں
 نتائج سے بھی آنکھ گھلتی نہیں ہے
 بدل دے مقدر، پلٹ دے زمانہ
 کہ خود زندگی بن گئی قید خانہ
 حقیقت بنی جا رہی ہے فسانہ
 صداقت کی معراج، لفظی ترانہ
 مگر طینتیں بیشتر مفسدانہ
 سمٹ آئے جیبوں میں لیکن خزانہ
 مگر درسِ روحانیت عارفانہ
 کہیں روح بسمل، کہیں ذل نشانہ
 ہر اقدام اب تک ہے نامنصفانہ
 بشر کی یہ پستی، ارے توبہ توبہ!

زمانے کا آقا، غلام زمانہ!!



دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر!

پہلے تو حسنِ عمل، حسنِ یقین پیدا کر
 یہی دنیا کہ جو بت خانہ بنی جاتی ہے
 روحِ آدمِ نگرانِ کب سے ہے تیری جانب
 خس و خاشاک تو ہم کو جلا کر رکھ دے
 غم میتر ہے تو اس کو غمِ کونین بنا
 آسماں مر کو جھیل و تصورِ گب تک؟
 دل کے ہر قطرہ میں طوفانِ تجلی بھر دے
 بندگی یوں تو ہے انسان کی فطرت لیکن
 پستی خاک پہ کب تک تری بے بال و پری
 پھر اسی خاک سے فردوسِ بریں پیدا کر
 اسی بت خانے سے کعبے کی زمیں پیدا کر
 اٹھ اور اک جنتِ جاوید یہیں پیدا کر
 یعنی آتشِ کدہ سوزِ یقین پیدا کر
 دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر
 آسماں جس سے جھل ہو وہ زمیں پیدا کر
 بطنِ ہر ذرہ سے اک مہر میں پیدا کر
 ناز جس پر کریں سجدے وہ جہیں پیدا کر
 پھر مقامِ اپنا سرِ عرشِ بریں پیدا کر

عشق زندہ و پایندہ حقیقت ہے جگر
عشق کو عام بنا، ذوق یقین پیدا کر!
☆—☆—☆

اعلانِ جمہوریت

(۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء)

جو بے قرار ہیں اب تک، انہیں قرار آئے
کہ پھول ہی نہیں، کانٹوں یہ بھی نکھار آئے
وہ زندگی ہو کہ خود زندگی کو پیار آئے
کلی اگر کوئی چٹکے، صدائے یار آئے
کہیں بہار نہ آئے، کہیں بہار آئے
کوئی ہو جام بکف، کوئی شرمسار آئے
کہ شاخِ خشک میں بھی پھر سے برگِ دبار آئے
کہ پھر اس اجڑے گلستاں میں بھی بہار آئے
دلوں تک آئے جو غم بھی، تو خوشگوار آئے
نگاہِ لطف و محبت بڑھے، سنوار آئے
یہ فتنہ بن کے نہ آشوبِ روزگار آئے
نظر ہر ایک بدی کا مالِ کار آئے
کہ جن کے ذکر سے انسانیت کو عار آئے
حقیقت: بھی زمانے کو سازگار آئے
نہ یہ کہ ذکرِ زباں پر ہی بار بار آئے
کسی کے آئینہٴ قلب پر غبار آئے
اگر نہ کور نگاہی بروئے کار آئے
نہ آئی ہے وہ سیاست، نہ سازگار آئے
کہ جو زبان کہے، دل کو اعتبار آئے
مگر جو آج کے انساں کو اعتبار آئے

خدا کرے کہ یہ دستور سازگار آئے
بہار آئے اور اس شان کی بہار آئے
وہ سرخوشی ہو کہ خود سرخوشی بھی رقص کرے
کھلے جو پھول تو دے جسمِ ناز کی خوشبو
چمن چمن ہی نہیں جس کے گوشے گوشے میں
یہ میکدے کی، یہ ساقی گری کی ہے توہین
خلوص و ہمتِ اہل چمن پہ سے موقوف
جنونِ عشق ہو صالح اگر، تو ممکن ہے
مذاقِ عشق بدل دے، مزاج کون و فساد
نظامِ خلق و عزت کبھی جو برہم ہو
دلوں پہ نقش نہ رہ جائے کوئی نفرت کا
برائی کرنے سے ہی کاش ہر ایک انسان کو
وہ حادثاتِ زمانے سے محو ہو جائیں
نمائشی ہی نہ ہو، یہ نظامِ جمہوری
خلوص و عدل و مساواتِ دل میں گھر کر لیں
ضمیر صاف ہو اپنا تو غیر ممکن ہے
محبت آج بھی مشعلِ فردوزِ منزل ہے
دلوں کی کھوٹ ہو جس کے ضمیر میں شامل
زبان و دل میں بہم ارتباط ہو ایسا
بنا دیا ہے محبت نے آگ کو گلزار

نہ ہو جو عام مترت، محال ہے، اے دوست
کہ زندگی کو کسی حال میں قرار آئے



ساتی سے خطاب

ساتی اور رند دونوں میخانہ روحانیت سے وابستہ ہیں۔ دونوں میں شدید محبت ہے۔ جہاں ساتی عظیم المرتبت ہے وہاں رند بھی معمولی رند نہیں، بلکہ ایک خاص مرتبہ رکھتا ہے۔ عصر جدید کے حالات سے متاثر ہو کر رند میخانہ کی زندگی ترک کرنا اور جدوجہد دنیا میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور ساتی سے اجازت کا طالب ہوتا ہے۔ ساتی کو خیال ہوتا ہے کہ عملی دنیا میں خدا جانے رند سے کیا کیا لفظیں ہوں۔ لیکن رند پر ساتی کا احساس منکشف ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہہ کر ساتی کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔

نہ لا و سواں دل میں جو ہیں تیرے دیکھنے والے
سر مقتل بھی دیکھیں گے چمن اندر چمن ساتی
اسی کے ساتھ نظم میں معیار جوں، تنظیم میخانہ، انسان اور انسانیت، وطن اور وطنیت
وغیرہ وغیرہ کے متعلق بھی رند یعنی شاعر کے نظریات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔!!



کہاں سے بڑھ کے پہنچے ہیں، کہاں تک علم و فن ساتی!
مگر آئودہ انساں کا نہ تن ساتی، نہ من ساتی
یہ سُفتا ہوں کہ پیاسی ہے بہت خاکِ وطن ساتی
خدا حافظ! چلا میں باندھ کر سر سے کفن ساتی
سلامت تو، ترا میخانہ، تری انجمن ساتی!
مجھے کرنی ہے اب کچھ خدمت وار و رسن ساتی!
رگ و پے میں کبھی صہبا ہی صہبا رقص کرتی تھی
مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موج زن ساتی
کبھی میں بھی تھا شاہد در بغل، تو بہ ہلکن، مے کش
مگر بننا ہے اب خنجر بکف، ساغر ہلکن ساتی

نہ لانا سوا اس دل میں، جو ہیں تیرے دیکھنے والے
 سرِ مقتل بھی دیکھیں گے جین اندر چمن ساقی
 جو دشمن کے لئے بھی سر سے اپنے کھیل جاتے ہیں
 دلِ خوابوں میں چُھٹتا ہے انہیں کا باکلین ساقی
 ترے جوشِ رقابت کا تقاضا کچھ بھی ہو، لیکن
 تجھے لازم نہیں ہے ترکِ منصبِ دفعۂ ساقی
 ابھی ناقص ہے معیارِ جوں، تنظیمِ مے خانہ
 ابھی نامعتبر ہے تیرے مستوں کا چلن ساقی
 وہی انسان جسے سرنایجِ مخلوقات ہونا تھا
 وہی اب سی رہا ہے اپنی عظمت کا کفن ساقی
 لباسِ حریت کے اڑ رہے ہیں ہر طرف پڑنے
 بساطِ آدمیت ہے شکن اندر شکن ساقی
 مجھے ڈر ہے کہ اس ناپاک تر دورِ سیاسی میں
 بگڑ جائے نہ خود میرا مذاقِ شعر و فن ساقی
 کہیں ملجبد نہ بن جائیں مرے افکارِ سنجیدہ
 کہیں مُرد نہ ہو جائے مرا ذوقِ سخن ساقی
 کہیں خود خشن رہ جائے نہ قوی ملکیت بن کر
 کہیں خود عشق ہو جائے نہ محدود وطن ساقی
 کہاں ہیں بندِ سرگشتہ، کہاں یہ دعوائے تمکین
 سمجھ لے اس کو بھی میرا اک اندازِ سخن ساقی
 عجب کیا ہے، یہ بہکی بہکی باتیں رنگ لے آئیں!
 بہت بار ہوش رہتا ہے برا دیوانہ پن ساقی
 نمودِ صبحِ کاذب ہی دلیلِ صبحِ صادق ہے
 آفتِ نئے زندگی کی دیکھ وہ ابھری کرن ساقی
 بدہ جامِ مے باقی کہ درجستِ نخواہی یافت
 سوادِ ساحلِ گرگا و گلکشتِ چمن ساقی!

شُعْلَةُ طُور

ہجومِ تجلی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی شعلہ طُور ہو کر

میں اپنی ادبی کاوشوں اور جگر پاروں کو مولائی و
آقائی حضرت مولانا اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی قبلہ
مرحوم و مغفور کے اسم گرامی پر، جن کے فیضانِ توجہ اور
برکات تربیت کا نتیجہ وہ سب کچھ ہے جو ”شعلہ طور“ کی
صورت میں حاضر کیا جا رہا ہے..... اور..... مخدوم و محترم
صفی الدولہ حتام الملک، شمس العلماء، نواب علی حسن خان
صاحب طاہر مرحوم کے نام نای پر، جن کی سعیِ بلیغ کا یہ
کرشمہ تھا کہ ”شعلہ طور“ مکمل تہذیب و ترتیب کے
ساتھ پیش کیا جاسکا..... اپنے دل کی تمام گہرائیوں کے
ساتھ معنون کرتا ہوں۔

..... جگر مراد آبادی

نغماتِ جگر

یعنی

انتخابِ داغِ جگر

(دوراؤں)

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا
جب اُس زرخ پر ثور کا جلوہ نظر آیا
یہ حسن، یہ شوخی، یہ کرشمہ، یہ ادائیں
اک سرخوشی عشق ہے، اک بیخودی شوق
قربان تری شانِ عنایت کے دل و جاں
جب دیکھ نہ سکتے تھے، تو دریا بھی تھا قطرہ
ہر رنگ ترے رنگ میں ڈوبا ہوا نکلا
آنکھوں نے دکھا دی جو ترے غم کی حقیقت

جس رنگ میں دیکھا تجھے یکتا نظر آیا
کعبہ نظر آیا نہ کلیسا نظر آیا
دنیا نظر آئی مجھے، تو کیا نظر آیا
آنکھوں کو خدا جانے، مری کیا نظر آیا
جب آنکھ کھلی، قطرہ بھی دریا نظر آیا
اس کم نگہی پر مجھے کیا کیا نظر آیا
ہر نقش ترا نقشِ کف پار نظر آیا
عالم مجھے سارا تہہ و بالا نظر آیا

ہر جلوے کو دیکھا ترے جلووں سے منور

ہر بزم میں تو انجمنِ آرا نظر آیا

☆—☆—☆

پیوست دل میں جب تیرا تیر نظر ہوا
کچھ داغِ دل سے تھی مجھے امید عشق میں
تھم تھم کے اُن کے کان میں پہنچی صدائے دل
سینے میں پھر بھڑکنے لگی آتشِ فراق
رگ رگ نے صدقے کر دیا سرمایہ شکیب
فریاد کیسی؟ کس کی شکایت؟ کہاں کا حشر؟

کس کس ادا سے شکوہ دردِ جگر ہوا
سو رفتہ رفتہ وہ بھی چراغِ سحر ہوا
اڑ اڑ کے رنگِ چہرہ مرا نامہ بر ہوا
دامن سے پھر معاملہ چشم تر ہوا
اللہ! کس کا جانہ دل میں گذر ہوا
دنیا ادھر کو ٹوٹ پڑی وہ جدھر ہوا

وارثگی شوق کا اللہ رے کمال! جو بے خبر ہوا، وہ بڑا باخبر ہوا
 حسرت اُس ایک طائرِ بیکس پر، اے جگر
 جو فصلِ گل کے آتے ہی بے بال و پر ہوا

☆—☆—☆

تم مجھ سے چھوٹ کر رہے سب کی نگاہ میں میں تم سے چھوٹ کر کسی قابل نہیں رہا
 دل کو نہ چھیڑ، اے غمِ فرقت! کہ اب یہ دل تیرے بھی التفات کے قابل نہیں رہا
 اُٹھتے ہیں تیری راہ میں جب سے مرے قدم
 احساسِ قرب و دوریٰ منزل نہیں رہا

☆—☆—☆

تجھ کو تسلیم حسین ساری جماعت نے کیا دیکھ، کیا کام مرے دردِ محبت نے کیا
 اللہ اللہ، یہ تاثیرِ فغانِ شبِ ہجر
 خیرِ مقدم مرے نالوں کا قیامت نے کیا

☆—☆—☆

ستم کا عدو مستحق ہو گیا مرا دل سراپاِ قلق ہو گیا
 سنانے چلے تھے انہیں حالِ دل نظر ملتے ہی رنگِ نق ہو گیا
 جو کچھ بچ رہا تھا مرا خونِ دل وہی آسماں پر شفق ہو گیا
 چھپائے ہوئے تھے ترا رازِ عشق مگر اب تو سینہ بھی شق ہو گیا
 مری موت سن کر، کیا اُس نے ضبط
 مگر رنگِ چہرے کا نق ہو گیا

☆—☆—☆

گھڑی بھر میں نا آشنا ہو گیا نہ جانے مرے دل کو کیا ہو گیا
 ڈھڑکنے لگا دل، نظر جھک گئی کبھی اُن سے جب سامنا ہو گیا
 مرے سر پر احسان تھا عشق کا مرا رنگ ہی دوسرا ہو گیا
 نمایاں ہیں چہرے سے آثارِ عشق جگر آج سے باخدا ہو گیا

☆—☆—☆

تری یاد کی اف سوزِ مستیاں کوئی جیسے پی کے شراب آ گیا
 مرا ان کا بننا بگڑنا ہی کیا نگاہیں ملیں اور حجاب آ گیا

اداؤں میں شوخی چھلکنے لگی قیامت کو لے کر شباب آ گیا
 ادھر جوشِ مستی، ادھر ختمِ شوق مصیبت میں بند نقاب آ گیا
 جگر یہ قیامت کی بے ہوشیاں
 اٹھو سر پہ اب آفتاب آ گیا

☆—☆—☆

بغور دیکھ لو اندازِ میرے مٹنے کے یہ سانحہ نہ کبھی پھر نظر سے گزرے گا
 قریب سرحدِ حراماں، جگر، ٹھہر جاؤ!
 سنا ہے قافلہٴ غم ادھر سے گزرے گا

☆—☆—☆

تصویرِ اُمیدوں کی آئینہِ ملالوں کا انساں جسے کہتے ہیں، محشر ہے خیالوں کا
 کیا خاکِ جواب اُن کو دوں اُن کے سوالوں کا لبِ خشک ہیں زخموں کے، منہ بند ہے چھالوں کا
 ہاں ٹھیس نہ لگ جائے، اے دردِ غمِ فرقت!
 دل آئینہ خانہ ہے آئینہِ جمالوں کا

☆—☆—☆

دل پہ طاری بے بسی و ضعف کا عالم ہوا گھٹ گئی اتنی ہی طاقت، برد جتنا کم ہوا
 آہ رو لینے سے بھی کب بوجھِ دل کا کم ہوا
 جس کسی کی یاد آئی، پھر وہی عالم ہوا

☆—☆—☆

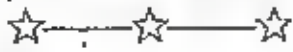
حشر کے دن وہ گنہگار نہ بخشا جائے جس نے دیکھا تری آنکھوں کا پشیمان ہونا
 پردہ رکھنا تھا جو منظور تو عاشق کے لئے دامنِ یار کو لازم تھا گریباں ہونا
 سن کے افسانہٴ غمِ باغ میں گملا گئے بھول شاق گذرا مجھے بلبل کا غزل خواں ہونا
 جس کو نعمت یہ ملے، کیوں وہ رہے آزرہ
 سو خوشی، ایک ترے غم میں پریشاں ہونا

☆—☆—☆

پریشاں ہو کے زلفوں کا وہ اُس رخ پر بکھر جانا وہ سونے سوتے چوکن اٹھنا، وہ لیٹے لیٹے ڈر جانا
 ہراک لرزش پہ چیخ اٹھنا ہراک جنبش پہ ڈر جانا قفس تک، ہائے میرا اس طرح بے بال و پر جانا

☆—☆—☆

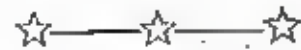
نقشِ وفا کا رنگ مٹایا نہ جائے گا مل بھی گیا جو زہر، تو کھایا نہ جائے گا
 سر سے جنونِ عشق کا سایا نہ جائے گا تم سے بھی یہ طلسم مٹایا نہ جائے گا
 دل نے اگر چھپا بھی لیا داغِ آرزو آنکھوں سے تو یہ راز چھپایا نہ جائے گا
 مجھ ناتوانِ عشق کو سمجھا ہے تم نے کیا دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا
 ان کو نکلا کے اور پشیمان ہوئے جگر
 یہ کیا خبر تھی، ہوش میں آیا نہ جائے گا



جان ہے بے قراری، جسم ہے پائمال سا اب نہ وہ داغ، وہ جگر، صرف ہے اک خیال سا
 چاہیے عشق میں مجھے آپ ہی کا جمال سا داغ ہر ایک بدر سا زخم ہر اک ہلال سا
 جس نے بنا دیا مجھے وحشی و خستہ حال سا ہائے! وہ شکل چاندی ہائے وہ قد نہال سا
 دل پہ مرے گرائی تھیں تم نے ہی بجلیاں، مگر آؤ نظر کے سامنے، مجھ کو ہے احتمال سا
 ہائے رے وہ عتاب میں اُن کی ادا میں اُن کی شکل آنکھیں بھی سُرخ سُرخ سی، چہرہ بھی لال لال سا
 اٹھتے ہی پائے یار کے باغِ کواغِ اُجڑ گیا بھول بھی ہیں تباہ سے سبزہ بھی پائمال سا
 حُسن کی سحر کاریاں عشق کے دل سے پوچھئے وصل کبھی ہے ہجر ساء، ہجر کبھی وصال سا
 گم شدگانِ عشق کے شان بھی کیا عجیب ہے! آنکھ میں اک سرور سا چہرے پہ اک جلال سا

یاد ہے آج تک مجھے پہلے پہل کی رسم و راہ

کچھ انہیں اجتناب سا، کچھ مجھے احتمال سا



ہم اسیرانِ جنوں سے کوئی پوچھے آ کر جیتے جی قیدِ تعلق سے رہا ہو جانا
 نالہ دل جو سلامت ہے تو کیا مشکل ہے؟ روز اس کوچے میں ایک حشر پیا ہو جانا
 خاکِ مجنوں سے یہ آتی ہیں صدا میں اب تک زندگی ہے غمِ دلبر میں فنا ہو جانا
 نگہ شوق نے سب کھول دئے بندِ نقاب سہل سمجھے تھے وہ پابندِ حیا ہو جانا
 ہائے وہ ضابطِ محبت کی جفائیں سرِ بزم دل میں گھٹ گھٹ کے وہ آہوں کا فنا ہو جانا

رشک آتا ہے شہیدانِ وفا پر مجھ کو

اُن کی قسمت میں تھا کیا جلدِ شفا ہو جانا



حسرت سے دیکھتا ہوں ہر اک شاخِ گل کی سمت
جس پر برس گئی کبھی برقِ جمالِ یار
یہ ضعیف، اور ہائے! یہ عالم بہار کا
ہر ذرہ آفتاب ہے اُس کے مزار کا

☆—☆—☆

آج کیا حال ہے، یا رب! سرِ محفلِ میرا
سوزِ غم، دیکھ، نہ برباد ہو حاصلِ میرا
کہ نکالے لئے جاتا ہے کوئی دلِ میرا
دل کی تصویر ہے ہر آئینہ دلِ میرا
صبح تک ہجر، میں کیا جانے کیا ہوتا ہے
دل گئی عشق میں ایذا طلبی سے راحت
غم ہے اب جان مری، درد ہے اب دلِ میرا
کاش پہلو میں دھڑکتا ہی رہے دلِ میرا
ہائے! اُس دل کا مقدر جو بنا دلِ میرا
جو ہوا دل کا شریک

کچھ کھلتا تو ہے پہلو میں مرے رہ رہ کر
اب خدا جانے، تری یاد ہے یا دلِ میرا

☆—☆—☆

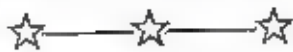
لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا
ہر چند کر دیا مجھے برباد عشق نے
جس دل کو تم نے دیکھ لیا، دل بنا دیا!
لیکن انہیں تو شیفہٴ دل بنا دیا
پہلے کہاں یہ ناز تھے، یہ عشوہ و ادا
دل کو دعائیں دو، تمہیں قاتل بنا دیا

☆—☆—☆

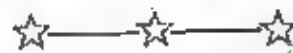
آنکھوں کا تھا قصور، نہ دل کا قصور تھا
تاریک مثلِ آہ جو آنکھوں کا نور تھا
آیا جو میرے سامنے، میرا غرور تھا
کیا صبح ہی سے شام بلا کا ظہور تھا
وہ تھے نہ مجھ سے دور، نہ میں اُن سے دور تھا
ہر وقت اک نمار تھا، ہر دم سرور تھا
کوئی تو درد مندِ دلِ ناصور تھا!
لگتے ہی ٹھیس ٹوٹ گیا سازِ آرزو
ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش
ساتی کی چشمِ مست کا کیا کیجئے بیاں
پلٹی جو راستہ ہی سے، اے آہ نامراد!
جس دل کو تم نے لطف سے اپنا بنا لیا
اُس چشمِ مے فروش سے کوئی نہ بچ سکا

آتا نہ تھا نظر کا قصور تھا
بوٹل بغل میں تھی کہ دلِ ناصور تھا
مانا کہ تم نہ تھے، کوئی تم سا ضرور تھا
ملتے ہی آنکھ شیشہ دل پُور پُور تھا
شامل کسی کا خونِ حننا ضرور تھا
اتنا سرور تھا کہ مجھے بھی سرور تھا
یہ تو بتا کہ بابِ اثر کتنی دور تھا
اس دل میں اک چھپا ہوا نشتر ضرور تھا
سب کو بقدرِ حوصلہٴ دلِ سرور تھا

دیکھا تھا کل جگر کو سر راہ میکہ
اس درجہ پی گیا تھا کہ نشے میں پور تھا



اللہ رے، وارنگی شوق کا عالم میرا بھی اب پتہ سر منزل نہیں ملتا
کیا قیس کی پر شوق نگاہوں نے کیا سحر محفل میں بھی اب صاحب محفل نہیں ملتا



رگ رگ میں دل تھا، دل میں نہاں سوز و ساز تھا وہ دن بھی کیا تھے، جب میں سراپا گداز تھا
وہ تھے، بہار تھی، دل حسرت طراز تھا پیہم ادھر سے ناز، ادھر سے نیاز تھا
تاثیر جذب عشق کو لیلے سے پوچھے جو ذرہ خاک عشق کا تھا، دل گداز تھا
پہلے جو ختم ہو گئی یہ داستانِ غم! تو میں کہوں گا عرصہ محشر دراز تھا
کیا کہہ دیا کسی نے؟ کہ ملتے ہی چشم شوق دونوں طرف سے دستِ تمہ دراز تھا

وہ ناز آفریں تھے، انہیں اس پہ تھا غرور

میں تھا نیاز مند، مجھے ان پہ ناز تھا



اس عشق میں پورا کبھی ان سا نہیں دیکھا دامن پہ نظر کی تو گریباں نہیں دیکھا
تازہ اثر، اسے جذبہ پہچان نہیں دیکھا مدت ہوئی شمشیر کو عریاں نہیں دیکھا
اللہ ری، مجبوری آدابِ محبت گلشن میں رہے اور گلستان نہیں دیکھا
بے کار گئی سعی محبت بھی ہماری حاصل بجز اک دیدہ حیراں نہیں دیکھا

اللہ ری! مزی تیز روی جوش جنوں میں

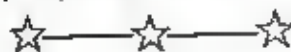
مڑ کر جو نظر کی تو بیاباں نہیں دیکھا



دل نہ تھا، جان نہ تھی، سوز نہ تھا، ساز نہ تھا میں ہی میں تھا مرے ہمراہ کوئی راز نہ تھا
دم بخود رہ گئی بلبل ہی چمن میں، ورنہ کون سا پھول تھا، جو گوش بر آواز نہ تھا
ہم تھے اور سامنے اک جلوہ حیرت افزا پردہ تھا، اور کوئی پردہ بر انداز نہ تھا

حسرت اس طائرِ مایوس کی حالت پہ کہ جو

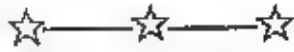
قید سے مچھوٹ کے بھی مائل پر داز نہ تھا



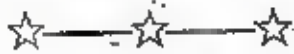
شریکِ نالہ میرا بھی جو اندازِ فغاں ہوتا چمن میں ہر لب خاموش و بلبل کی زباں ہوتا
دمِ نکل اگر تم چھیڑ دیتے دل کے زخموں کو لہو کا قطرہ قطرہ دردِ دل کی داستاں ہوتا
بہت روکا تمہارے وعدہ دیدار نے ورنہ
وہاں ہوتی نہ میری بیخودی بھی، میں جہاں ہوتا



خلوت میں غمِ فرقت اس طرح بیاں ہوتا وہ میری زباں سننے میں اُن کی زباں ہوتا
تھی سیر، اگر میں بھی ساتھ اُن کے وہاں ہوتا آنسو بھی رواں ہوتے، دریا بھی رواں ہوتا



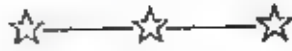
یوں رازِ غمِ اُلفت سینے میں نہاں ہوتا ہم خود بھی عیاں کرتے، تو بھی نہ عیاں ہوتا
اے کاش! نہ ہم اُٹھتے درسنے ترے جیتے جی
جینا بھی یہاں ہوتا، مرنا بھی یہاں ہوتا



آنکھوں میں اس طرح سے تراشوقِ دید تھا گویا مری نظر میں دلِ نا امید تھا
اللہ ری نشترِ غمِ فرقت کی تیزیاں! رگ رگ میں شور و شیونِ قطع و برید تھا



کمالِ عشق بھی کیا کیا فریب دار ہوا کہ اپنے پر مجھے اکثر گمانِ یار ہوا
جنوں میں سینے کو بیٹھے ہیں جیب کے کلڑے خبر نہیں کہ گریباں بھی تار تار ہوا
کہاں کے غمزہ و شوخی، کہاں کی ناز و ادا وہ تیرا اور ہی تھا جو جگر کے پار ہوا
اب اس سے بڑھ کے طلسمِ خیال کیا ہوگا کہ ذرہ ذرہ تو تصویرِ حُسنِ یار ہوا
خزاں نہ تھی چمنستانِ دہر میں کوئی خود اپنا ضعیفِ نظر پردہ بہار ہوا

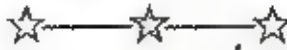


رازِ اس حُسن کا ہندو نہ مسلمان سمجھا کچھ جو سمجھا تو مرا دیدہ حیراں سمجھا
زخم کو مرہمِ دل، درد کو درماں سمجھا چارہ گر خوب علاجِ غمِ پنہاں سمجھا
عشق کا راز وہی سوختہ ساماں سمجھا جس نے دامن کبھی جانا نہ گریباں سمجھا
حشر میں بھی نہ اُٹھا آنکھ سے غفلت کا حجاب اس کو بھی سلسلہِ خوابِ پریشاں سمجھا



اتنی ہی بڑھی حسرت جتنا ہی ادھر دیکھا
 ڈوبا ہوا رگ رگ میں وہ تیر نظر دیکھا
 پروانوں نے کیا جانے، کیا وقت سحر دیکھا
 اللہ نہ دکھلائے جو وقت سحر دیکھا
 تھا حاصلِ صمدِ ناک، جو زخمِ جگر دیکھا
 اُس جانِ تغافل نے جب ایک نظر دیکھا
 اک زخمِ ادھر پایا، اک داغِ ادھر دیکھا
 ان کو بھی نہ چین آیا جب تک نہ ادھر دیکھا
 اُس روئے نگارین کو فردوسِ نظر دیکھا
 یا درد نے کروٹ لی، یا تم نے ادھر دیکھا
 کچھ ہوش جو آیا تو اُڑا ہوا گھر دیکھا
 کچھ خیر تو ہے، تم نے کیا حالِ جگر دیکھا

اس عشق کے ہاتھوں سے ہرگز نہ مفر دیکھا
 تھا کھیل سا پہلے عشق، لیکن جو کھلیں آنکھیں
 سب ہو گئے اٹھ اٹھ کے اک بار غبارِ شمع
 وہ اشک بھری آنکھیں اور درد بھرے نالے
 قرباں رہی آنکھوں کے، صدقے تری نظروں کے
 جاتے رہے دم بھر میں سارے ہی گلے شکوے
 عہدِ غمِ فرقت میں دل اور جگر کیسے؟
 تھا باعثِ رسوائی ہر چند جوں میرا
 اُس چشمِ غزالیں کو میخانہِ دل پایا
 یوں دل کے تڑپنے کا کچھ تو ہے سببِ آخر
 کیا جانے کیا گذری، ہنگامِ جنوں، لیکن
 ماتھے پہ پینہ کیوں؟ آنکھوں میں نمی کیسی؟



میرے لئے چمن بھی بیاباں نکل گیا
 کیا جانے کس طرح سے گریباں نکل گیا
 مانا کہ چشمِ شوق کا ارماں نکل گیا
 سو سو جگہ سے آج گریباں نکل گیا

کانٹا تھا چشمِ یاس میں اک ایک برگِ گل
 دستِ جنوں کا ضعف سے اٹھنا محال تھا
 دل میں تو آگ ہے وہی اب تک لگی ہوئی
 جوشِ جنوں سے کچھ نہ چلی ضبطِ عشق کی



رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی دل ہو گیا
 میں نے جس دل کی طرف دیکھا، مرادل ہو گیا
 گو مجھے اک اک قدم اک ایک منزل ہو گیا
 انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہو گیا
 رازِ میخانے سے باہر نہ ہو میخانے کا
 وہ بھی چھوٹا سا ہے ٹکڑا اسی دیرانے کا
 شمع کے ساتھ تعلق ہے جو پروانے کا
 چشمِ مخمور میں گلِ راز ہے میخانے کا
 شمع منہ دیکھتی ہی رہ گئی پروانے کا

مجھ کو وہ لذت ملی احساسِ مشکل ہو گیا
 اے نگاہِ یاس! یہ کیا رنگِ محفل ہو گیا
 لے کے بچھی بیخودی شوقِ بزمِ یار تک
 ابتدا وہ تھی کہ تھا جینا محبت میں محال
 جب تو کچھ طرف ہے اے دل! ترے پیانے کا
 عرصہ حشر کہاں، یہ دلِ بریاد کہاں
 اس کی تصویر کسی طرح نہیں کھینچ سکتی
 جرعہ سے کی ادا میں نگہِ ناز میں ہیں
 جذبہ شوق نے دم لینے کا موقع نہ دیا

قدم اٹھتے بھلا کیا قیس کے بے چارہ حیراں تھا
خزاں کا دور، وہ پڑ مردہ غنچے، گل وہ افسردہ
کہ ہر ذرہ دیار نجد کا تصویرِ جاناں تھا
چمن لٹتا تھا یا رب! یا کوئی خواب پریشاں تھا
نہ حسرت میری حسرت تھی نہ ارماں میرا ارماں تھا
تھے کرشمے سارے کرشمے تھے
وہ حلم اور وہ تواضع اور وہ طرزِ خود فراموشی
خدا بخشے جگر کو، لاکھ انسانوں کا انساں تھا!



فروغِ حسنِ رُخِ نکو نے کیا یہ کیا انقلاب پیدا!
حجاب پر ہے حجابِ طاری، نقاب پر ہے نقاب پیدا
حیا میں آئے تو رنگ ہستی، ادا میں ہو تو حجاب پیدا
وہ آنکھ خود ہی بنے گی ساتی، نظر کرے گی شراب پیدا
سنیں تو وہ میرا تقصہ غم، نہیں تو وہ دردِ دل کے محرم
کرے گا ایک ایک اشکِ حسرت ہزار چشم پر آب پیدا
کہاں کا میخانہ، کس کا ساتی، کچھ اور بڑھنے دو بخودی کو!
یہی بنائے گی جامِ دِساغر، یہی کرے گی شراب پیدا
نظر کی ناکامیوں نے مجھ پر، یہ رازِ ظاہر کیا بالآخر
کہ بے حجابی میں بھی ہے تیری ہزار رنگِ حجاب پیدا
تڑپ یہ دل کی کہ بے حسی بھی ہزار جاں سے تارِ جنس پر
سکون ایسا کہ جس کی ہر ہر ادا سے لاکھ اضطراب پیدا

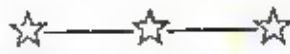


یہی ہے سب سے بڑھ کر محرمِ اسرار ہو جانا
محبت میں کہاں ممکن ذلیل و خوار ہو جانا
گھلے گا چارہ گر پر رازِ غم کیا درد کے ہوتے
ہوا کا اُس طرف اُن کا نقابِ رُخِ اُلٹ وینا
اثر لینا تھا ہم کو ہر ادائے حسن سے اُن کی
گریں ہر ہر قدم پر بجلیاں راہِ محبت میں
ادھر دامن کسی کا جھاڑ کر محفل سے اٹھ جانا
وصال و ہجر کے جھگڑوں نے فرصت ہی نہ دی، ورنہ
زباں گوہرِ ہونئی، دل میں تلاطم ہے وہی برپا
میسر ہو اگر اپنا ہمیں دیدار ہو جانا
کہ پہلی شرط ہے انساں کا خود دار ہو جانا
کہ آتا ہے اسے خود نبض کی رفتار ہو جانا
ادھر اک اک لہو کی بوند کا سرشار ہو جانا
مگر لازم نہ تھا زسوا سر بازار ہو جانا
بڑی مشکل سے آیا طالبِ دیدار ہو جانا
ادھر نظروں میں ہر ہر چیز کا بے کار ہو جانا
مالِ عاشقی تھا رُوح کا بیدار ہو جانا
نہ آیا آج تک محو خیالِ یار ہو جانا

جگر وہ خاک ہی تو سرمہ چشمِ دو عالم ہے میسر ہو جسے صرف جمالِ یار ہو جانا



کہاں ممکن تھا اُس چشمِ عنایت کا ادھر ہونا مگر کام آگیا میری نغاں کا بے اثر ہونا



گرتے گرتے ایک طوفاں پھر قیامت زا ہوا وہ جو اک آنسو مری مڑگاں پہ تھا ٹھہرا ہوا
اب تو آنکھیں کھول، اور افادہ گوئے حبیب! جھانکتا ہے کوئی دروازے سے شرمانا ہوا
دیدہ حق میں ہے کیا فرق، کیسا امتیاز ایک ہی جلوہ کہیں مجنوں، کہیں لیلیا ہوا
ذڑے ذڑے میں بھی ساری ایک موج انقلاب منظرِ فطرت کو میں دیکھا کیا سہا ہوا
اللہ اللہ! یہ کمالِ جذبہٴ پنہانِ عشق! جو گرا آنکھوں سے آنسوِ حسن کا دریا ہوا
بڑھتے بڑھتے آفتابِ روزِ محشر بن گیا دل کی خاکستریں اک شعلہ تھا جو بھڑکا ہوا
لے چلا ہوں میں بھی نذرِ حسنِ جاناں کو، جگر ساتھ دل کے ایک سازِ آرزو ٹوٹا ہوا



صیاد مجھ سے دُور ہے، خوش باغباں ہے اب جس شاخ پر نظر میں کروں، آشیاں ہے اب
نازک لبوں پہ شکوہِ دردِ نہاں ہے اب اُن کا دہن ہے اور ہماری زباں ہے اب
چشمِ طلب میں اور کوئی آشیاں ہے اب میرے لئے قفس مجھے سارا جہاں ہے اب



دل کی کیا تاب کہ پہنچے صفِ مڑگاں کے قریب جلوے خود لوٹ رہے ہیں رُخِ تاباں کے قریب
خون ہو ہو کے نہبے جاتے ہیں سب قلب و جگر کوئی نشتر نہ ہو پوشیدہ رگِ جاں کے قریب
داغِ فرقت کے دہکتے ہوئے انگارے میں ہاتھ لانا تو مرے سینہ سوزاں کے قریب
تابِ دیدارِ رُخِ یار کہاں سے لاؤں؟ گر پڑی جا کے نظر گوشہٴ داماں کے قریب
گر نہیں خارِ محبت کی کرم فرمائی پھر یہ کیا چیز کھلتی ہے رگِ جاں کے قریب
شوق نے توڑ ہی ڈالے تھے محبت کے قیود ہوش آیا ہے پہنچ کر درِ جاناں کے قریب
ہو چکے حسرت و امیدِ عالم سب رخصت اب نہیں کوئی مریضِ شبِ ہجران کے قریب
جب ہمیں منٹ گئے ارمان میں پابوسی کے خاک پہنچی بھی تو کیا گوشہٴ داماں کے قریب
عشق میں سیرِ گلِ دلالہ ہے تمہیدِ بخوں چاہیے ایک بیاباں بھی گلستاں کے قریب
میں، جگر، لاکھ ہوں آوارہ و سرگشتہ، مگر دل ہر اک حال میں ہے حضرتِ احساں کے قریب

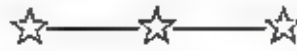
اس قدر رحم مرے حال پہ فرمائیں آپ
باغ فردوس میں تنہا نہ چلے جائیں آپ
ظلم ہے ظلم ہے آئینے سے شرمائیں آپ
اب کسی طرح کی تکلیف نہ فرمائیں آپ
کہ مری طرح نہ دل تھام کے رہ جائیں آپ

صبر کے ساتھ مرادل بھی لئے جائیں آپ
دیکھئے میری تمناؤں کا احساس رہے
میری رگ رگ میں سما کر بھی یہ پردہ مجھ سے
کر دیا دردِ محبت نے مرا کام تمام
نالے کرتے ہوئے رہ رہ کے یہ آتا ہے خیال



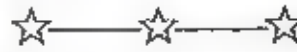
کچھ عجب طرح سے بے چین تری یاد ہے آج
کہ نشیمن بھی مجھے خانہ صیاد ہے آج
نالہ بھی نالہ ہے، فریاد بھی فریاد ہے آج
مژدہ، اے شوق! کہ خالی کف صیاد ہے آج
کل اگر بھول نہ جاؤں، جو مجھے یاد ہے آج

لب پہ نالہ ہے مرے اور نہ فریاد ہے آج
کیا قیامت نگہ یاس کی بیداد ہے آج
بر سرِ رحم وہ شوخِ ستم ایجاد ہے آج
حسرتِ قید بھی اب دل سے نکل جائے گی
ایک اک حرفِ غم دل کا سناٹا ہے انہیں



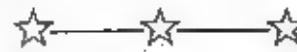
اڑ نہ جائے شمع کو لے کر کہیں پروانہ آج
بھر گیا بے منتِ ساقی مرا پیانہ آج
تم ادھر دیکھا کئے اور لٹ گیا میخانہ آج

اور ہی کچھ کہہ رہا ہے رنگِ بیتابانہ آج
کام آخر کر گئی وہ نرگسِ مستانہ آج
تھک گیا اک ایک میکش اُس نگاہِ مست سے



پہرا ہے صحنِ چمن میں جہاں جہاں صیاد
نہ ہم خیالِ فلک ہے، نہ ہم زباں صیاد

نظر بھی ساتھ رہی ہے قدم قدم پہ مری
سناؤں آہ! کسے سرگزشتِ سیرِ چمن؟



کھل گئیں آنکھیں طلسمِ حسنِ فطرت دیکھ کر
اپنی حالت دیکھتا ہوں اُن کی صورت دیکھ کر
چپ کھڑے ہیں دُور میری خاکِ ثربت دیکھ کر
شمع بھی رخصت ہوئی میری مصیبت دیکھ کر
پاؤں رکھنا میرے گھر، اے شامِ فرقت! دیکھ کر
ہو چکے مایوس آثارِ طبیعت دیکھ کر

ڈڑے ڈڑے سے نمایاں شانِ قدرت دیکھ کر
یہ ہجومِ غم، یہ اندوہ و مصیبت دیکھ کر
کچھ سارے بدن میں، زرد چہرہ، دلِ اداس
عمر بھر کا ساتھ رنج و غم میں دے سکتا ہے کون
گوشے گوشے میں ہے پنہاں جلوہ برقِ جمال
چارہ سازوں سے مریضِ غم کو فرصت مل گئی



رہ گئے بیخودی میں ہم صورت یار دیکھ کر
اشک بھر آئے آنکھ میں کوچہ یار دیکھ کر
زور جنوں سوا ہوا جوش بہار دیکھ کر
میری طرف بڑھا ہوا دامن یار دیکھ کر
پائے برہنہ دیکھ کر، جسم نگار دیکھ کر
آنکھیں ہی چوندھیا گئیں جلوہ یار دیکھ کر

لالہ و گل کو دیکھتے کیا یہ بہار دیکھ کر
ہائے، وہ جوشِ ربط و ضبط، ہائے، یہ بے تعلقی!
یاد کسی کی آہ، کیا کہہ گئی آکے کان میں
شوق نے چٹکیاں ہی لیس، حسرتِ دل چل گئی
اُن سے بھی ہوسکا نہ ضبط، اُن کو بھی رحم آ گیا
تھی یہ ہوس کہ دیکھتے خال و خط بہارِ حسن



جس کے گوشے گوشے میں صدہا چمن، صدہا نفس
بال و پر بکھرے پڑے ہیں آشیاں سے تا نفس
میں ہی خود اپنا گلستاں ہوں میں خود اپنا نفس
سارے گلشن کی حقیقت اک مرا تنہا نفس
حسن کا عالم گلستاں، عشق کی دنیا نفس
اس گلستاں کا نظر آتا ہے ہر تنکا نفس
کیا بیاباں کیا گلستاں، کیا نشیمن کیا نفس
ورنہ اب سے پہلے کیا میں نے نہیں دیکھا نفس
اک طرف صدہا گلستاں، اک طرف صدہا نفس
ہم جہاں بیٹھے وہیں اک کر لیا پیدا نفس
میرا گل حاصل اسیری، میری گل دنیا نفس
اب چمن میرا چمن ہے، اب نفس میرا نفس!
گل تھا گل عالم گلستاں، آج گل دنیا نفس
بُوئے گل آ آ کے ڈھونڈا کی نفس سے تا نفس

وہ چمن میرا چمن ہے، وہ نفس میرا نفس
ہائے! کس بلبل نے اے صیادا! پھر دیکھا نفس
عشق میں کیا لالہ و گل، کیا چمن، کیا نفس
سو بہاروں کی ہے جاں اک میری چشم خونچکاں!
خاک ہو اپنی رسائی جلوہ گاہ یار تک
عشق میں آزاد ہو کر کیا کروں سیر بہار
اضطرابِ دل کے ہاتھوں سب برابر ہیں مجھے
کچھ تو ایسی بات ہے جی بیٹھا جاتا ہے مرا
رکھ دیئے ہیں سامنے لا کر کمالِ عشق نے
تم جدھر نکلے ادھر اک چھا گئی تازہ بہار
کیا چمن کا حال مجھ سے پوچھتا ہے ہم نشیں!
باغبان مجھ سے ہے خوش صیاد مجھ پر مہربان
دو ہی دن میں ہو گیا، اے دل یہ کیسا انقلاب
میں وہ غیرت مند بلبل تھا، دکھایا پھر نہ منہ



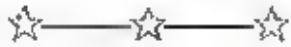
وہ مست مانند رند آنکھیں، وہ سرخ مثل گلاب عارض
جو ہیں مجسم شراب آنکھیں، تو ہے سراپا شباب عارض
دلوں کو بے چین کر رہی ہے بنی ہوئی برق اُن کی شوخی!
نظر کو تیرہ بنا رہا ہے لئے ہوئے آفتاب عارض

برس رہا ہے یہ رنگِ مستی کہ ہوش باقی نہیں کسی کو
نگاہیں اُن کی تھکی ہوئی ہیں، پلا رہا ہے شرابِ عارض



لپٹے پڑے ہیں لذتِ دردِ نہاں سے ہم
کچھ دُور آگے بڑھ گئے عمرِ رواں سے ہم
اب پچھے شرطِ باندھ کے عمرِ رواں سے ہم
اک راز ہے جو کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم
روئے لپٹ کے گردِ پسِ کارواں سے ہم
باز آئے چاہِ سازیِ دردِ نہاں سے ہم
پہروں لپٹ کے زوئے دلِ ناتواں سے ہم
اب کے اگر ملے دلِ حسرتِ نشاں سے ہم
آخر لپٹ کے سو گئے دردِ نہاں سے ہم
خوش ہو رہے ہیں گھر کا گھر وندا بنا کے ہم
گم ہو گئے ہیں بزمِ تمنا میں آ کے ہم
کیا حال ہو، جو دیکھ لیں پردہ اٹھا کے ہم
جی چاہتا ہے پھینک دیں ساغر اٹھا کے ہم
آئینہ بن گئے تری اک اک ادا کے ہم

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم
اس درجہ بیقرار تھے دردِ نہاں سے ہم
کب تک رہیں گے دُور ترے آسماں سے ہم
اے چارہ ساز! حالتِ دردِ نہاں نہ پوچھ
تقدیر نے اسے بھی نظر سے چھپا دیا
سو جائیں ہوں تو لذتِ آزار پر نثار
بیٹھے ہی بیٹھے آگیا کیا جانے، کیا خیال
پوچھیں گے سرگزشتِ مصیبت کی ابتدا
بے تابیوں نے کام دیا دستِ ناز کا
اند ری حسن و عشق کی سحر آفرینیاں
کس کس پہ جان دیجئے، کس کس کو چلانیے
اتنے حجابوں پر تو یہ عالم ہے سن کا
یہ بے دلی کا زور ہے سالی کے ہجر میں
تاثرِ جذبِ عشق کا اللہ رے، کمال!



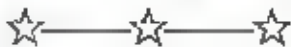
خمِ حجاز کی پی کر شراب آتے ہیں
خراب حال بحالِ خراب آتے ہیں
حضور آتے ہیں اور بے نقاب آتے ہیں
فرشتے لے کے خمِ آفتاب آتے ہیں

سرور کم نہ کہی ہو گا اب قیامت تک
کوئی نہ جا کے درِ پاک پر خبر کر دے
کہو یہ حضرتِ موسیٰ سے اب سننہل جائیں
وہ رند ہوں کہ صبحی کے واسطے ہر روز



جس آنکھ سے ہم حسنِ بٹیاں دیکھ رہے ہیں
بارے تری محفل کا سماں دیکھ رہے ہیں
ہر چند کہ زورِ خفقاں دیکھ رہے ہیں
سوکھی ہوئی کانتوں کی زباں دیکھ رہے ہیں

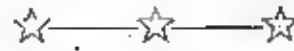
اے کاش! وہ حسرتِ زدہ طور کو ملتی!!
ہر چند کہ تھمتے نہیں آنسو صفتِ شمع!
پھر آپ نے پھیڑی وہی گیسو کی شکایت
تا چند کریں ضبطِ مرے آبلہ پا



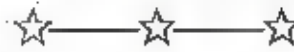
غم سے چھوٹوں، تو ادھر دیکھوں میں
 نگہ یاس اثر دیکھوں میں!
 آشیاں کے جو اٹھالوں تنکے
 داغ ہی داغ نظر آتے ہیں!
 دم گھٹا جاتا ہے، اے دستِ جنوں!
 نہ وہ محفل ہے، نہ وہ پروانے
 نزع میں ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں
 دل دیوانہ، یہ قسمت میری
 چھوٹ جاؤں جو غم ہستی سے
 دل کو رولوں، تو جگر دیکھوں میں
 دامن یار بھی تر دیکھوں میں
 اپنے ٹوٹے ہوئے پر دیکھوں میں
 کس طرح قلب و جگر دیکھوں میں
 چاک و اماں سحر دیکھوں میں
 خاک، اے شمعِ سحر، دیکھوں میں
 کاش! انہیں ایک نظر دیکھوں میں
 کہ تجھے خاک بر دیکھوں میں
 بھول کر بھی نہ ادھر دیکھوں میں



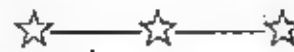
عرش سے ہو کے جو مایوس دعائیں آئیں
 میں نے جب شرم سے محشر میں تھکالی گردن
 کیجئے اور کوئی ظلم، اگر ضد ہے یہی!
 مدتوں یاد دلایا گیا افسانہ غم!
 کسی بیکس کا پڑا صبر کسی پر شاید!
 پوچھو افسانہ غم، شام سے لے کر تا صبح
 میں نے جب مرحلہ عشق کیا ختم، جگر
 میں یہ سمجھا کہ مرے گھر میں بلائیں آئیں
 بخشوانے کو مجھے میری خطائیں آئیں
 لیجئے اور مرے لب پہ دعائیں آئیں
 دل اگر خاک ہو دل کی صدائیں آئیں
 آج اس بہت سے ناساز ہوائیں آئیں
 کیا بھیا تک مرے کانوں میں صدائیں آئی
 مر جا کی مرے کانوں میں صدائیں آئیں



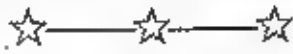
اُس کوچے میں ہوں صورتِ یک نقشِ وفا نہیں
 بن بن کے مٹاؤ نہ مرا نقشہ ہستی
 اے اہلِ حقیقت! مجھے آنکھوں پہ بٹھاؤ
 دُنیا نے مٹایا مجھے، لیکن نہ مٹا نہیں
 مٹ مٹ کے بنا ہوں ہمہ تن نقشِ وفا میں
 طے کر کے چلا آتا ہوں میدانِ وفا میں



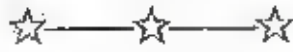
مجھے دُنیا سے کیا مطلب کہ میں آپ اپنی دُنیا ہوں
 خدا جانے کہ کس کا درد ہوں کس کی تمنا ہوں
 خرمِ قدس کہتے ہیں جسے، میں اُس کا پردہ ہوں
 تار اپنے پہ ہو جاؤں، اگر سو بار پیدا ہوں
 سراپا آرزو ہوں، درد ہوں، داغ تمنا ہوں
 کبھی کیفِ مجسم ہوں، کبھی شوقِ سراپا ہوں
 مجھے جنبش میں کیا لائے گی مورخِ صرصرِ عالم
 مجھی میں حُسن کا عالم، مجھی میں عشق کی دُنیا



لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں، فریاد نہیں پھر بھی کہتے ہیں کہ تو لائق پیدا نہیں



ضبطِ غم کا متحمل دل بخور نہیں
طلبِ حُلد نہیں، آرزوئے خور نہیں
اللہ اللہ ری یہ رنگِ حقیقت کی بہار!
سخت مشکل سے پڑا آج گریبان پہ ہاتھ
دل کے ہوتے ہوئے جاتے ہو کہاں، اے موسیٰ!



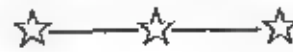
خود آشیاں کو آگ لگا دی بہار میں
دل ہی تو ہے رہا نہ رہا اختیار میں
ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں
اک لطف آ چلا تھا غمِ انتظار میں
مختر بنا ہوا ہوں تمنائے یار میں
کیا لطف، جب ہمیں نہ رہے اختیار میں



چھوڑا نہ تپِ عشق نے کچھ بھی کسی گھر میں
اب شمع بھی بجھتی ہے، مرادم ہے لبوں پر
پھر برق سے مجھ کو نہ رہے کوئی شکایت



یہی کہہ کے تسلیٰ دلِ ناشاد کرتے ہیں
بنا کر اپنے ہاتھوں آشیاں برباد کرتے ہیں



اب میرا حال لائقِ اظہار بھی نہیں
یعنی کہ ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
باقی کفن کئے واسطے اک تار بھی نہیں
جب میں نہیں تو رونقِ گلزار بھی نہیں
اور کچھ یہ ہے کہ مصلحتِ یار بھی نہیں

اچھا ہے پاس اگر کوئی غم خوار بھی نہیں
حسرت سے اب نگہِ طرفِ یار بھی نہیں
دامان و جیب ہو گئے نذرِ جنوں تمام
صیاد میرے دم سے ہیں سارے یہ چھپے
کچھ یہ کہ عرضِ شوق کی طاقت نہیں مجھے

وہ دل کہ جس پر حرفِ تمنا بھی بار تھا
دل میں ہجومِ شوق کا عالم نہ پوچھے

☆—☆—☆

خوفِ صیاد سے عالم ہے یہ بیٹائی کا
بچ رہا ہو جو کوئی جوشِ جنوں کے ہاتھوں

☆—☆—☆

عنائیت کی جس پر نظر دیکھتے ہیں!
وہی راہِ عشاق چلتے ہیں ان کے
ہم اُس کا دل، اُس کا جگر دیکھتے ہیں
کہ جس راہ کو پُر خطر دیکھتے ہیں
سمتے ہوئے بال و پر دیکھتے ہیں

☆—☆—☆

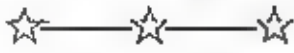
ڈوب کر دل میں وہ نظریں تیر و پیکاں ہو گئیں
حُسن کی شانیں تھیں جتنی سب نمایاں ہو گئیں
اور بھی میرے لئے آفت کا ساماں ہو گئیں
دھجیاں پاتی ہیں جتنی اب مرے کس کام کی
ہو چلی تھیں عرضِ عم پر وہ نگاہیں تیز تیز
عرصہ گاہِ عشق میں آزادیاں کس کو نصیب
اب کہاں دل کی تمناؤں کی بزمِ آریاں
ان جنوں سامانیوں پر کیا رہائی کی امید
عشق کی بے تابیاں کب چھوڑ سکتی ہیں مجھے
دل کی تسکین کے لئے دو پھولِ دامن میں نہیں
چینِ اسیرانِ قفس کو یا گلشن میں نہیں
وہ گلوں پر نازگی، رونق وہ گلشن میں نہیں
چھوٹا قیدِ قفس سے کیا قیامت ہو گیا
اُس طرف صیاد کی نظریں، ادھر نالے مرے
دید کے قابل ہے یہ رنگِ سبکِ رُوحی مرا
کیوں خزاں میں سر جھکائے مضمحل بیٹھا ہوں
رک گئی گنجِ قفس میں خود بخود میری زباں!

☆—☆—☆

رہ گئیں جو دل کے باہر نشتر جاں ہو گئیں
جو ترے رُخ سے بچیں، رنگِ گلستاں ہو گئیں
ہائے! وہ مخمور آنکھیں جب پشیاں ہو گئیں
جو گریباں ہونے والی تھیں، گریباں ہو گئیں
بھرنہ جانے، کیا خیال آیا پشیمان ہو گئیں
خود مری آہیں مجھے دیوارِ زنداں ہو گئیں
آنکھ جھپکی تھی کہ سب خواب پریشاں ہو گئیں
حسرتیں بھی دفن زیرِ خاکِ زنداں ہو گئیں
فرق اتنا ہے کہ ان آنکھوں سے نہاں ہو گئیں
اس طرح ہوں آج گلشن میں، کہ گلشن میں نہیں
دوڑتی ہیں بجلیاں، سیلابِ خون تن میں نہیں
خاک سی اڑتی ہے جب سے میں نشمن میں نہیں
اب برائے نام بھی راحتِ نشمن میں نہیں
یا وہ گلشن میں نہیں اب، یا میں گلشن میں نہیں
ڈھونڈتی ہے برقِ مجھ کو میں نشمن میں نہیں
میری نظروں میں تو ہیں جو پھولِ گلشن میں نہیں
شاید اک تنکا بھی باقی اب نشمن میں نہیں

جوش وہ رنگینیوں کا اُن کے پریکاں میں نہیں
 کوئی دیوانہ ہی اس عہد پریشاں میں نہیں
 فیضِ سوزِ عشق سے، اے دل! سراپا داغ ہوں
 نالہ پُر درد، یوئے سوزِ دل، داغِ جگر
 بھرنہ دی ہو زورِ جس میں وحشتِ دل نے مری

کیا کوئی قطرہ لہو کا اب رگِ جاں میں نہیں
 ورنہ جو صحرائیں قیدی ہیں، وہ زنداں میں نہیں
 جو بہار اب مجھ میں ہے، سارے گلستاں میں نہیں
 یہ بہاریں ہیں قفس کی، جو گلستاں میں نہیں
 ایک ذرہ بھی کوئی ایسا بیاباں میں نہیں



جو اب اُن کا کہاں سارے جہاں میں
 لبوں تک جان بھی کھچ آئی، یا رب!
 جگہ پر اپنی چھوڑ آیا ہوں، صیاد
 اشارہ ہے کسی کی اک نظر کا
 بتا دے بے خودیِ عشق! اتنا
 حقیقت کھول کر اک دن رہیں گے
 بڑھی جاتی ہے وحشت ہر قدم پر
 یہ رنگِ اتحاوا، اللہ اکبر!
 جس کے بھی جو اٹھ کر ہوش کھو دیں
 رہی لرزاں ہمیشہ اُن سے بکلی!
 کئے جانے اے بلبل! کئے جا

دبی ہیں بجلیاں جو آشیاں میں
 توقف کیا ہے برگِ ناگہاں میں
 لہو کے چند قطرے آشیاں میں
 وگرنہ کیا ہے جانِ ناتواں میں
 قفس میں ہوں کہ ہوں میں آشیاں میں
 وہ آنسو، جو ہیں چشمِ راز داں میں
 مچھپا جاتا ہوں گردِ کارداں میں
 شبیہ دل ہے ہر اشکِ رواں میں
 وہ نغمے ہیں مرے سازِ نغاں میں
 جو تنگے بچ رہے تھے آشیاں میں
 قفس بھی مل رہے گا آشیاں میں



کسی نے پھر نہ سنا درد کے فسانے کو
 اب اس میں جان مری جائے یاد ہے، صیاد!
 چلا نہ پھر کوئی مجھ پر فریب ہستی کا
 فلک! ذرا مری اس بے بسی کی داد تو دے
 وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا
 قفس کی یاد میں پھر جی یہ چاہتا ہے، جگر

مرے نہ ہونے سے راحت ہوئی زمانے کو
 بہار میں تو نہ چھوڑوں گا آشیانے کو
 لحد تک آئی اجل بھی مرے منانے کو
 قفس میں بیٹھ کے روتا ہوں آشیانے کو
 ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو
 لگا کے آگ نکل جاؤں آشیانے کو



جب کبھی چھیڑا بچوں نے دیدہٴ خونبار کو
 ٹھیس لگ جائے نہ اُن کی حسرتِ ویدار کو

بھر دیا بھولوں سے ہم نے دامنِ کہسار کو
 اے ہجومِ غم! سنہلنے دے ذرا بیمار کو

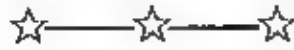
اور ہم جنت سمجھتے ہیں ترے دیدار کو
آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ساغر سرشار کو
دیکھنا پڑتا ہے اندازِ نگاہِ یار کو
دُھن لگی تھی کوچہ قاتل کو میرے یار کو

فکر ہے زاہد کو حور کوثر و تسنیم کی
دیکھنے والے نگاہِ مست ساقی کی کبھی
ہر قدم پر، ہر روش پر، ہر ادا پر، ہر جگہ
لاکھ سمجھایا جگر کو ایک بھی مانی نہ بات



یوں مجھ سے ملو تم کہ مجھے بھی نہ خبر ہو
اس طرح بسر ہو، تو بہت خوب بسر ہو
کیا حال ہو میرا، جو عنایت کی نظر ہو
اب حشر بھی اٹھے، تو مجھے کچھ نہ خبر ہو
اللہ کرے، جلد شبِ غم کی سحر ہو!
ایسا نہ ہو، بیتاب تمہاری ہی نظر ہو

واقفِ غمِ اُلفت سے نہ دل ہو، نہ جگر ہو
یہ سر ہو اور اُس شوخِ ستم گار کا در ہو
اس قہر و غضب پر تو فدا دیدہ و دل ہیں
سر رکھ ہی دیا سنگِ درِ یار پہ میں نے
حالتِ دلِ مایوس کی دیکھی نہیں جاتی
رہ رہ کے تڑپ جاتی ہے سینے میں کوئی چیز



میں ڈر رہا ہوں کی مضطر نگاہِ یار نہ ہو
نظر کے سامنے کچھ بھی سوائے یار نہ ہو
خود اپنا عیب ہے، سینہ اگر نگار نہ ہو
سناؤں قصہٴ فرقت، جو ناگوار نہ ہو
نگاہ ہی میں جو کیفیتِ بہار نہ ہو
کہ یہ کسی کی کہیں چشمِ انتظار نہ ہو
کسی سبب سے بظاہر جو بے قرار نہ ہو
مگر جو خاطرِ نازک پہ کوئی بار نہ ہو
کہ خود بھی چاہیں اگر وہ تو ہوشیار نہ ہو
یہ کیا مجال، جہاں میں ہوں اور بہار نہ ہو
قریب ہی کہیں لیکن نگاہِ یار نہ ہو
وہ مست ہوں کہ کوئی پی کے بادہ خوار نہ ہو

دفورِ کیف سے دل اتنا بے قرار نہ ہو
شریکِ عشق اگر عقلِ پردہ دار نہ ہو
نگاہِ یار کا ممکن نہیں کہ وار نہ ہو
دکھاؤں داغِ محبت جو ہو قصورِ معاف
کہاں کے سروِ صنوبر، کہاں کے لالہ و گل
انہیں تو دیکھ کے آئینہ وہم کرتا ہے
عجب زمانہ ہے، کرتا نہیں اسے تسلیم
بس اک نگاہِ محبت سے دیکھ لینا ہے
نصیبِ دل کو ہو یوں محوِ آرزو ہونا
بھرے ہوئے ہیں نگاہوں میں حُسن کے جلوے
خیالِ وصل سے کر تو رہا ہوں کچھ باتیں
میں سن کے حضرتِ اصغر کے، اے جگرِ اشعار



کہ بُوئے گل بھی ہے اس وقت ناگوار مجھے
سنا نفس میں نہ کیفیتِ بہار مجھے

نہ چھیڑاُن کے تصور میں، اے بہار! مجھے
تڑپ کے رُوحِ نکل جائے گی ابھی صیاد

نگاہِ یاس! ذرا تو ہی کام کر اپنا
کسی کا وعدہ دیدار، میرا جذبہ شوق
ہجومِ یاس میں کوشش نہ کوئی کام آئی
کہیں مرا دلِ گم گشتہ ہو نہ خاکِ بسر
جنوں کی خیر ہو، یارب! کہ ضعف کے ہاتھوں

☆—☆—☆

رخ پہ جھونکوں سے جو زلفِ دوتا پھرتی ہے
یاس جانا، دلِ بیتاب، سنبھل کر شبِ وصل
کچھ ہمیں جانتے ہیں لطفِ تری بے کوچے کے
مدد، اے جذبہِ دل! حوصلہ اے دردِ فراق!
بھول سکتا ہوں کہیں اُن کی محبت کے مزے

☆—☆—☆

دل کو مٹا کے داغِ تمنا دیا مجھے
محشر میں بات بھی نہ زباں سے نکل سکی
میں اور آرزوئے وصالِ پری رُخاں
ہر بار یاس ہجر میں دل کی ہوئی شریک
اللہ رے، تیغِ عشق کی برہم مزاجیاں!
خوش ہوں کہ حُسنِ یار نے خود اپنے ہاتھ سے
دنیا سے کھو چکا تھا مرا جوشِ انتظار
دعویٰ کیا تھا ضبطِ محبت کا، اے جگر!

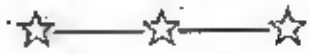
☆—☆—☆

ہم اور ان کے سامنے عرضِ نیازِ عشق
آئی ہے موتِ منزلِ مقصود دیکھ کر
لیکن ہجومِ عشق سے مجبور ہو گئے
اتنے ہوئے قریب کہ ہم دور ہو گئے

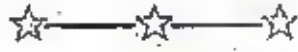
☆—☆—☆

کچھ بات بن پڑی نہ دلِ داد خواہ سے
کوئی نہ بچ سکا، تری قاتلِ نگاہ سے
کیا جانے کیا وہ کہہ گئی نیچی نگاہ سے
ڈرے بھی صدقے ہو گئے اٹھ اٹھ کے راہ سے

یہ جانتا ہوں، جانتے ہو، میرا حالِ دل یہ دیکھتا ہوں، دیکھتے ہو کس نگاہ سے



اس درجہ محوِ لذتِ رنج و سخن ہوئے
ہر وقت تازہ چائیں غم کی نشانیاں
ناوک بھی اس نگاہ کے جزوِ بدن ہوئے
جو داغ بھی پڑے تھے وہ داغ کہن ہوئے
کہتے ہیں میرے بعد غریب الوطن ہوئے
غریت کا رشک بھی نہ گوارا ہوا، جگر



کیا خبر تھی خلشِ ناز نہ جینے دے گی
قہر کی لاکھ نگاہوں کی ضرورت کیا ہے؟
یہ تری پیار کی آواز نہ جینے دے گی
لطف کی اک نگہ ناز نہ جینے دے گی
کیا مری حسرت پرواز نہ جینے دے گی؟
تیری شوخی، ستم ناز! نہ جینے دے گی
مسکِ عشق مرا مجھ کو نہ مرنے دے گا



کیا چیز تھی، کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی
ہوتی ہی نہیں کم شبِ فرقت کی سیاہی
اُف کر کے وہیں بیٹھ گیا دردِ جگر بھی
زخمت ہوئی کیا شام کے ہمراہ سحر بھی؟
دل لے کے چلے ہو، تو لئے جاؤ نظر بھی!
دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی
اللہ دکھائے گا تو دیکھیں گے سحر بھی
آنکھوں میں اتر آئے مرا کیفِ نظر بھی
دیکھی ہے ان آنکھوں نے قیامت کی سحر بھی
اُس درد کے صدقے، جو ادھر بھی ہو ادھر بھی
اغیار بھی موجود ہیں، حاضر ہے جگر بھی



گر چشمِ آرزو کی حالت یہی رہے گی
تم خاک میں ملا دو دل کو، جگر کو، لیکن
پردے میں بھی کس کی بے پردگی رہے گی
ارماں یہی رہیں گئے حسرت یہی رہے گی
تیرے مزاج میں بھی آشفنگی رہے گی



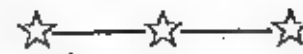
اُداسی طبیعت پہ چھا جائے گی
شبِ غم کرشنے دکھا جائے گی
انہیں جب میری یاد آ جائے گی
کئی آنسوؤں کی رُلا جائے گی

میرے بعد ڈھونڈ گے میری دفا
مجھے اُس کے در پر ہے مرنا ضرور
مرے ساتھ میری دفا جائے گی
میری یہ ادا اُس کو بھا جائے گی



چینی ہے کس انداز سے، کس کرب و بلا سے
انسان کو لازم ہے رہے دُور ریا سے
جی سیر ہو کس طرح نئے ہوش رُبا سے
اُٹھے نہ قدم جاوے تسلیم و رضا سے
پھر خُسن کے جلوؤں نے بنایا مجھے بے خود
گزا ہے دل دجاں سے اسی راہ میں کوئی
بیٹائی دل تھی وہ مری آہ جنوں خیز

دل ٹوٹ گیا نالہ بلبُل کی صدا سے
یہ چیز جُدا کرتی ہے بندے کو خُدا سے
مستی کو ہے بیعت مری رندانہ ادا سے
آواز یہ آتی ہے مزار شہدا سے
ہشیار ہوا تھا جس دل کی صدا نے
سجدوں کے نشاں پوچھ لو نقش کف پا سے
کانٹے بھی کھلکتے رہے مجھ آبلہ پا سے



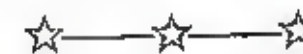
صدموں کی جان، درد کا قالب دیا مجھے
دی جان بھی تو سوز و الم سے چلی ہوئی
دیتی تھی میرے دل کو جو شوریدگی عشق

جو کچھ دیا کسی نے، مناسب دیا مجھے
دل بھی دیا تو جان کا طالب دیا مجھے
پھر کیوں خیالِ حفظِ مراتب دیا مجھے



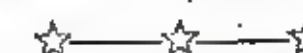
اُٹھا نہ دیدہ بلبُل سے پردہ غفلت
ہجومِ شوق میں دل کے بھی ہو گئے نکلے
خیالِ یارا! کہاں تک خموشیاں تیری!

ہلاک ہو گئی کم بخت رنگ و بو کے لئے
مکانِ تنگ تھا، دُنیا کے آرزو کے لئے
زبانِ دہن میں ہے بیتاب گفتگو کے لئے

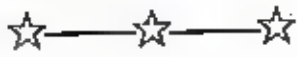


آہ! میری یہ فغاں اب نہ سنی جائے گی!
پھر گئی اُن کی نظر، پھر گئے دُنیا سے وہ
یاس بھرا درِ دل اب نہ کہا جائے گا
قصہ غم کہہ کے میں لیجئے خاموش ہوں
بزم سے با چشمِ ترا اُٹھ گئے کہتے ہوئے
رحم انہیں آگیا میرے دل زار پر
کہہ کے بُرا غیر کو اُن کو خفا کر دیا!

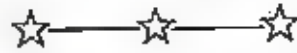
اب نہ سنو داستاں، اب نہ سنی جائے گی
دوستی جسم و جاں اب نہ سنی جائے گی
درد بھری داستاں اب نہ سنی جائے گی
میرے دہن میں زبان اب نہ سنی جائے گی
”ہم سے تری داستاں اب نہ سنی جائے گی“
یہ روشِ آسماں، اب نہ سنی جائے گی
بات جگر کی وہاں اب نہ سنی جائے گی



یہ نہیں، تیری آرزو نہ کرے
دل مگر خالی ہائے و ہو نہ کرے
غم ہوا ہوں خیالِ جاناں میں
بے خودی میری جستجو نہ کرے
ختم سرمایہٴ شکیب ہوا
چھیڑ اب تیری آرزو نہ کرے
ناز کرتے ہیں مہول گلشن میں
کہیں رسوا یہ رنگ و بو نہ کرے
خاک ہے جذبِ عشق کی تاثیر
خامشی بھی جو گفتگو نہ کرے
ڈر ہے مجھ کو میری حیرانی
آئینہ اُن کے زور و نہ کرے
یاد بھی اُن کی اے جگر! صد حیف
پریش داغِ آرزو نہ کرے



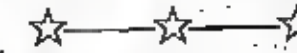
برسائی آنسوؤں کی جھڑی چشمِ یار نے
کیا اٹھ کے کہہ دیا مری خاکِ مزار نے
اے شوقِ مرگ! پھر وہی میں ہوں، وہی قفس
آسان کر نہ دی مری مشکل بہار نے



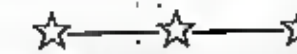
سر میں پھر لہر جنوں کی صفتِ تیر چلی
اے فلک روک مرے پاؤں سے زنجیر چلی
صدقے اُن ہاتھوں کے، مجھ کو بھی خبر تک نہ ہوئی
اس نزاکت سے گلے پر مرے شمشیر چلی
اب مری لاش پہ کیوں سوگ لئے بیٹھے ہو
تم نے شمشیر چلائی تھی، تو شمشیر چلی



عاشقی یاس کی محکوم ہوئی جاتی ہے
بے کسی اب مرا مفہوم ہوئی جاتی ہے
دل ہوا خاک تب غم سے مگر دل کی جگہ
اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
وائے ایذا طلبی! شدتِ غم کے ہاتھوں
طاقت گر یہ بھی معدوم ہوئی جاتی ہے
ہم تو سمجھے تھے، غمِ عشق فنا کر دے گی
اب یہ اُمید بھی موہوم ہوئی جاتی ہے
وہی دل ہے، جو ٹھننا جاتا ہے دامن سے ترے
وہی قسمت ہے، جو محروم ہوئی جاتی ہے
دل دھڑکنے کا بھی غنیمت ہے تری فرقت میں
کہ خبر تو مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
اے جگر! بات یہ کیا ہے کہ مری نظروں میں
آج جو چیز ہے، معدوم ہوئی جاتی ہے



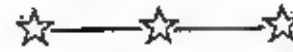
نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے
دن کٹ گیا، تو رات کا کتنا محال ہے
آنکھوں سے جانِ جائے فرقت کا ماجرا
اشکوں سے پوچھ لیجئے، جو دل کا حال ہے



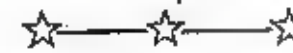
نظر ملتے ہی دل کو وقفِ تسلیم و رضا کر دے
 وفا پر دل کو صدقے، جان کو نذرِ جفا کر دے
 جہاں سے ابتدا کی ہے، وہیں پر انتہا کر دے
 محبت میں یہ لازم ہے کہ جو کچھ ہو، فنا کر دے
 مرا کیا حال ہو صیاد اگر مجھ کو رہا کر دے
 الہی! تو اگر حسن قبول اُن کو عطا کر دے
 کہیں ایسا نہ ہو، اُن کو بھی عالم آشنا کر دے
 تری مجنوں ادائیگی سے جگر یہ خوف آتا ہے



شب وصل کیا مختصر ہو گئی
 نگاہوں نے سب رازِ دل کہہ دیا
 ذرا آنکھ چھپکی سحر ہو گئی
 انہیں آج اپنی خبر ہو گئی
 یہ ترکیب اگر کارگر ہو گئی
 سنا ہے کہ اُن کو خبر ہو گئی
 ہمیشہ کو نیچی نظر ہو گئی
 بس اب داستاں مختصر ہو گئی
 بڑی چیز ہے طرزِ بیگانگی
 الہی! بُرا ہو غمِ عشق کا
 کئے مجھ پہ احساں غمِ یار نے
 نمایاں ہوئی صبحِ پیری، جگر



کیا لطف پوچھتے ہو پُر شوقِ زندگی کے
 بے حکمِ عشقِ مر کے، بے اذنِ عشقِ جی کے
 جی جی اٹھا ہوں مر کے، مر مر گیا ہوں جی کے
 کرتے ہیں مفت ضائع اوقاتِ زندگی کے
 حاصل ہوئی تھی فرحت جس زخمِ دل کو سی کے
 گویا برس رہے ہیں انوارِ زندگی کے
 قُربانِ اس ادا کے، اس بے تعلقی کے
 کیا لطف پوچھتے ہیں وہ میری حالتِ دل
 دیکھا تو اس جگہ پر لاکھوں ہیں زخمِ تازہ
 فیضِ بہار سے ہے عالم یہ تازگی کا
 اک اک سے پوچھتے ہیں وہ میری حالتِ دل

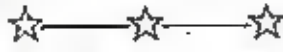


فلک کے جور، زمانے کے غم اٹھائے ہوئے
 نہ جانے دل میں وہ کیا سوچتے رہے پیہم
 ہمیں بہت نہ ستاؤ کہ ہیں ستائے ہوئے
 مرے جنازے پہ تادیر سر جھکائے ہوئے
 نگاہِ شوق نے محشر میں صاف تاڑ لیا
 انہیں میں رازِ محبت کسی کا پنہاں تھا
 کہیں وہ چھپتے کہ آنکھوں میں تھے سمائے ہوئے
 جو خشک ہو گئے آنسو مژہ تک آئے ہوئے
 جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگائے ہوئے
 حدودِ کوچہ محبوب ہیں وہیں سے شروع

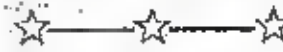


چلے گا کام تمہارا نہ اب گواہوں سے
 اثر کو بھی نہ رہا ربطِ دل کی آہوں سے
 کہ ٹپکی پڑتی ہے شرمندگی نگاہوں سے
 خدا پناہ میں رکھے تری نگاہوں سے

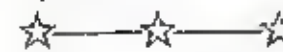
کہیں تمہیں بھی نہ پڑ جائے کام آہوں سے
 مریض ہجر کے چہرے پر آگئی رونق
 زمین بھی نہ اٹھائے گی، میری خاک کا بار
 جگر، بتائیے کچھ حال زار، خیر تو ہے
 بچے ہو تم مری حسرت بھری نگاہوں سے
 ابھی تو کہہ گئے، کیا جانے کیا نگاہوں سے
 گرا دیا مجھے تم نے اگر نگاہوں سے
 یہ کیوں برستی ہیں مایوسیاں نگاہوں سے



دل کی خبر نہ ہوش کسی کو جگر کا ہے
 اس سمت دیکھتی بھی نہیں، رخ جدھر کا ہے
 دل رکھ دیا ہے سامنے لا کر خلوص سے
 سب رفتہ رفتہ داغِ الم دے گئے، مگر
 میرے دلِ حزیں میں کہاں تابِ اضطراب
 کس طرح دیکھوں جلوۂ جاناں کو بے حجاب
 پیہم ہجومِ یاس سے آتا نہیں یقیں
 اللہ! اب یہ حال تمہاری نظر کا ہے!
 سب سے جدا اصول تمہاری نظر کا ہے
 آگے اب اس کے کام تمہاری نظر کا ہے
 محفوظ ہے وہ زخم جو پہلی نظر کا ہے
 جو کچھ کمال ہے وہ تمہاری نظر کا ہے
 پردہ پڑا ہوا مرے آگے نظر کا ہے
 تم میرے سامنے ہو کہ دھوکا نظر کا ہے



ہاں چلے دور میں، ساقی، مئے گلغام چلے
 خاک بیمارِ غمِ عشق کا اب کام چلے
 جھک گئے سر تری زلیخا پہ سب آپ سے آپ
 کعبہ دل کی حقیقت سے تو واقف ہی نہیں
 نقد کچھ پاس نہیں، فکر ہے سے خواری کی
 پاؤں لٹکائے ہوئے قبر میں بیٹھے ہیں، جگر
 دن چلے، رات چلے، صبح چلے، شام چلے
 پاؤں دکھنے لگے، جب اٹھ کے وہ دو گام چلے
 کچھ کسی کی نہ چلی بوجھ ترے احکام چلے
 باندھ کر شیخ کہاں جامہٴ احرام چلے؟
 قرض مل جائے کہیں سے تو بڑا کام چلے
 دیر چلنے میں نہیں، صبح چلے، شام چلے



کیا قیامت تھا کسی کا شکوہ بیداد بھی
 پہلے تھی کچھ اس سے تسکین دلِ ناشاد بھی
 جسم ہے زنداں ہیں، لیکن روح بزمِ یار میں
 آتے ہی گنجِ قفس میں چپ سی جھ کو لگ گئی
 یوں نہ، اے بلبل! تڑپ کر جان دینی تھی تجھے
 دیکھئے کس کی فغاں میں پہلے آتا ہے اثر
 یہ ہجومِ یاس و حرماں، یہ دفورِ رنج و غم!
 لب تک آئی ٹکڑے ہو ہو کر مری فریاد بھی
 اب کلیجہ کھائے جاتی ہے تمہاری یاد بھی
 بیڑیاں بھی پاؤں میں ہیں اور ہوں آزاد بھی
 لے اڑے کیا ہوش تیرے، طاقتِ فریاد بھی
 چاہیے تھا کچھ تو پاسِ خاطرِ صیاد بھی
 میں بھی نالے کر رہا ہوں، بلبلِ ناشاد بھی
 مجھ کو ڈر ہے، دردِ بن جائے، نہ تیری یاد بھی

مجھ سے ہی کچھ واسطہ طلب نہیں اُن کو جگر تیز ہوتا ہے مجھ پر خنجر بیداد بھی



جان سے تنگ ہمارا دل دیوانہ ہے
گوشہ گوشہ میں نہاں جلوہ جانا نہ ہے
وہی گل ہے، وہی بلبل، وہی پروانہ ہے
یہی جہبہا، یہی ساغر، یہی پیمانہ ہے
کان ہنگامہ محشر پہ لگے ہیں سب کے
اللہ اللہ، یہ دارگی عشق مری!
تم دکھا دو جسے آنکھیں، وہی مخمور بنے
حشر کہتے ہیں کسے؟ وعدہ دیدار ہے کیا؟
منزل عشق میں، اللہ رے، یہ عالم شوق!
اُن سے پوچھے کوئی یہ ہوش کی باتیں میری

☆—☆—☆

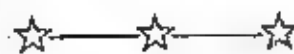
داستانِ غمِ دل اُن کو سنائی نہ گئی
سب کو ہم بھول گئے جوشِ جنوں میں لیکن
عشق پر کچھ نہ چلا دیدہ تر کا قابو
پڑ گیا حسنِ رُخ یار کا پرتو جس پر
کیا اٹھائے گی صبا خاک مری اُس در سے

بات بگڑی تھی ایسی جو بھلائی نہ گئی
ایک تری یاد تھی ایسی، جو بھلائی نہ گئی
اس نے جو آگ لگا دی وہ بجھائی نہ گئی
خاک میں مل کے بھی اس دل کی صفائی نہ گئی
یہ قیامت تو خود اُن سے بھی اٹھائی نہ گئی



رات کیا دلکش ادائے جلوہ جانا تھی!
آج رگ رگ میں مری اک شورشِ مستانہ تھی
صبح تک یہ یادگار عشق بھی افسانہ تھی

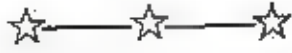
شبح جب رُخ کے مقابل آئی خود پروانہ تھی
کیا نگاہِ مست ساقی شاملِ پیمانہ تھی
شبح اب ہے دُن جس جاثر بہت پروانہ تھی



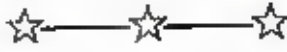
مشغلہ ہجر میں کچھ تو دل ناشاد رہے
منتشر بعد فنا یوں مری زو داد رہے
اک محبت کی نظر بھی دم بیداد رہے
کس کو معلوم ہے اس جلوہ گہ ناز کا حال

نالہ تھمتا ہوا، رکتی ہوئی فریاد رہے
دل مرا خاک ہو اور خاک مر بھی برباد رہے
کیجئے ظلم وہ مجھ پر، جو مجھے یاد رہے
ہوش ہی جب نہ ٹھکانے ہوں، تو کیا یاد رہے

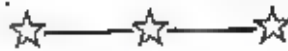
آپ تو ٹھپ گئے پردے سے دکھا کر صورت
روح سے ربط نہ ٹھوٹا ترے کوچہ کا کبھی
اب کوئی شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے
تیرے دیوانے اسیری میں بھی آزاد رہے
جان تو آچکی ہونٹوں پہ مری، اے جیاد!



یہ جو دھندلی سی ضیا خانہ زنجیر میں ہے
ہر ادا حسن کی ڈوبی ہوئی تاثیر میں ہے
داغ شاید کوئی روشن دلِ دلگیر میں ہے
تجھ میں جو ہے وہی عالم ترنی تصویر میں ہے
اک قدم باغ میں، اک خانہ زنجیر میں ہے
اب تو راحت ہی مجھے خانہ زنجیر میں ہے



کیا پوچھتے ہو حالت بیمارِ محبت کی
ہر نقش ہے سینے پر نقشہ غمِ فرقت کا
کچھ اور ابھی گھڑیاں باقی ہیں مصیبت کی
ہر اشک ہے آنکھوں میں تصویرِ محبت کی
دھندلی سی نشانی ہے سوزِ غمِ فرقت کی
چھپتی ہے چھپانے سے کب آنکھِ محبت کی



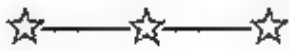
جو دکھایا تُو نے وہ، اے آسماں! دیکھا کئے
سب چمن لٹتا رہا اور باغباں دیکھا کئے
جو رگھوپین دجھائے باغباں دیکھا کئے
آج کن آنکھوں سے ہم جو رگھوپین دیکھا کئے
اب قفس میں ہوش آیا ہے، تو حیرت ہے ہمیں
جی بھر آیا ناتوانی پر جو راہِ شوق میں
جب چمن سے لے چلا صیاد کر کے ہم کو قید
تھا اسیری میں بھی کچھ ایسا تعلقِ روح کو
خاک سیرِ لالہ و گل، باغ میں جب تک رہے



آیا نہ راسِ نالہ دل کا اثر مجھے
دل لے کے مجھ سے دیتے ہو داغِ جگر مجھے
اب تم ملے، تو کچھ نہیں اپنی خبر مجھے
یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے
کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے
بھولی ہوئی نہ نگہِ فتنہ گر مجھے

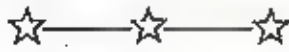
آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر مجھے،
 مل جائے دو کھڑی کو شہاری نظر مجھے
 لے جائے جذب شوق مرا اب جدھر مجھے
 اپنا بنا نہ لے کہیں میری نظر مجھے!
 اُن کی خبر انہیں ہے نہ میری خبر مجھے!
 کرنا ہے آج قصہ غم مختصر مجھے
 سب سے مگر عزیز ہے میری نظر مجھے
 تم پاس ہو، تو کیوں نہیں آتے نظر مجھے
 اب تک جو ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے

ڈالا ہے بخودی نے عجب راہ پر مجھے
 کرنا ہے آج حضرت ناصح سے سامنا
 مستانہ کر رہا ہوں وہ عاشقی کو طے
 ڈرتا ہوں جلوہ رُخ جاناں کو دیکھ کر
 یکساں ہے حُسن و عشق کی سرمستوں کا رنگ
 مرنا ہے اُن کے پاؤں پہ رکھ کر سر نیاز
 سینے سے دل عزیز ہے دل سے ہو تم عزیز
 میں دور ہوں، تو رُوئے سخن مجھ سے کس لئے
 کیا جائے نفس میں رہے کیا معاملہ



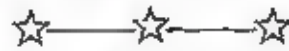
یعنی ہمیں میں رہ کے وہ ہم سے نہاں رہے
 خاموش بھی رہے تو سراپا نغاں رہے
 تم بھی ہمارے ساتھ رہے ہم جہاں رہے
 صیاد ہم رہیں نہ رہیں، آشیاں رہے
 مطلب یہ ہے، کہیں نہ مرا آشیاں رہے

آنکھوں میں نور، جسم میں بن کر وہ جاں رہے
 ہم ہیں وہ درد مند محبت جہاں رہے
 ہر چند وقف کشمکش دو جہاں رہے
 باقی چمن میں کچھ تو ہمارا نشاں رہے
 ہر شاخ پر ہے باغ میں صیاد کی نگاہ



تیرا اُن کے ہاتھ میں پریکاں ہمارے دل میں ہے
 اب نہ جانے تو ہے خود یا درد تیرا دل میں ہے
 آفتاب حشر ہے، جو داغ میرے دل میں ہے
 قین میرے سینے میں، فرہاد میرے دل میں ہے
 میں ہوں اس محفل میں اور محفل کی محفل دل میں ہے
 تھی جو میرے دل میں حسرت اب وہ اُنکے دل میں ہے
 شکر ہے اتنا اثر تو اضطراب دل میں ہے
 ہائے کیا تصویر کا عالم تری محفل میں ہے

کس قیامت کی کشش اس جذبہ کامل میں ہے
 اک تلامذہ سا تو برپا سینہ نعل میں ہے
 جلوہ فرما کون اس اجڑی ہوئی منزل میں ہے
 عشق کا ہر رنگ پنہاں میرے آبِ وطن میں ہے
 اللہ اللہ، یہ مری مشقِ تصور کا کمال!
 عشق میں گم گشتگی شوق راس آئی مجھے
 ہر تڑپ کے ساتھ آجاتی ہے مجھ میں تازہ رُوح
 شمع چپ، پروانے ششدر، اہل دل سب دم بخود



نظر بیگانہ وار اٹھی، حیا مستانہ وار آئی
 نفس ہی میری قسمت میں لکھا تھا، جب بہار آئی

جوانی آتے ہی اُن پر قیامت کی بہار آئی
 چمن میں راس کب مجھ کو ہوائے روزگار آئی؟

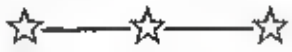
خزاں بھی آئی گلشن میں، تو میں سمجھا بہار آئی
 محبت نوحہ گر پہنچی، تمنا سوگوار آئی
 قفس میں ٹوٹ کر سارے گلستاں کی بہار آئی
 تم آئے سامنے یا سو بہاروں کی بہار آئی
 یہ کہہ دینا ہی کیا کم تھا کہ گلشن میں بہار آئی!
 نہ پھر ایسی خزاں آئی، نہ پھر ایسی بہار آئی
 نہ صحرا میں اُگے کانٹے، نہ گلشن میں بہار آئی
 وہ عالم ہائے میرا، خاتمے پر جب بہار آئی
 ادھر بلبل کا دم ٹوٹا ادھر فصل بہار آئی
 کہ جب تک میں قفس میں تھا، قفس ہی میں بہار آئی
 مگر معلوم ہوتا ہے کہ گلشن میں بہار آئی
 چمن ہی میکدہ بھی بن گیا، جب سے بہار آئی
 سنا ہے پھر اسی شدت سے گلشن میں بہار آئی
 اٹھی جب آشیاں سے آگ، تب سمجھا بہار آئی
 نہ صبح وصل آئی اور نہ شام انتظار آئی
 گئی اور چند نشتر اُن کے دل میں بھی اُتار آئی
 چمن میں ہر خزاں کے بعد لیکن اک بہار آئی

مری نظروں میں جب سے تازگیِ حُسنِ یار آئی
 وہ عاشق ہوں کہ میری لاش جب زیر مزار آئی
 کچھ ایسی جوش پر اب کی یہ چشمِ اشکبار آئی
 شمیمِ عطر بیز آئی، نسیمِ خوشگوار آئی
 اب آخر آشیاں کے ذکر سے صیاد کیا حاصل؟
 چمن میں جیسی اک بلبل کے دم تک دیکھ لی، ہدم
 وہ دیوانہ ہوں میں، جب سے بسایا میں نے زنداں کو
 قفس میں بھی نگاہوں سے جد ہوتا نہیں دم بھر
 غضب تھا آج گلشن میں یہ حسرت خیز نظارہ
 اثر اتنا تو ہونا چاہیے جذبِ محبت میں
 قفس کا اور یکا یک اس طرح جنبش میں آ جانا
 کہیں ساغر بکف گل ہیں، کہیں خمِ درِ بغل غنچے
 بنا کر جس نے بیخود آشیاں ہم سے تھروایا تھا
 مری اس بیخودی کا یاد گل میں کیا ٹھکانہ ہے
 وہ گھر برباد ہی ہو جائے، تو بہتر ہے، جس گھر میں
 نگاہِ یاس اور دب کر نگاہِ ناز سے رہتی
 بہار رفتہ میری پھر نہ آئی، اے جگر! واپس



ہزار زخم تھے کس کس جگہ رُو کرتے؟
 مجال کیا تھی ہماری کہ آرڈو کرتے
 ہمارا کام یہی تھا کہ جسٹو کرتے
 تمام عمر ہوئی شرحِ آرڈو کرتے

علاج کا دشِ غم خاک، چارہ جو کرتے!
 اشارہ خود جو نہ وہ بھر جسٹو کرتے
 وہ ہم سے ملتے نہ ملتے، یہ اُن کی تھی مرضی
 بیان ہو نہ سکی ابتداءِ محبت کی



شادابی بہار کا عالم نظر میں ہے
 یعنی ہماری رُوح ہماری نظر میں ہے
 کیا عالمِ حیات کسی کی نظر میں ہے
 پھر بھی مریضِ ہجر اُمیدِ سحر میں ہے

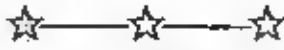
جلوہ جو ان کے رُخ کا مری چشم تر میں ہے
 اُمیدِ وصلِ دیدہ حسرت اثر میں ہے
 ہر ذرہ رقص میں ہے، جو اس رنکڑ میں ہے
 تاریک ہوتی جاتی ہے رہ رہ کے کل نضا

کیا آفتاب حشر سے جھپکے گی اب یہ آنکھ
 تنہائی فراق کا کیا کیجئے۔ بیاں!
 اللہ ری، یادِ طاقتِ پرواز کا اثر!
 واہوں جو گوشِ ہوش، تو عبرت کے واسطے
 یوں آرہے ہیں آج ہم اک بزمِ ناز سے
 کیوں کر بہارِ شعر سے ٹپکے نہ اے جگر!
 ہر ذرہ کوئے یار کا میری نظر میں ہے
 اک آہ تھی، سودہ بھی تلاشِ اثر میں ہے
 دل میں بھی وہ تڑپ نہیں، جو بال و پر میں ہے
 اک داستاںِ خموشی شمعِ سحر میں ہے
 چہرہ پہ نور، جلوۂ جاناںِ نظر میں ہے
 رنگِ کلامِ حضرتِ اصغرِ نظر میں ہے



ازل کے دن جنہیں لے کر چلے تھے تیری محفل سے
 وہ شعلے آج تک لپٹے ہوئے ہیں دامنِ دل سے
 مجھے اب خوف ہی کیا، ہجر میں تنہائیِ دل سے
 ہزاروں محفلیں لے کر اٹھا ہوں تیری محفل سے
 یہ عالم ہے ہجومِ شوق میں بیتابیِ دل سے
 کہ منزل پر پہنچ کر بھی اڑا جاتا ہوں منزل سے
 فلک پر ڈوبتے جاتے ہیں تارے بھی شبِ فرقت
 مگر نسبت کہاں ان کو مرے ڈوبے ہوئے دل سے
 نگاہیں قیس کی اٹھتی ہیں جوشِ کیفِ مستی میں
 ذرا ہشیار رہنا، سارباں، لیلیٰ کی محفل سے
 وہی سب بن گئیں نقش و نگارِ صفحہِ ہستی
 اڑی تھیں جس قدر چھینٹیں مرے خوبانہ دل سے
 سمجھ کر پھونکنا اس کو ذرا، اے داغِ ناکای!
 بہت سے گھر بھی ہیں آباد اس اجڑے ہوئے دل سے
 محبت میں قدم رکھتے ہی گم ہونا پڑا مجھ کو
 نکل آئیں ہزاروں منزلیں ایک ایک منزل سے
 قیامت کیا؟ کہاں کا حشر؟ کیا دیر؟ کیا کعبہ؟
 یہ سب ہنگامے برپا ہیں مرے اک مضطرب دل سے
 بیان کیا ہوں یہاں کی مشکلیں، بس مختصر یہ ہے
 وہی اچھے ہیں کچھ، جو جس قدر ہیں دور منزل سے

ہجومِ یاس ایسا کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو
 ذبورِ شوق میں آگے بڑھا جاتا ہوں منزل سے
 محبت میں ضرورت ہی تلاشِ غیر کی کیا تھی؟
 اگر ہم ڈھونڈتے، نشتر بھی مل جاتا رگِ گل سے
 بدن سے جان بھی ہو جائے گی رخصت، جگر لیکن
 نہ جائے گا خیالِ حضرت اصغر مرنے دل سے

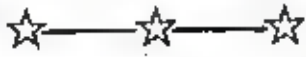


بس اک نظروں کا دھوکا ہے، بس اک آنکھوں کا پردا ہے
 نہ مجنوں کوئی مجنوں ہے، نہ لیلے کوئی لیلہ ہے
 ہوسا کی خیالِ غیریت ہی کا نتیجا ہے
 جو یہ پردا بھی اٹھ جائے تو سب اپنا ہی اپنا ہے
 سمجھ میں جو نہ آئے اور بے سمجھے نہ رہنے دے
 اسی کا نام شاید عشق میں نامِ تمنا ہے
 یہی تو فرق ہے بس کافر و مومن میں، اے غافل!
 کہ اُس کے لاکھ کعبے ہیں اور اس کا ایک کعبا ہے



مژدہ، اے شوقِ شہادت! اوج پر تقدیر ہے
 آج دستِ ناز میں نازک سی اک شمشیر ہے
 کم نہیں ہوتیں دلِ ایذا طلب کی خواہشیں!
 آپ دیکھیں تو سہی، ترکش میں کوئی تیر ہے
 کس ازا پر جان دوں، تو ہی بتا، اے چشمِ یارا!
 جس ازا کو دیکھتا ہوں، حسن کی تصویر ہے
 قید خانے میں جو بیٹھا ہوں یہ ہے تیری خوشی
 تو اگر کہہ دے، تو دو نکلے ابھی زنجیر ہے
 میرے پہلو میں نہیں ہے یہ دلِ خانہ خراب
 میری بربادی کی جیتی جاگتی تصویر ہے

وہ ادھر نحو تماشا، ہم ادھر مرعوبِ حسن
وصل کی شب دونوں جانب عالمِ تصویر ہے



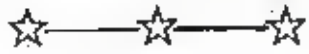
دل برباد ہی میں عالم اک آباد بھی ہے
کیا خبر قلبِ ہوسناک کو ہنگامِ سماع
اسی دیرانے میں مجنوں بھی ہے فرہاد بھی ہے
کہ انہیں نغموں میں پہناں کوئی فریاد بھی ہے



دل پہلنے کی شبِ غم یہی صورت ہوگی
آپ کے درد میں بھی آپ کی سیرت ہوگی
آپ کی دی ہوئی تکلیف بھی راحت ہوگی
بات میں بات، نزاکت میں نزاکت ہوگی
آتشِ دوزخِ ہجراں ہے قیامت، لیکن
جمع کرتی رہے آمادگیِ ذوقِ فنا!
کہنے سننے کی غمِ عشق میں حاجت ہی نہیں
آنکھ سے ٹپکے گی، دل میں جو محبت ہوگی

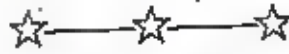


وہ شکل جانتاں کیا مظہرِ شانِ الہی ہے
اسی کو ایک دن بنا ہے خالی عارضِ رحمت
نظر میں رنگِ مستی، رُخ پہ نورِ صبح گاہی ہے
جو ہم ایسا سمجھتے ہیں، ہماری کم نگاہی ہے
نہ جس کی ابتدا ہی ہے، نہ جس کی انتہا ہی ہے
خدا جانے، محبت کوئی منزل کو کہتے ہیں

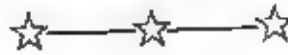


پارہ ہائے جگر

میں ہوا ہشیار جتنا، مجھ سے وہ غافل ہوا دل سراپا غم بنا، جب میں سراپا دل ہوا



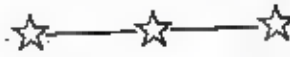
جذبہ دل صرف جتنا بے محل ہوتا گیا اُس قدر ذوق نظر میں مبتدل ہوتا گیا
تنگ اتنا دامن فکر و عمل ہوتا گیا زندگی بھر آج کل ہی آج کل ہوتا گیا



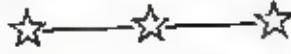
دمِ اخیر بھی اُن کا یہ احترام ہوا اُٹھے نہ ہاتھ تو آنکھوں ہی سے سلام ہوا



یہ سوزِ نہاں نہیں ہے دل میں جتنا ہے چراغِ بیکسی کا
حسرت کا لہو بھرا ہے جس میں وہ جامِ ہوں دورِ آخری کا



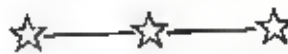
لے کے خط اُن کا کیا ضبط بہت کچھ، لیکن تھر تھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا



ہر ایک داغِ فرقت کا دھونا پڑے گا تمہیں بھی میرے ساتھ رونا پڑے گا
بھلا کر خود کو غافل، رحم کا، تو مستحق ہو گا
کہ گل بوٹے بھی بن جائیں گے جب سادہ ورق ہو گا



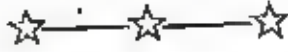
کہاں وہ دن گئے یارب! کہ تھی شکیبائی! نظر میں پھرتی ہے صبر و قرار کی صورت
گئے جو دل سے تو دل کو خزاں بنا کے گئے جو آئے دل میں، تو آئے بہار کی صورت



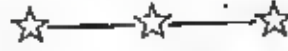
کیا کروں گا اب بہارِ گل بداماں دیکھ کر نحو حیرت ہوں خود اپنا حسنِ پنہاں دیکھ کر



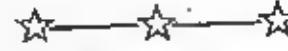
سحر تک شمع محفل! میں نے جل بھجھنے کی ٹھانی ہے
ہمیں یہ دیکھنا ہے، خاک ہو جاتے ہیں ہم کب تک



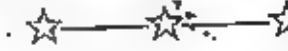
قید قفس میں یاد بہار آتی ہے مجھے - نشتر بنے ہوئے ہیں پر وبال آج کل



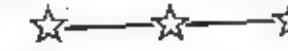
حال وحشت میں ہوا یہ ترے دیوانوں کا جیب چھوٹی تو گریباں کو لائے بیٹھے ہیں



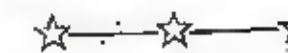
بہ رہا کیا کوئی دیوانوں میں خاک اڑتی ہے بیابانوں میں
رہ گئی آہ، اب افسانوں میں سے نہ شیشوں میں نہ پیانوں میں
اٹھ گیا کیا جگر نکتہ سرا شور برپا ہے غزل خوانوں میں



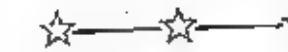
لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں، فریاد نہیں پھر بھی فرماتے ہیں تو لائق بیدار نہیں



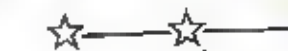
روح کھپتی ہوئی نکلی ہے تن لاغر سے اب مجھے روکنے والی کوئی زنجیر نہیں



رنگ حیا ہے یہ تیرے جوش شباب میں یا چاندنی کا بھول کھلا ہے گلاب میں



سینہ عشق اور نادک ناز وار پر وار ہوئے جاتے ہیں
عشق سے روز موا عید وفا چارو ناچار ہوئے جاتے ہیں
ساقیا، توبہ کئے لیتے ہیں لے، گنہگار ہوئے جاتے ہیں



دے چکا جب دل تو کیسا خوف، شہرت ہو تو ہو
اب یہ سر جائے تو جائے اور قیامت ہو تو ہو
دل کہاں پہلو میں، دل تو کر چکے پہلے نذر
یہ جو کچھ بے چین سا ہے، دردِ فرقت ہو تو ہو



لطفِ تشہیرِ مصور رہے تشہیر کے ساتھ کھینچ دے درد بھی میرا مری تصویر کے ساتھ
حاصلِ دشتِ نوردی ہیں یہاں دشتِ جنوں! آبلے ٹوٹ نہ جائیں کہیں زنجیر کے ساتھ

☆—☆—☆

ہے مالِ کارِ فنا یہی کہ انہیں کا رنگ عیاں رہے
نہ نظر ہماری نظر رہے، نہ زباں ہماری زباں رہے
مرے عشقِ سحر طراز نے بہت اُن کے جلوے دکھادئے
مگر ایسے لاکھوں ہی خُسن تھے، جو نظر سے بھی نہاں رہے

☆—☆—☆

آنکھوں میں بند جلوۂ جاناں کئے ہوئے جاتا ہوں ذرہ ذرہ کو حیراں کئے ہوئے

☆—☆—☆

مشروط نگاہِ ساقی کی تحریک پہ جس کا پینا ہے بس اس کا ساغر ساغر ہے، بس اس کا مینا مینا ہے

☆—☆—☆

چشمِ اُمید میں ہے جان ابھی تھوڑی سی ابھی دھندلا سا اُجالا نظر آتا ہے مجھے

☆—☆—☆

تصور میں یہ کس کا جلوۂ مستانہ آتا ہے کہ ہر آنسو لئے ہمراہ اک پیمانہ آتا ہے

☆—☆—☆

دمِ اظہارِ سوزِ پینانی شعلے میری زبان سے آئے

☆—☆—☆

سوزِ غمِ ہجر! مجھ نہ جائے دھندلا سا چراغ بے کسی ہے

☆—☆—☆

سفاک چتوئیں بھی ہیں، قاتل نظر بھی ہے کیا چیز ہو گئے ہو، تمہیں کچھ خبر بھی ہے

☆—☆—☆

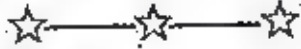
اُس سے تو عنایت کی نظر کی نہیں جاتی اور دل کی یہ حالت ہے کہ دیکھی نہیں جاتی

☆—☆—☆

ہستی کے نکات پوچھتا ہے غافل، تجھے اپنی بھی خبر ہے!

☆—☆—☆

آنسوؤں کی کمی نہیں، لیکن کچھ سبب تھا کہ آنکھ تر نہ ہوئی



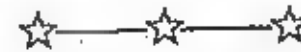
پردے الٹ دیئے تھے محبت کے جوش نے کھویا مگر مجھے مرے تمکین و ہوش نے



تاثیر سوزِ عشق سے بچنا مجال ہے ایسی لگے یہ آگ کہ دیکھا کرے کوئی



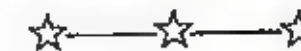
پیری بھی تمام ہونے آئی دن ڈھل چکا شام ہونے آئی



مسرور وقتِ نزع جو بیمار ہو گئے کیا جانے کیا اشاروں میں اقرار ہو گئے
ترکِ خودی سے مائل پندار ہو گئے آزاد ہوتے ہوتے گرفتار ہو گئے



کیا جانے کب تک مجھے فرقت میں کل آئے دل کو ابھی روکا تھا کہ آنسو نکل آئے



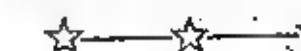
یہ نہ پوچھو دہر میں کب سے میں اسی طرح خانہ خراب ہوں
جو نہ مٹ سکا وہ طلسم ہوں، جو نہ اٹھ سکا، وہ حجاب ہوں

مجھے غیر سمجھیں نہ اہلِ دل، ہمہ تن اگرچہ حجاب ہوں
جو نہاں ہے میری نظر سے بھی، میں اسی کے رخ کی نقاب ہوں

تعلقات کی حد کوئی، نہ توقعات کی حد کوئی
جو کبھی سمجھ میں نہ آسکے، وہ میں ایک فردِ حساب ہوں

نہ صدائے نلبلی خوش بیاں، نہ سرودِ بزمِ پری رُخاں

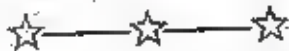
جو بھرا ہے نعمتِ درو سے، وہ میں ایک تارِ رباب ہوں



تخیلاتِ جگر

(دوروم)

دل کیا ہے نقشِ حُسنِ حقیقت طراز کا
عالم نہ پوچھ عشق کی شانِ نماز کا
آخر کھلا یہ رازِ طلسمِ مجاز کا
دھوکا قدم قدم پہ تری بزمِ ناز کا
اللہ رے اثرِ نگہِ مستِ ناز کا!
چھایا یہ رنگِ ہستیِ وحدتِ نظراز کا
عالم نہ پوچھ! کشمکشِ ضبطِ راز کا
کس لطف سے کٹیں شبِ غم کی مصیبتیں
نوجو بے خودی ہی رہا، ورنہ بے خبر!
پیراہنِ جنوں سے تنِ عشق ڈھک لیا
ناگاہ سامنے نظر آیا جمالِ دوست
مجھ سے گناہ گار پہ یہ بارشِ کرم!
صوفی نے جس کو شاید مطلق سمجھ لیا
تنہائیِ فراق میں کیوں گریہ کیجئے
تصویرِ یارِ سامنے، سر میں ہوائے شوق
مجھ کو دُھال و ہجر سے کیا واسطہ جگر!؟
عاشق ہوں اک تبسمِ دیوانہ ساز کا

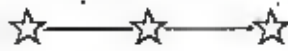


فاش اہل بزم پر گل رازِ پنہاں کر دیا
خُسن کے جلوؤں کو رگِ رگ میں خراہاں کر دیا
آئیں وہ جب تک ہمیں نے سب کو حیراں کر دیا
دل کی اک جھیش نے کیا کارِ نمایاں کر دیا

جان و دل صدقے، تصدق دین و ایماں کر دیا
ہائے، یہ کیا قہر تو نے چشم گریاں کر دیا!
بن رہی تھیں میرے اُن کے درمیاں کیا کیا حجاب
حُسن نے تاشام نہں کر جو بنایا تھا چمن
زخمہ حُسن تبسم کی فُسوں کاری نہ پُچھ
لے چلا تھا سُوئے صحر ا کھینچ کر جوشِ جُوں
اب اسی دستِ جُوں پہ آتیں ہے خندہ زن
عشق نے لذت جو دی تھی، آہ، تو نے عندلیب!
بے خودی حد سے زیادہ بڑھ چلی جب عشق میں
عشق نے دردِ زلیخا بھر دیا کونین میں
شمع جب فانوس میں تھی، آنکھ تھی مجو جمال

نبت کدے کو وہ میتر ہے، نہ کعبے کو نصیب

اُس نے جس جلوے کو وقفِ سینہ چاکاں کر دیا



زمین و آسماں ہونا، مکاں و لامکاں ہونا
فتائے عشق کیا ہے، کارواں در کارواں ہونا
ترے جلووں میں گم ہو کر، جہاں اندر جہاں ہونا
نظر صیاد کی کیا، برق بھی ہو تو لرز اٹھے
تماشہ دیدنی ہے، دیکھ لیں اہل نظر آ کر
لہو کا قطرہ قطرہ بن گیا کو شمعِ وحدت کی
زہے صورت، زہے معنی، زہے جلوہ، زہے پردہ
کسی کے سامنے وہ میری عرضِ شوق کا عالم (قطرہ)
کبھی زریائے بیتابی کا سینے میں سمٹ آنا
میرے دل کو کسی صورتِ محیظ دو جہاں ہونا
یہاں تک منتشر ہونا کہ بے نام و نشاں ہونا
مبارک عمرِ رفتہ کو حیاتِ جاوداں ہونا
ابھی آیا نہیں تنگوں کو جانِ آیشیاں ہونا
مرے ہمراہ منزل کا بھی گردِ کارواں ہونا
بجا ہے اب مرا پروانہ عیاں ہونا، نہاں ہونا
بیک لحظہ، بیک ساعت، عیاں ہونا، نہاں ہونا
میرے ذراتِ ہستی کا مسلسل داستاں ہونا
کبھی ہر اشک کے قطرے کا بحرِ بیکراں ہونا

سنا ہے ہر طرف لٹتے ہیں جلوے حُسنِ صورت کے

کبھی تم بھی جگرِ آوارہ کوئے بتاں ہونا



جادو قلمِ کاتبِ تقدیر میں کیا تھا میں اولِ ساعت ہی سے ماں بہ فنا تھا
میں اُس کی نظر، اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا اے حیرتِ خاموش! یہ منظر ابھی کیا تھا
جب تک حدِ ہستی کا تعین نہ ہوا تھا نام اس ستمِ ایجاو کا کیا جانے کیا تھا

پہنچا ہوں اسی راہ سے تا منزلِ عرفاں

کہتے ہیں جسے ہوش، وہی ہوش رُبا تھا

☆—☆—☆

یہ فصلِ گل، سماں یہ شبِ ماہتاب کا لا ساقیا شراب، مزا ہے شراب کا
چھوڑا نہ رازِ کوئی، جہاںِ خراب کا سب کہہ گیا میں خواب میں افسانہ خواب کا
بگڑا ہوا ہے رنگِ جہاںِ خراب کا بھریوں نظر میں حُسن، کسی کے شباب کا
اپنی نظر کی برقِ وحشی کو بھی دیکھئے مجھ سے ہی پوچھئے نہ مزاجِ اضطراب کا

نکلی تڑپ کے پردہِ خاکی سے رُوحِ پاک

ٹوٹا طلسمِ جلوہ حُسنِ حجاب کا

☆—☆—☆

آہ یہ عالمِ کثرتِ تری رعنائی کا! ایک مرکز نہ رہا چشمِ تماشائی کا
کیا ٹھکانا ہے اس آوارہ سودائی کا حشر اک لمحہ ہے جس کی جب تنہائی کا
نور کہتے ہیں جسے چشمِ تماشائی کا غیر فانی ہے وہ پرتو تری رعنائی کا
عشق کیا چیز ہے، اک حشر در آغوشِ خیال حُسن کیا؟ خواب ہے اک چشمِ تماشائی کا
منحصرِ جلوت و خلوت پہ نہیں وصلِ حبیب خاص اک وقت ہوا کرتا ہے یک جانی کا

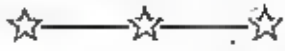
رہ گئیں پردہِ ظاہر میں اُلجھ کر نظریں

حُسنِ ذیکھا نہ کسی نے مری زسوائی کا

☆—☆—☆

نظر میں بیچ ہے، گلشنِ تمامِ دنیا کا نہ پوچھ دو صلہ مرغانِ رشتہ برپا کا
اثر ہے جس میں کہ ہر موجِ کار فرما کا وہ ایک قطرہ ہے حاصلِ تمامِ دریا کا
نجاتِ رُوح کو ملتی نہیں ہے نفس سے، آہ بنا ہوا ہے یہ مجنوں، حجابِ لیلیا کا
ہر ایک ذرے سے نکلے تڑپ کے برقِ جمال بے تو کوئی طلبکار حُسنِ معنی کا
خدا ہی رحم کرے اس کی تشنہ کانی پر سراب پر جسے کامل یقین ہو دریا کا

رزاں اگرچہ ہیں اس میں بھی سب وہی موجیں
مگر ہے قطرے پہ فرض احترام دریا کا



وہ ہجر کے پردے میں جس وقت کہ واصل تھا
کل دیکھ کے یہ منظر، قابو میں نہ پھر دل تھا
کیا سیر تھی، میں جب تک آوارہ ساحل تھا!
حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بچ میں حائل تھا
گل اتنی حقیقت تھی منصور انا الحق کی
کونین کا غم دل نے سب لے لیا اپنے سر
جب غور کیا دم بھر، سب نقش چمک اٹھے
دل کے لئے الفت کی قیدیں ہی مناسب تھیں
خود اپنی تجلی میں جب عشق تھا مستغرق

کیا دن تھے جگر وہ دن، جب صحبتِ اصغر میں!
مسرور طبیعت تھی، محروم مرا دل تھا

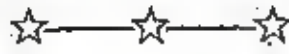


سینے سے دل اچھلتے ہی رفعت نشاں ہوا
دل بتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا
صیاد! دونوں گھر ہیں بس اک گل کے نام کے
غفلت کے ساتھ ساتھ ہے یہ قید جسم بھی
سحرائے جستجو سے نہ آگے بڑھے قدم
ضیاد سے چھپا نہ سکی کوئی شاخِ نخل
پھوٹا نہ رشتہ طلب دوست ہاتھ سے
تبدیلی مقام سے بدلی فضائے عشق

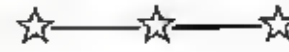
عالم مرا تمام ثنا خواں ہوا، جگر
میں آپ اپنے شعر کا جب قدرواں ہوا



یہ مزا تھا خُلد میں بھی نہ مجھے قرار ہوتا
میں جنونِ عشق میں یوں ہمہ تن فگار ہوتا
میرے رہک بے نہایت کونہ پوچھا مرے دل سے
میری بیقراریاں ہی تو ہیں اس کی وجہ تسکین
جسے چشمِ شوق میری کسی طرح دیکھ پاتی
یہ دل اور یہ بیانِ غم عشق بے عذابا
تجھی یہ ملال، اُس کا نہ دُکھے کسی طرح دل
مرا حال ہی جگر کیا وہ مریضِ عشق ہوں میں
کہ وہ زہر بھی جو دیتا مجھے سازگار ہوتا



عشق جب مصروفِ اصلاحاتِ رُوحِ دن میں تھا
آشنا قیدِ مکاں سے کب رہی برقِ جمال؟
ہم نے نگہمیلِ جنوں بھی جلوہ زارِ غم میں کی
مجھ کو سب معلوم ہے افسانہ برق و کلیم
رخصت اے بیگانگی، بس گھل گیا تیرا فریب!
ورنہ ممکن ہی نہ تھا، نظارہ برقِ جمال
تھا جنونِ عشق خود ہی کار فرما، اے جگر!
تُو عبث دیوانہ، فکرِ وسعتِ دامن میں تھا

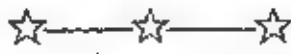


دہر کی نیرنگیوں کا خوب عرفاں ہو گیا
جو رنگارنگی صحرائے امکاں ہو گیا
برق چمکی تھی کہ برپا جوشِ طوفان ہو گیا
ہر تڑپ کے ساتھ اک جلوہ نمایاں ہو گیا
ذوقِ سجدہ ہر بنِ مُو سے نمایاں ہو گیا
رُوحِ قالب سے نکل کر اصل میں گم ہو گئی
انہائے جستجو میں دیکھتے ہوتا ہے کیا؟
رُوح جب تڑپی، نگاہِ شوقِ عاشق بن گئی
لا شراب گہنہ ساقی! دل پریشاں ہو گیا
اپنے جلوؤں میں مقید آپ انساں ہو گیا
المدد، اے شوق! نظارہ پریشاں ہو گیا
آج ثابت یار کا، قربِ رگِ جاں ہو گیا
میں بھی کیا شے ہوں کہ اپنا آپ عنوان ہو گیا
نے سے ہوتے ہی جدِ انغمہ پریشاں ہو گیا
ابتدا یہ ہے کہ ہر ذرہ بیاباں ہو گیا
دل جب اچھلا، جلوہ گاہِ حُسنِ جاناں ہو گیا

ایک مرکز پر سمٹ آیا جہاں آرزو
کس کو دیکھا پردہ خاکی میں اپنے جلوہ گر
کم نہ تھا یہ عالم ہستی کسی صورت، مگر
دل کے پرتو بن گئے سب نقش ہائے رنگ رنگ
غم نے جنبش قلب کو دی، جاگ اٹھی روح شوق
چشم پر نم، زلف آشفته، نگاہیں بیقرار
زعم تھا ذوق نگاہ و جذب دل پر ناگہاں
چھوٹ سکتا تھا کہیں اس جسم سے دامانِ روح
دل گلستاں تھا تو ہر شے سے چمکتی تھی بہار
ورنہ کیا تھا، صرف ترمیم عناصر کے سوا

یوں بسر کی زندگی میں نے اسیری میں، جگر

ہر طریقہ داخلِ آدابِ زنداں ہو گیا

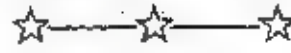


تری نگاہِ ناز بایں شانِ اضطراب
اب تک تو تیرے فیض سے اے عشقِ معتبر
خوگر نہیں ہے تو تو بتا، اے نگاہِ شوق!
ہر چند نجدِ عشق اٹھے ہزار قیس!
پھر ہے وہیں، چلا تھا جہاں سے دلِ غریب

ہم جانِ دردِ عشق و ہم ایمانِ اضطراب
داغِ سکوں سے پاک ہے، دامانِ اضطراب
پھر کون ہے یہ سلسلہ جنبانِ اضطراب؟
نکلا مگر نہ ایک بھی شایانِ اضطراب
آغاز ہی یہ لے گیا پایانِ اضطراب

بے وجہ یہ سکونِ محبت نہیں، جگر

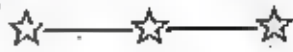
اٹھنے کو ہے مگر کوئی طوفانِ اضطراب



ہو چکا تکملہ صورت و معنائے بہار
میری نظروں میں ہے وہ منظرِ زیبائے بہار
تیرا گلشن ہی نہ بن جائے قفس، اے بلبل!
عکسِ افسردگی شوق، سراپائے خزاں!
باہر آنا ہی نہ تھا پردہ بے رنگی سے

تو بھی اب سامنے آ، اوچین آرائے بہار!
سب بہاریں ہیں جہاں گردِ کفِ پائے بہار
دیکھ محدود نہ کر وسعتِ دُنیائے بہار
پر تو حُسنِ نظر، صورتِ زیبائے بہار
خود خزاں سازِ بنی برقِ تھلائے بہار

تیرے دیوانے ہیں آزادِ تعین، ورنہ
یہ خزاں کو بھی جو دیکھیں تو نظر آئے بہار



اپنے ہی جلوے دیکھے اپنی ہی بزمِ ناز میں
عالمِ خواب جس طرح دیدہ نیم باز میں
ناز کا ایک سبق بھی لے درسِ گہِ نیاز میں
ڈوب سکے نہ جو کبھی مغربِ امتیاز میں
ان کو اٹھا تو ہے ابھی خاصِ حریمِ ناز میں
مجھ کو تو اک مزاملا، ہر غمِ جاں گداز میں
بالِ خشک و آہِ سرد، اس کی حریمِ ناز میں
تیری بقا کا راز ہے شورشِ جاں گداز میں
ساز میں نغمے وہ کہاں، جو ہیں شکستِ ساز میں
مرکزِ اصل بن گیا، دائرہٴ حجاز میں
ایسا بھی ایک بُتِ بلا بُت کدہٴ حجاز میں
تم نے جسے مٹا دیا پردہٴ امتیاز میں
موت کو نیند آگئی غم کی حریمِ ناز میں
جی میں ہے سب سمیٹ لوں دامنِ امتیاز میں
عیشِ دوامِ عافیت، غم کدہٴ حجاز میں
مبوجِ خرامِ نغمہ ہے، نغمہ نہیں ہے ساز میں
آپ کی نہ کیجئے اپنے خونِ ناز میں

وحدتِ خاصِ عشق میں ذکر ہی غیریت کا کیا
یوں ہیں مری نگاہ میں نقش و نگارِ کائنات
حسنِ کمالِ عشق کا کوئی کمال رہ نہ جائے
مشرقِ غم سے کر طلوعِ ایک وہ آفتابِ حسن
دونوں جہاں میں دو قدمِ اول و آخر ہوں
غیر جو تلخ کام ہے، اُس کے نصیب کی کمی
توڑ کے سب قیودِ چل، اے دلِ مہدِ عاطف!
جلد سکون و عیش سے ہاتھ اٹھا کہ، بے خبر!
دل مرا توڑ کر کہا، اس نے زبانِ راز میں
ہو کے فنائے ذاتِ حقِ دلِ مرا سوز و ساز میں
دونوں جہاں تھے غرق و محو جس کی نگاہِ ناز میں
خاک بھی اس غریب کی آہ کہ پھر نہ اٹھ سکی!
درد کا ذل بڑھائے کون، پردہٴ در اٹھائے کون؟
پھیلے پڑے ہیں جس قدر حسن کے جلوہٴ لطیف
اصل سے ہو کے بے خبر، ڈھونڈنا ہے دلِ حرمیں!
یہ جو تمام نغمہ ہے، دعوتِ عامِ نغمہ ہے
میرے نیازِ عشق کا ہو ہی رہے گا فیصلہ

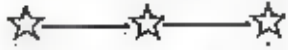
کام نہ آئی عقل کی عقدہ کشائیاں، جگر!
اور اضافہ ہو گیا سلسلہ ہائے راز میں



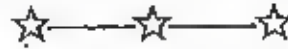
سنے تمام ویراں، آنکھیں تمام تر ہیں
اے دل! وہی تو جلوے سرمایہٴ نظر ہیں
ہشیار، اہلِ تمکین! رستے یہ پر خطر ہیں
بربادِ جستجو ہیں، پامال رہ گور ہیں

قدرت پسند کتنے عشاقِ خوش نظر ہیں
رنگینیِ الم میں دیکھا ہے جن کو اکثر
آساں نہیں گذرنا صحرائے بے خودی سے
اپنا نشان بتائیں کیا رہروانِ غربت؟

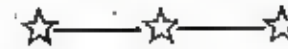
دردماندگی کے نالے، پچا رنگی کی آپہں! وہ شام کی ہیں رونق، یہ زینتِ بحر ہیں
 کیوں آسماں سے مل کر اپنا وقار کھوئیں کیا کم ہے یہ کہ تیری ہم خاک رہ گور ہیں
 بزمِ مشاعرہ ہے یا گلشنِ تمخیل!
 بلبل چپک رہا ہے، یا حضرت جگر ہیں!



سمجھائے کون، بلبلِ غفلتِ شعار کو؟ محدود کر لیا ہے چمن تک بہار کو
 عصیاں کی بھی نہ ہو سکی تکمیل مجھ سے، آہ! کیا منہ دکھاؤں رحمت پروردگار کو؟
 اے دل، جو راہِ عشق میں رکھا ہے تُو نے پاؤں کرنا نہ تنگ دائرہ اختیار کو
 پھر دیکھنا بہار بیابانِ عشق کی! گلشن بنا چکوں گا جب اس خار زار کو
 بھڑکا رہا ہوں آتشِ عصیاں ہر ایک سمت
 پھیلا رہا ہوں رحمت پروردگار کو

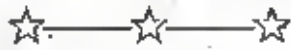


بے خودی کا نہ ہوا شک کسی بیگانے کو فطرتِ عشق سنبھالے رہی دیوانے کو
 جب سے معلوم کیا دل کے نہاں خانے کو آنکھ اٹھانے کو بھی فرصت نہیں دیوانے کو
 عشقِ معصوم صفت، حسنِ ثقاہتِ دشمن مختصر کون کرے شوق کے افسانے کو
 پی کے اک جام وہ جلوے نظر آئے مجھ کو دیکھتا ہوں کبھی سے کو، کبھی سے خانے کو
 بجلیاں طورِ تصور پہ گرانے والے! بھونک دے، بھونک دے ہستی کے سید خانے کو
 سے کشو! مژدہ کہ باقی نہ رہی قید مکاں آج اک موج بہا لے گئی سے خانے کو
 غیر از دوست نہ تھا ہستیِ عاشق کا وجود کم نگاہی نے دیا طول اس افسانے کو
 نہیں و فرہاد ہوں یا سرد و منصور، جگر
 ہم نے بے مایہ نہ دیکھا کسی دیوانے کو



نگراں کوئی بجز دیدہ مسخور نہ ہو جلوہ اس طرح دیکھا، برق نہ ہو، طور نہ ہو
 خود ضیا بار جو اک جلوہ مستور نہ ہو آئینہ خانہ عالم میں کہیں نور نہ ہو
 رازِ غم فاش نہ ہو، عشق جو مجبور نہ ہو دیکھنا، کوئی پس پردہ منصور نہ ہو
 آج ہر زخمِ نظر آتا ہے پیمانہ بدست اس میں کچھ شعبدہ نرگسِ مخمور نہ ہو
 کھول کر آنکھ زرا دیکھ تو لے اے غافل! تیری ہستی ہی حجابِ زرخ پر نور نہ ہو

دل کا ہر ذرہ اگر برقی سر طور نہ ہو
 جتنے وہ دور ہیں، اتنا بھی کوئی دور نہ ہو
 ہے یہی گفر، اگر دیدہ منظور نہ ہو
 کیا قیامت کرنے انسان، جو جھوڑ نہ ہو!
 آدی اپنی حقیقت سے اگر دور نہ ہو
 کوچہ عشق سے باہر نکل جائے، جگر!
 جیتے جی خاک میں ملنا جسے منظور نہ ہو



ابھی کچھ روز ہی گزرے نہ تھے تخلیق انساں کو
 ملک اور سجدہ کرتا، ایک مشت خاک انساں کو!
 کسی صورت نہ ہونے دوں عیاں اسرارِ جاناں کو
 خدار کھے سلامت اس دلِ برباد و دیراں کو!
 خزاں آتے ہی ٹوٹیں جلوہ ظاہر کی سب قیدیں
 عزادار تمنا ہوں، نہ پوچھو میری بربادی
 یہیں سے روز کر لیتے ہیں سیر دو جہاں وحشی
 نہ پوچھی بات بھی اس شوخ کی کافرنگا ہوں نے
 ابھی اے جوشِ وحشت! کون یہ کہتا ہوا گزرا؟
 عطا کردہ مذاقِ عشق، اے برگانہ عالم!
 کمال لذتِ ذوقِ اسیری، تو کہاں ممکن
 نہ تھا کوئی حجاب اک لفرشِ مستانہ کے آگے
 مزاجِ حسن و تکلیفِ تجلی، اے معاذ اللہ!
 نہیں آئے میں کوئی، کس کو ہوا احساسِ نظارہ
 نکاتِ عشق حل کرتی ہے ہر جنبشِ نگاہوں کی
 دکھا کر اک جھلکِ سامانِ راحت جس نے لوٹا تھا

تغافل بھی کسی کا وجہ تسکین، اے جگر! کیا ہو

سمجھتا ہے یہ دل کم بخت پر سنبھائے پنہاں کو



قدرت کی آن والے، رحمت کی شان والے
 دونوں جہاں کی نعمت ہے مٹھیوں میں تیری
 تجھ پر جہاں تصدق، او پاک جان والے
 ایسے تھے آپ اسی، کھولی زبان جس دم
 بوسیدہ کپڑوں والے، ٹوٹے مکان والے
 روضہ پہ اے صبا تو جا کر یہ عرض کر دے
 دم بھر میں بے زباں تھے، ہساری زباں والے
 مہجور کب تک آخر ہندوستان والے
 اک جہش نگہ کے سب منتظر کھڑے ہیں
 پُر درد قلب والے، پُر سوز جان والے



ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی
 چلی کچھ ایسی مخالف ہوا زمانے کی
 نقاب اٹھاؤ بدل دو فضا زمانے کی
 پناہ برق تے لی میرے آشیانے کی
 یہ شرح ہے دل عشاق کے فسانے کی
 کہ گردشیں اسی محور پہ ہیں زمانے کی
 اب آگے، دیکھیں، کرے کیا ہوا زمانے کی
 جنہیں سمجھتے ہو نیرنگیاں زمانے کی
 قفس کے سامنے بجلی کچھ اس طرح چمکی
 یہ بزم دل، خس و خاشاک پر نہیں موقوف
 خزاں، فدیگی شوق نا تمام مری
 تعینات کے ہیں دصل و ہجر دو پہلو
 زبان غیر گجا؟ اکتشاف راز گجا؟
 کھانی نہ مجھ پہ حقیقت مرے فسانے کی



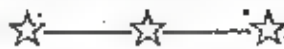
ہر پردہ ہستی میں جب تو متشکل ہے
 صحرا ہے نہ بستی ہے، دریا ہے نہ ساحل ہے
 حیران ہوں میں جلوہ پھر کون سا باطل ہے
 جو کچھ نظر آتا ہے، اک شعبدہ دل ہے
 کیا چیز ہے کل عالم، کیا چیز مرادول ہے؟
 حیرت کا اک آئینہ حیرت کے مقابل ہے
 حیرا ترا رشتہ تو بے واسطہ دل ہے
 خود شورش ہستی ہے تمہید فنا، یعنی
 ہنگامہ، محفل ہی براہم زن محفل ہے
 جس میں کہ ترے جلوے خود تیرے پھرتے ہیں
 اس خون کا ہر قطرہ، کونین کا حاصل ہے
 وسعت نے نگاہوں کی تاریک کیا منظر
 ایک ایک قدم ورنہ، خود عشق میں منزل ہے



جدھر کو جھوم کے مست شراب دیکھیں گے
 بغور عالم ہستی پہ جب کریں گے نگاہ
 تمام زہد ریائی خراب دیکھیں گے
 ہر ایک موج کو موج سراب دیکھیں گے
 وہ خاک محفل چنگ و رباب دیکھیں گے؟
 خبر نہیں کہ کے کامیاب دیکھیں گے
 ادب معاملہ واں، شوق مصلحت دشمن
 جگر کی بادہ کشی ان دنوں، معاذ اللہ!
 جب آپ دیکھیں گے غرق شراب دیکھیں گے



چشم نظر پرست میں جس کا جہان نام ہے
 کس کے فروغِ حسن کا آج یہ فیض عام ہے
 حسن تمام یار کا جلوہ نا تمام ہے
 شامِ نثار صبح ہے، صبحِ نثارِ شام ہے
 کیفِ وصالِ دوست بھی منزلِ نا تمام ہے
 یہ وہ مقام ہے جہاں خواہشِ دل حرام ہے
 صبح کو بھی نہ بچھ سکے یہ وہ چراغِ شام ہے
 شورِ انا الجیب کا خاصہ مقام ہے
 دورِ حیات کہتے ہیں جس کو وہ دورِ جام ہے
 حسن کی اصطلاح میں عشق اسی کا نام ہے
 وہ روشِ خاص تھی، یہ روشِ عام ہے
 عاشقِ ذات کو کہاں ایک جگہ قیام ہے
 شیفۃ صفات کو کوئی سکون ہو تو ہو
 اب تو خدا کے واسطے زیست کا دو جگرِ شہوت
 خوابِ گراں وہی ہے اور وقتِ قریبِ شام ہے



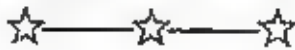
سوز میں بھی وہی اک نغمہ ہے جو ساز میں ہے
 یہ سبب ہے کہ تڑپ سینہ ہر ساز میں ہے
 فرقِ نزدیک کی اور دور کی آواز میں ہے
 مری آواز بھی شامل تری آواز میں ہے
 دل کی ہستی بھی اسی سلسلہ راز میں ہے
 اب نہ مطرب میں کوئی فرق، نہ آواز میں ہے
 وہ جو اک لطفِ نگاہ غلط انداز میں ہے
 سن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساز میں ہے
 وہ جو اک لطفِ ہر اک بغیرش آغاز میں ہے؟
 جو نہ صورت میں، نہ معنی میں، نہ آواز میں ہے
 ہمہ تن محو دل اک نغمہ بے ساز میں ہے
 عاشقوں کے ذلِ مجروح سے کوئی پوچھے
 گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے، اللہ اللہ!
 حسنِ انجام پر کس طرح تصدق کر دوں

حرم و دیر نظر آتے ہیں سب سر بہ سجود
جلوہ گر کون مرے شوق جہیں ساز میں ہے؟



کیونکر نہ روشن تجھ سے ہوں کون و مکان عاشقی
اللہ رے سوز دل خون کشنگان عاشقی
لے کر ازل ہی سے چلے، شوریدگان عاشقی
کیا قصہ جو رفلک، کیا داستان عاشقی؟
ناکام ہی اب تک رہے، بدنام ہی اب تک رہے
گولب پر آہ سرد ہے، چہرہ بھی غم سے زرد ہے
اٹھنے کو ہے اُن کی نظر ہونے کو ہے وہ آنکھ تر
برہم ادھر بزم جہاں، تاراج باغ و آشیاں
اُن کی نگاہ لطف ہے اور کشفِ رازِ دلبری!
آؤ جہاں برہم کریں، پیدا نیا عالم کریں

یہ مصرع حسرت جگر نشتر سے بھی ہے تیز تر
سیراب غم کر دے کہیں پیرِ مغان عاشقی



وہ بزم تماشہ بھی کیا بزم تماشہ ہے!
یہ حُسنِ طلب ہی کا اک جلوہ رعنا ہے
دُنیا یہ اسی کی ہے، عالم یہ اسی کا ہے
آغازِ محبت کا انجام بس اتنا ہے
بے کار ہے، اے مجنوں! یہ پیکرِ آب و گل
کیا حُسن کا افسانہ محدود ہے لفظوں میں؟
کہنے کے لئے کہہ لیں سب کچھ اسے اہلِ دل
اِس دور میں مجنوں ہی کوئی نہ رہا، ورنہ

جو جلوہ ہے پردہ ہے، جو پردہ ہے جلوہ ہے
کس نے اُسے دیکھا ہے، کس نے اُسے پایا ہے
جو آپ ہی مجنوں ہے، جو آپ ہی لیلا ہے
جب دل میں تمنا تھی، اب دل ہی تمنا ہے
اس چیز کا طالب بن جو اصل میں لیلا ہے
آنکھیں ہی کہیں اس کو، آنکھوں نے جو دیکھا ہے
خود ورنہ محبت بھی اک طرح کا پردہ ہے
اب تک وہی مجمل ہے، اب تک وہی لیلا ہے

بھر دو انہیں جلووں سے، یا آگ لگا دو تم!
آنکھیں بھی تمہاری ہیں، سینہ بھی تمہارا ہے



تائیر محبت کی اللہ سے مجبوری! ہر بندہ میں ایک قربت، ہر قرب میں ایک دُوری
 یوں محو فنا ہو جا، اے دل رہ الفت میں ہر سانس سے پیدا ہو اک نعمتہ مصوری
 کل ہستی عالم پر طاری ہیں صفات اُس کے سب کہنے کی باتیں ہیں، مختاری و مجبوری
 خود اپنے لئے بلبیل، تجویزِ قفس کر لے اُس پر بھی جو کھل جائے صیاد کی مجبوری
 تُو نے ہی جگر اس کو مٹی میں ملایا ہے
 ورنہ یہ ترا دل تھا اک آئینہ ثوری



آدی نشہ غفلت میں بھلا دیتا ہے دل میں بیٹھا ہوا کوئی یہ صدا دیتا ہے
 "تجھ سے میں دُور کسی وقت نہیں ہوں غافل!" اور ہی کچھ ترے ہاتھوں سے مزا دیتا ہے
 بادۂ ناب عجب چیز ہے، ساتی، لیکن کوئی اس طرح مئے ہوش رُبا دیتا ہے
 پھر شرابی تری آنکھوں کے نہ چونکے تاحشر سامنے سے کوئی پردہ سا ہٹا دیتا ہے
 جھلملاتے ہوئے تاروں کا پہ، اللہ رے، فیض! روز آ کر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے
 تجھ سے وحشی ترے، غافل نہیں رہنے پاتے ہائے کیا چیز گل داغِ محبت ہے، جگر
 خشک ہونے پہ بھی جو بوئے وفا دیتا ہے!



رند وہ ہوں کہ غزل بھی مری رندانہ ہے معنی و لفظ نہیں، بادہ و پیمانہ ہے
 اپنی ہستی کے جو انوار سے بیگانہ ہے وہ فقط چند حجابات کا دیوانہ ہے
 ہجرِ جاناں میں غضبِ شورشِ مستانہ ہے رُوحِ قالب میں نہیں، قید میں دیوانہ ہے
 سلسلہ روزِ ازل سے ہے برابر جاری نہیں معلوم کہاں تک مرا افسانہ ہے
 حیرتِ عشق بھی کیا چیز ہے، اللہ اللہ! نہ یگانہ ہے یہاں کوئی، نہ بیگانہ ہے
 چھیڑاے مطربِ غم! تازہ غزلِ کوئی، مگر یہ نہ معلوم ہو مجھ کو، مرا افسانہ ہے
 کل جہاں گرم تھا ہنگامہ تائیر و نظر آج دیکھا تو بس اک دشت ہے ویرانہ ہے
 بت پرستوں پہ عبثِ طعن ہیں، اے سچِ حرم! اپنے بت دیکھ کہ تو آپ ہی بتِ خانہ ہے
 زہشِ دہر کا ہر نقشِ پکارے گا مجھے یہ نہ سمجھو کہ مجھی تک مرا افسانہ ہے
 واہ کیا مست غزل تو نے پر ہی آج جگر
 ایک اک لفظ چھلکا ہوا پیمانہ ہے



دلِ حزیں کی تمنا ذلِ حزیں میں رہی
 حجابِ بن نہ گئی ہوں حقیقتیں باہم
 سرِ نیاز نہ جب تک کسی کے در پہ ٹھکا!
 ہوں نے پھر دیئے اس درجہ خواہشات کے بت
 بقیدِ ظرف مئے بندگی کا جوش رہا
 عدم میں بھی مری ہستی کی تھی یہ شانِ وجود!

نگاہِ حضرتِ اصغر کی ہر ودیعتِ خاص
 قرارِ بن کے جگر کے دلِ حزیں میں رہی



موت پر حیرانی و حیرت ہی کیا؟
 روح ہے اک نعمتِ سازِ الست
 اُن کو اپنی شانِ رحمت پر غرور
 لفظِ مد معنی جس کو چھو سکتے نہیں
 لب تک؛ اے صیاد، آ سکتی نہیں
 یوں نہ دیکھے کوئی تو کچھ بھی نہیں
 ہوشیار، اے طائرِ جان، ہوشیار!
 سرِ ہستی دو عالم کچھ نہ پوچھ
 اضطرابِ دل بھی کیا شے ہے کہ اب
 زندگی کیا ہے، نمودِ عاشقی
 زندگی جس سے عبارت ہے، جگر

وہ کسی کی اک نگاہِ ناز ہے



سرور ہوں کیفیتِ دردِ جگری سے
 کہتے ہیں جسے اہلِ نظرِ ہوش کی دُنیا
 وہ بن گئے سب سینہ گردوں کے ستارے
 پھولوں کا نہ وہ رنگ، نہ بلبل کے وہ انداز
 ہر چیز پہ پڑتی ہیں تحیر کی نگاہیں
 کچھ کام اثر سے ہے نہ اب بے اثری سے
 کچھ کچھ ہے خبردار مری بے خبری سے
 بھڑکے تھے جو شعلے مرے داغِ جگری سے
 عالم ہے مبدل مری حتماں نظری سے
 چھوٹا ہوں جو اب سلسلہ بے خبری سے

جب آہ مری باپ اثر دیکھ چکی سب تب جا کے ہوا ربط کہیں بے اثری سے
 سمجھا گیا اک جلوہ بیتاب کسی کا جو راز کہ محبوب تھا، فہم بشری سے
 دل ٹون ہوا جاتا ہے، لب پر ہے تہنم ہم جان فدا کرتے ہیں کس بے جگری سے
 لہ جگر! اب تو ذرا ہوش میں آجا!
 تنگ آ گئے احباب تری بے خبری سے

☆—☆—☆

سنا ہے حشر میں اک حُسن عالمگیر دیکھیں گے خدا جانے تجھے، یا اپنی ہی تصویر دیکھیں گے
 دل برباد ہی میں حُسن کی تصویر دیکھیں گے ای برگ خزاں دیدہ پر اک تصویر دیکھیں گے
 جدا ہرگز نہ حُسن و عشق کی تصویر دیکھیں گے وہ جب دیکھیں گے مری خاک دامن گیر دیکھیں گے
 اگر فرصت ملی عرفان تاثیر محبت سے تجھے بھی ایک دن، اے آہ! بے تاثیر دیکھیں گے
 رہائی ہو نہیں سکتی، کبھی قید تعلق سے جو اک زنجیر ٹوٹی، دوسری زنجیر دیکھیں گے
 بغور اس ہستی خاکی پہ بھی ہم اک نظر کر لیں قیامت تک نہ پھر ایسی کوئی تصویر دیکھیں گے

اب اس صورت سے کیا آئیں ترے آئینہ خانہ میں؟

تری تصویر ہی بن کر تری تصویر دیکھیں گے

☆—☆—☆

کس قدر جامع ہے میرا عالم تصویر بھی حُسن کی تشریح بھی ہے، عشق کی تفسیر بھی
 روح کی رنگینوں سے جسم بھی ہے فیض یاب کم نہیں تصویر سے آئینہ تصویر بھی
 ٹونے نالے عشق میں جتنے کئے، اے بے خبر! ہو گئی اتنی ہی ضائع عشق کی تاثیر بھی

اس کی عالی ہمتی کا کیا ٹھکانہ، اے جگر!

تنگ ہو جس کے لئے فریاد بھی تاثیر بھی؟

☆—☆—☆

یہ دور مستعار خزاں و بہار کے دو سلسلے ہیں اک نگہ فتنہ کار کے
 وارفتگان عشق، ہوں ہم رنگ کس طرح! عالم جدا جدا ہیں نگہ ہائے یار کے
 ہونے دیا تعلق اصلی نہ منقطع! مجھو ریاں بھی ساتھ چلیں اختیار کے
 دیوانہ جوں کی وہ ہے ایک سیر گاہ تھمتے نہیں ہیں پاؤں جہاں ہوشیار کے
 آکر قفس میں اب نہ کھلا ہے معاملہ ہم اہل تھے خزاں کے نہ رنگ بہار کے
 رگ زگ میں آج دوڑ گئی موج سرخوشی قربان تیری لغزش مستانہ وار کے

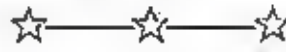
پہ میری نزدیک صبح ہے (جگر)

رزاں اگرچہ ہیں اس میں بھی سب وہی موجیں
مگر ہے قطرے پہ فرض احترام دریا کا



وہ ہجر کے پردے میں جس وقت کہ داخل تھا
کل دیکھ کے یہ منظر، قابو میں نہ پھر دل تھا
کیا سیر تھی، میں جب تک آوارہ ساحل تھا!
حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بیچ میں حائل تھا
گلن اتنی حقیقت تھی مضور انا الحق کی
کونین کا غم دل نے سب لے لیا اپنے سر
جب غور کیا دم بھر، سب نقش چمک اٹھے
دل کے لئے الفت کی قیدیں ہی مناسب تھیں
خود اپنی تجلی میں جب عشق تھا مستغرق

کیا دن تھے جگر وہ دن، جب صحبت اصغر میں!
مسزور طبیعت تھی، محروم مرا دل تھا



سینے سے دل اچھلتے ہی رفعت نشاں ہوا
دل بتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا
جیتا دوزنوں گھر ہیں بس اک گل کے نام کے
غفلت کے ساتھ ساتھ ہے یہ قید جسم بھی
صحرائے جستجو سے نہ آگے بڑھے قدم
ضیاد سے چھپا نہ سکی کوئی شاخِ نخل
مخوٹا نہ رشتہ طلب دوست ہاتھ سے
تبدیلی مقام سے بدلی فضائے عشق

یہ ذرہ جب بلند ہوا، آسماں ہوا
اے شانِ عشق! حسن ترا رائیگاں ہوا
تیرا قفس ہوا کہ مرا، آشیاں ہوا
پھر میں کہاں، اگر مجھے عرفانِ جان ہوا؟
گم اس کی دستوں میں ہر اک کارواں ہوا
پہنچی وہیں نگاہ، جہاں آشیاں ہوا
میں خاک ہو کے گردِ پس کارواں ہوا
جو درد تھا ابھی، وہی آرامِ جان ہوا

عالم مرا تمام ثنا خواں ہوا، جگر

میں آپ اپنے شعر کا جب قدرزاں ہوا



جگر پارے

مٹایا جس قدر ہستی کو تصویریں ہوئیں پیدا ہوئے ہم جس قدر آزاد زنجیریں ہوئیں پیدا

☆—☆—☆

پاک ادب سے چھپ نہ سکا رازِ حسن و عشق جس جا تمہارا نام سنا، سر جھکا دیا

☆—☆—☆

جس میں آباد تھی دُنیا کے محبت میری ہائے اس اشک کا آنکھوں سے جدا ہونا

☆—☆—☆

اُمید غفو کو بھی میں نے اب دل سے مٹا ڈالا یہ تھا اک بد نما دھبہ مرے دامنِ عصیاں کا

☆—☆—☆

کیا بلا عشق تماشا ساز ہے اس کا ہر انجام اک آغاز ہے

☆—☆—☆

اس جلوہ تمام کی ہم کو خبر ہی کیا؟ اک ناتواں سا رشتہ تارِ نظر ہی کیا؟

☆—☆—☆

مرا احساسِ غم، اے کاش! اتنا تیز ہو جاتا جو چھو جاتی ہوا، دل درد سے لبریز ہو جاتا

یہ رکھا دل کو احساسِ گنہ نے مشتعل، درنہ یہ ساری لذتیں ہیں میرے شوقِ نامکمل تک

نشہ صہبائے غفلت جب ذرا کچھ کم ہوا

تیرے اسرارِ حقیقت کا وہی محرم ہوا

ربطِ باطن اس کو کہتے ہیں کہ روزِ اولیں

روح مضطر ہی رہی، جب تک نہ پیدا غم ہوا

☆—☆—☆

توڑ کر سینہ و دل یار کا پیکاں نکلا جان نکلی مرے اللہ، کہ ارماں نکلا!

☆—☆—☆

تھی حریمِ ناز کے پردوں میں بھی جتنبش تمام
مڑ کے پھر میں نے نہ دیکھا میں ہوں ایسا رنور
بے دلی پر کیوں ہر اسماں ہوں کہ ہے مجھ کو خبر
ایک رنگِ خاص سے جب مضطرب تھا دل مرا
دیکھتی ہی رہ گئی حسرت سے منہ منزل مرا
خود نگاہِ ناز ہی اک دن بنے گی دل مرا

☆—☆—☆

عشق کی دسترس ہو کیا جلوہ بے پناہ تک!
اٹھ نہ سکی نگاہ بھی، کر نہ سکے اک آہ تک

☆—☆—☆

بیانِ اہلِ دل ہے کب اسیرِ قیل و قال میں
نظر ملی کہ ہو گیا تبادلہ خیال میں

☆—☆—☆

تھی سکونِ یاس میں بھی موجزن اک برقِ حُسن
میں یہ سمجھا تھا کہ اب کوئی شریکِ دل نہیں

☆—☆—☆

کس کو رہا ہے پاسِ عشق، کس کو رہے گا پاسِ حُسن
دیدہ شوق سے ہوئیں آج وہ گلِ فشانیاں
حُسن میں گم حواسِ عشق، عشق میں گم حواسِ حُسن
ڈوب گئی بہار میں سادگیِ لباسِ حُسن!

☆—☆—☆

بیکسانِ راہِ اُلفت کو سمجھتے کیا ہو؟
عرشِ ہل جائے اگر دل سے یہ فریاد گریں

☆—☆—☆

غفلتوں میں قید کب فطرت کے کار بار میں
جمع ہیں اضداد تو قائم ہے شانِ امتیاز
رُوح کہتی ہے کہ سوئیں آپ، ہم بیدار ہیں
کلفتیں ہی مٹ گئیں تو راحتیں بیکار ہیں

قطعہ

مستِ جامِ شراب ہوتا ہوں ہمہ تن آفتاب ہوتا ہوں
کل دکھایا تھا آپ نے جلوہ آج میں بے نقاب ہوتا ہوں
☆—☆—☆

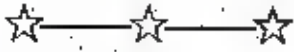
قطعہ

ہو گئے مرگ و زیت سے آزاد حُسنِ اشجام اس کو کہتے ہیں
بغد مرنے کے بھی قرار نہیں مرگِ ناکام اس کو کہتے ہیں
☆—☆—☆

برق گرتی ہے کہیں، چلتی ہیں شمشیریں کہیں وہ کہیں خود عشوہ فرما، اُن کی تصویریں کہیں
جذبہٴ دل رنگ بن کر مائل پرواز ہے لے کے اڑ جائیں مصوٰر کونہ تصویریں کہیں



جان اُن پر غار کرتا ہوں پیار کی طرح پیار کرتا ہوں
لذتِ گریہِ فراق نہ پوچھا! ہر تبسمِ غار کرتا ہوں
عشق کی بے نیازیاں بن کر حُسن کو بے قرار کرتا ہوں



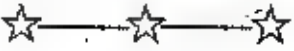
جو آنسو آنکھ سے ٹپکے وہ نظروں سے نہاں کیوں ہو؟ الہی! حاصلِ دروِ محبت رائیگاں کیوں ہو؟
یہی منشاءِ جاناں ہے، تو افشارِ رازِ جاں کیوں ہو؟ کمالِ ضبط بھی، بے دل، اک اندازِ بیاں کیوں ہو؟



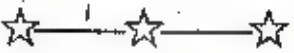
عقل باریک ہوئی جاتی ہے رُوح تارِ یک ہوئی جاتی ہے



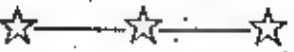
یہ کس سے کلام ہو رہا ہے ہر سانسِ پیام ہو رہا ہے
ہشیار کو کب خبر ہے اس کی غفلت سے جو کام ہو رہا ہے
ہر نقشِ جبینِ عاشقی کا مسخوٰرِ انام ہو رہا ہے



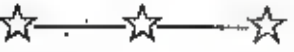
مُحِب کے رہ نہیں سکتی، عاشقی وہ مستی ہے دل سے بادل اُٹھتے ہیں، آنکھ سے مئے برستی ہے
ہوش کا وہ بندہ یہ سجدہ ریزِ مستی ہے آدمی کی فطرت میں یعنی بُت پرستی ہے
بے خبر! یہی تو ہے دو جہاں کا سرمایہ یہ جو تیرے سینے میں مضطرب سی مستی ہے



ناگوارا ہے یہ شانِ جہدِ آزادی مجھے میں تو مرجاؤں، جو کہہ دے کوئی فریادی مجھے



کیا کیا خیال و وہم نگاہوں پہ چھا گئے جی دھک سے ہو گیا، یہ سنا جب، وہ آگئے



شوقِ محوِ آرائش، عشقِ غرقِ وحدت ہے اک نظر میں مستی ہے، اک نظر میں حیرت ہے
کیا مزاجِ دل کہئے؟ دل کی اب یہ صورت ہے حال ہے نہ بے حالی، کچھ عجیب حالت ہے



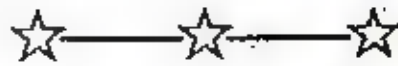
کسی طرف سے شبِ غم صدا نہیں آتی! پکارتا ہوں قضا کو، قضا نہیں آتی
ترے فراق کے غم نے بچا لیا سب سے مرے قریب کوئی اب بلا نہیں آتی



ہر قدم پر گر کر آدمی سنبھلتا ہے یعنی خضر بھی کوئی ساتھ ساتھ چلتا ہے



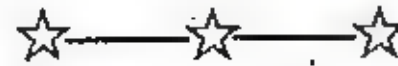
گذر سکے تو گذر جا بطرزِ بے خبری یہ کل جہاں ہے فریب تجلی نظری



میں بتاؤں تجھ کو یہ راز کیا؟ تو اسیرِ دامِ قیود ہے میں جہاں ہوں نغمہ سرا، وہاں نہ وجود ہے نہ شہود ہے



ہوشیار، اے دیدہ گستاخِ عاشق ہوشیار! اُس کے استغنائے وقتی پہ نہ جانا چاہیے!!
بزمِ ساقی میں نہیں کچھ کام عقل و ہوش کا مست جانا چاہیے مدہوش آنا چاہیے



محبت کی پُر پیچ راہوں نے مارا! تری آڑی ترچھی نگاہوں نے مارا



وہ غریقِ معرفت، یہ نحوِ ماومن میں ہے عینِ قربت پر بھی کتنا بعدِ روح و تن میں ہے
ہم سے پوچھو، وہ کہاں ہے اور کس مسکن میں ہے درد کی پیتا بیوں میں، قلب کی دھڑکن میں ہے



جذباتِ جگر

(دورسوم)

اُس کی نگہ ناز کے قابل نہ سمجھنا
 بے کار سی اک ہستی باطل نہ سمجھنا
 دل ہی کو فقط درد کے قابل نہ سمجھنا
 میں دل سے سہی دور، مگر اے غم جاناں!
 جو موجِ نظر ہے، وہ ہے اک برقی تجلی
 ہر جلوے کے پردے میں وہ خود سیر کناں ہے
 خود دے کے کہا دردِ محبت یہ کسی نے
 کہتی ہے یہ اب وسعتِ دیوانگی شوق
 اے قیسِ نظر! حسنِ حقیقت سے خبردار
 ہر سانس ہے در پردہ نگہبانِ محبت
 اے بے خبرو! دل کو کبھی دل نہ سمجھنا
 نقشِ قدمِ یار ہے پیہ دل نہ سمجھنا
 اس شوخ سے خالی کوئی محفل نہ سمجھنا
 دل کو مرے، آوارہ منزل نہ سمجھنا
 آنکھوں کو فقط پردہ حائل نہ سمجھنا
 تنہا اسے ہنگامہ محفل نہ سمجھنا
 ”اب آج سے اپنا اے تم دل نہ سمجھنا“
 منزل بھی جو آ جائے تو منزل نہ سمجھنا
 سایہ ہے اسے صاحبِ محفل نہ سمجھنا
 نہار کبھی، حسن کو غافل نہ سمجھنا
 ہر ذرہ ہے اک پیکرِ صد حسنِ حقیقت
 ہستی کو، جگر! ہستی باطل نہ سمجھنا



محال تھا کہ میں آزاد دو جہاں ہوتا
 نہاں کئے سے کہیں رازِ غم نہاں ہوتا؟
 یہ سوچتا ہوں، ٹھکانا مرا کہاں ہوتا
 محال تھا کہ غمِ عشق بے نشاں ہوتا
 جو میں خود اپنی حقیقت کا راز داں ہوتا
 یہ سب ہیں فیضِ اسی دم قدم کے، اے بلبل!
 بھلا ہوا کہ نظر حیرتوں میں ڈوب گئی
 بقیدِ جسم نہ ہوتا، بقیدِ جاں ہوتا
 زباں دہن میں نہ ہوتی تو دل زباں ہوتا
 اگر وہ میری طرح مجھ سے بدگماں ہوتا
 جو میں نہیں تو مری آہ کا دھواں ہوتا
 تمام مظہرِ فطرت مری زباں ہوتا!
 خزاں نہ تنکے اڑاتی، نہ آشیاں ہوتا
 کہاں کہاں نہ ترا حسنِ رانگاں ہوتا!

جہیں پہ سجدہٴ بت کا بھی اک نشان ہوتا
میں آج پی جو نہ لیتا، وہ بدگماں ہوتا
یہ دردِ ہجر ہی، اے کاش جاوداں ہوتا!
کوئی تو باخبر جلوہٴ بتاں ہوٹا
مری جہیں سے جو باہر وہ آستاں ہوتا
وہ التفات نہ کرتے تو کچھ بیاں ہوتا
یہ جانتا تو نہ شرمندہٴ فغاں ہوتا
وہ مہرباں جو نہ ہوتا، تو مہرباں ہوتا
کہاں نصیب، یہ وقتِ وداع جاں ہوتا
مزا تو جب تھا کہ میں بھی نہ درمیاں ہوتا

صفاتِ عشق کی تکمیل بھی ضروری تھی
بہارِ توبہ شکن، چشمِ مستِ یارِ مُضر
کہاں فراغِ تلون مزا جیوں سے تری؟
کمالِ اہلِ حرمِ مستند سہی لیکن!
یہ ذوقِ سجدہ کہیں مطمئن نہ رہ سکتا
کہاں ہم، اور کہاں اب فسانہٴ غمِ عشق
وہ حالِ دلِ لبِ خاموش سے بھی سکتے ہیں
گدازِ عشق کی اب شرحِ مختصر یہ ہے
نثار ہو گئے، اک جلوہٴ تبسم پر
تمام اٹھ گئے پردے، تو اس سے کیا حاصل؟

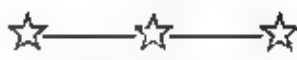
یہ سب نمود و نمائش ہے تیرے چھپنے سے
جو تو نہ پردے میں ہوتا، تو میں کہاں ہوتا



حیرت آوارہ نہ تھی، عشق جنوں کوش نہ تھا
بادۂ عشق میں نشہ تھا، مگر جوش نہ تھا
کون سا اشک تھا، جو ساغرِ سر جوش نہ تھا

یادِ ایام، کہ جلوؤں کا ترے ہوش نہ تھا
حسن بھی بزم میں جب تک کہ قدحِ نوش نہ تھا
ہائے آغازِ محبت کا وہ دورِ سرشار

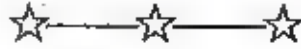
دنِ جوانی کے جگڑے خبری میں گزرے
ہوش کا وقت جب آیا، تو مجھے ہوش نہ تھا



گریبان سے پیدا گریبان ہو گا
غمِ عشق خود اپنا عنوان ہو گا
تصویر کسی کا پریشان ہو گا
جو وہ دیکھ لے گا، تو حیران ہو گا
”جہاں ہم رہیں گے، یہ سامان ہو گا“
تری اک نظر کا جو نقصان ہو گا
تری یاد ہو گی، ترا دھیان ہو گا

بچوں میں بھی کیا کم یہ سامان ہو گا؟
نہ جاں دل بنے گی، نہ دل جان ہو گا
ٹھہر، اے دلِ درد مندِ محبت!
مرے دل میں بھی اک وہ صورت ہے پنہاں
یہ کہہ کر دیا اُس نے دردِ محبت
گوارا نہیں جان دے کر بھی دل کو
کٹے گی شبِ غم بڑی راحتوں سے

چلو دیکھ آئیں، جگر کا تماشا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہو گا



عشق بے ننگ و نام نے مارا	حُسن کے احترام نے مارا
روز کی صبح و شام نے مارا	وعدہ نا تمام نے مارا
لغزش نیم گام نے مارا	لرزش دستِ شوق، آہ نہ پوچھا!
شوق کے اہتمام نے مارا	عشق کی سادگی تو ایک طرف
اس پیام و سلام نے مارا	اللہ اللہ! نفس کی آمد و رفت
عاشقانِ کرام نے مارا	عشق مرتا نہ اپنی موت سے آہ!
جن خیالاتِ خام نے مارا	کاش وہ عمرِ خضر بن جاتے
جگر خیام،	میں نہیں بسمِلی خیا
حافظِ خوش کلام نے مارا	

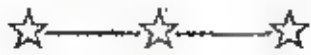


تمام ذرے پکارے، وہ آفتاب اٹھا	چدھر سے حُسن کا اک گوشہ نقاب اٹھا
کہ مے کدے کو لئے شورِ اضطراب اٹھا	یہ کون جامِ تہی کردہ و خراب اٹھا؟
جگر! شراب نہ پی، جہمتِ شراب اٹھا	نظر کو مست مئے حُسن کر، حجاب اٹھا
نظر کو ہے جو اٹھانا تو کامیاب اٹھا	یہ سب جو حُسنِ حقیقت پہ ہیں حجاب، اٹھا
ادھر فنا ہوا قطرہٴ ادھر حباب اٹھا	نشانِ منزلِ جذبِ تمام چھپ نہ سکا
بہت لطیف سہی، پھر بھی یہ حجاب اٹھا	کہاں مشاہدہٴ رُوح میں ہے پابستہ؟
ہزار قطرے فنا کر کے، اک حباب اٹھا	نمودِ حُسن کی یہ گرمی مزاج تو دیکھ
قدم نہ راہِ محبت میں بے حساب اٹھا	کہیں نہ فتنہ کوئی اٹھ کے تھام لے دامن
یہاں جو گر کے اٹھا، بس وہ کامیاب اٹھا	رہ طلب میں نہ کر، خوفِ لغزش پاسے
ابھی نظر سے نہ یہ پردہٴ سراب اٹھا	جہانِ حُسن سے تکمیلِ تشنگی کر لے
گناہگارِ نظر! لذتِ عذاب اٹھا	بھری ہوئی ہیں فضائیں جمالِ غم سے تمام

۱۔ ”آفتاب اٹھا“ درحقیقت خلافِ معاورہ ہے، مگر میرا مفہوم پھر اس کے اور کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔ اگر مذاقِ سلیم سے کام لیا جائے، تو یہ ایک اجتہاد ہوگا، جسے راجح ہونا چاہئے۔ (جگر)

سکونِ شوق سے بھی، کیفِ اضطراب اٹھا
 شکستِ نشہ سے اب لذتِ شراب اٹھا
 کدھر ہے مطربِ آتشِ نوا، زباب اٹھا
 مگر جو میکدہ، عشق سے خراب اٹھا
 نظر تو اپنی، ارے شوخِ مہِ حجاب، اٹھا
 کچھ اور دن ابھی تکلیفِ اضطراب اٹھا
 تڑپ کے موجِ اٹھی، جھوم کر حباب اٹھا
 جو اٹھ سکے تو مرا ساغرِ شراب اٹھا
 میں اپنا ساغر اٹھاتا ہوں، تو کتاب اٹھا
 اٹھا سر، اور جگر خانماں خراب! اٹھا
 قریب ساعتِ وصل آچکی ہے، اب تو، جگر
 نچوڑ دامن تر، دیدہ پر آب اٹھا

وداعِ ہوش کو پابندِ انحصار نہ کر
 اٹھا چکا ہے بہت نازِ بادہ و ساغر
 فضائے عشق ہے ساکت، ہوائے شوق ہے سنج
 کوئی خراب تماشا وہاں پہنچ نہ سکا
 یہی تھا وعدہٴ تسکین، یہی تھا مہدِ وفا
 نسیمِ شوق، یہ لائی جواب نامہٴ درد
 جدھر کو مستیِ دریا نے رخ کیا اپنا
 مجھے اٹھانے کو آیا ہے، واعظِ ناداں!
 کدھر سے برق چمکتی ہے، دیکھیں، اے واعظ!
 کہاں یہ یار، کہاں پائے نازکِ جاناں
 قریب ساعتِ وصل آچکی ہے، اب تو، جگر
 نچوڑ دامن تر، دیدہ پر آب اٹھا



جہاں سے چاہنا اُن کا وہیں سے دُور ہو جانا
 مبارک اپنے ہاتھوں حُسن کو مجبور ہو جانا
 ترا ملنا ہے خود ہستی سے اپنی دُور ہو جانا
 جب ایسا وقت آئے، پہلے تو بے نور ہو جانا
 وہ دیکھیں آج ہر نقشِ قدم کا طور ہو جانا
 سحر ہونے سے پہلے شمع کا بے نور ہو جانا
 ترا مجبور کر دینا، مرا مجبور ہو جانا
 اسی عالم میں، پھر کچھ سوچ کر مسرور ہو جانا
 مجھے باور نہیں آتا مرا مجبور ہو جانا
 کہ ہے نگِ نظر پابندِ برق و جود ہو جانا
 مجھی پر منحصر کر دو، میرا مجبور ہو جانا

ہزاروں قُربتوں پر یوں مرا مجبور ہو جانا
 نقابِ ردائے نادیدہ کا از خود دُور ہو جانا
 سراپا دید ہو کر غرقِ موجِ نور ہو جانا
 نہ دکھلائے خُدا، اے دیدہ تر دل کی بربادی
 جو کل تک لغزشِ پائے طلب پر مسکراتے تھے
 ان آنکھوں کا نہ پوچھو ضبطِ حُسن آنکھوں نے دیکھا ہے
 محبت کیا ہے، تاثیرِ محبت کس کو کہتے ہیں؟
 یکا یک دل کی حالت دیکھ کر میرا تڑپ اٹھنا
 محبت عینِ مجبوری سہی، لیکن یہ کیا باعث؟
 مگر اس رمز سے نا آشنا تھے حضرتِ موسیٰ
 نگاہِ ناز کو تکلیفِ جنبشِ ناگیا آخر؟

جگر! وہ حُسنِ پکسوئی کا منظر یاد ہے اب تک

نگاہوں کا سسٹنا اور جھومِ نور ہو جانا

ترا حجاب نہ کرنا بھی اب حجاب ہوا
 شراب و شیشہ بنا، نغمہ و ریاب ہوا
 مری نظر نہ ہوئی، آپ کا حجاب ہوا
 اک آفتاب کا سایہ تھا، آفتاب ہوا
 سنبھالنا مجھے، ساتی! میں بے نقاب ہوا
 جو بچ رہا، وہ مرا شوق کامیاب ہوا
 وہ ایک دورِ محبت جو صرف خواب ہوا
 کمالِ ضبطِ نفس، شرطِ اضطراب ہوا
 جس آئینے پہ نظر کی، ترا جواب ہوا
 وہ دل دیا کہ جسے قرب بھی عذاب ہوا
 جو لاکھ بار بنا، اور پھر خراب ہوا
 وہ ہر کرم جو پس پردہ عتاب ہوا
 سمجھ لیا کہ محبت کا گھر خراب ہوا
 خیالِ دل میں اُترتے ہی اضطراب ہوا
 بہ حدِ تابِ نظر کوئی بے حجاب ہوا
 دلیلِ ہستی ہر موجِ اضطراب ہوا

جہاں شوق کی محرومیاں نہ پوچھ، جگر

سکون تو کیا، کہ میٹر نہ اضطراب ہوا!

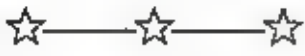


اک پیکرِ حقیقتِ عُریاں بنا دیا
 ڈالی وہ اک نظر کہ مسلمان بنا دیا
 میں وہ ہوں جس نے حسن کو حیراں بنا دیا
 انساں کو دردِ عشق نے انساں بنا دیا
 ناکامیوں کو حاصلِ عرفاں بنا دیا
 اک کیفِ مستقل کو رگِ جاں بنا دیا
 آئینہِ لطافتِ پنہاں بنا دیا
 ایک ایک موجِ بے کو رگِ جاں بنا دیا

ادبِ شناسِ محبتِ دلِ خراب ہوا
 سکونِ شوق جو مائل بہ اضطراب ہوا
 اسی سے دل کا ہر اک نقشِ جلوہ تاب ہوا
 خراب ہو کے بھی دل کب جہاں خراب ہوا
 فروغِ بادہ ترے حسن کا جواب ہوا
 مجھی ہیں گم، مرا ہر کیف و اضطراب ہوا
 کتابِ عشق کا مشکل ترین باب ہوا
 معاملاتِ محبت یہاں تک اب نہ بچے
 نگاہِ شوق کی جذب و کشش، ارے توبہ!
 ستمِ ظریفیٰ حسنِ ازل، ارے توبہ!
 اس ایک دل کی حقیقت کو کوئی کیا جانے؟
 نگاہِ دل بھی یکا یک اسے سمجھ نہ سکی
 دلِ تباہ کی کرنی ہی تھی کوئی تاویل
 نگاہِ خاک پہنچتی جمالِ معنی تک
 بہت ملال ہے دل کو، سنا ہے یہ جب سے
 سکونِ اصلِ عدم تھا محیطِ قدرت میں

رحمت نے مجھ کو مائلِ عصیاں بنا دیا
 ساتی نے آج بندہِ احساں بنا دیا
 دل کو حریفِ جلوہِ جاٹاں بنا دیا
 تیری ہر ایک شان کے شایاں بنا دیا
 بربادیوں نے ٹوٹ کے سامانِ آرزو
 اس عشقِ ہرزہ کار سے ہوتا ہی کیا، مگر
 اک اک ادائے عشق کو تاثیرِ حسن نے
 ساتی کے فیضِ مست نگاہی کے میں شمار

اس کے لئے تو تکِ محبت ہی فخر تھا تیرا کرم کہ جان کو جاٹا بنا دیا
 کس نے غمِ فراق میں بھر کر نشاطِ رُوح اک محشرِ تقسیمِ پنہاں بنا دیا
 آج اُس نظر نے دل سے کیا یوں معافہ سمجھا یہ میں کہ درد کو درماں بنا دیا
 ہم بھی ہیں کلمہ گو اسی کافر نگاہ کے
 کافر جگر کو جس نے مسلمان بنا دیا



خالی ز ادا ہائے پریشاں نہیں دیکھا ہم نے کسی آئینے کو حیراں نہیں دیکھا
 مدت ہوئی چھیڑے ہوئے افسانہ ہستی اب تک اثرِ خوابِ پریشاں نہیں دیکھا
 اللہ ری مجبوریِ آدابِ محبت
 گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا

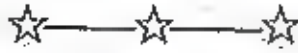


دارنگی شوق میں جد سے نہ گزر جا ٹھہر، اے جہاںِ مصلحتِ عشق! ٹھہر جا
 کونین کی ان بھول بھلیوں سے گزر جا اپنی ہی طرف دیکھ ادھر جا، نہ ادھر جا
 تقلیدِ صبا اک روشِ عام ہے، اے دل! تو موجِ فنا بن کے ابھر اور ٹھہر جا
 مجھ سا کوئی دیوانہ تجھے کون ملے گا؟ آ، اے اجل آ، تو بھی مرے ساتھ ہی مر جا
 قاتل کی نگاہوں میں ہے، اک معنیِ پنہاں
 اے جانِ بلب آمدہ! کچھ دیر ٹھہر جا



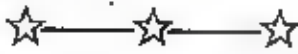
نہ دیکھا، رُخِ بے نقابِ محبت محبت ہے شاید حجابِ محبت
 برستا ہے کیفِ شبابِ محبت ہر آنسو ہے جامِ شرابِ محبت
 عجب جوش پر ہے شبابِ محبت محبت ہے، مستِ شرابِ محبت
 زہے خواب و تعبیرِ خوابِ محبت! محبت ہی نکلی جوابِ محبت
 مجھے کیا پڑی ہے ترے در سے اٹھوں ٹھہر نے جو دے، اضطرابِ محبت
 دلِ ذرہ ذرہ ہے طورِ تجلی زہے، جلوۂ آفتابِ محبت
 سبھی اٹھ گئے دیدہ و دل سے پردے نہ اٹھا، مگر اک حجابِ محبت
 لہو کی ہر اک بوندِ دل بن گئی ہے خوشا لذتِ کامیابِ محبت!

حدودِ محبت سے بھی بڑھ گئے ہم
سلامت رہے اضطرابِ محبت



ترے جلووں میں گم ہو کر، خودی سے بے خبر ہو کر
نہ چونکے اہل دل تا حشر مست و بے خبر ہو کر
جنونِ بیخودی نے کہہ دیا کیا؟ پردہ در ہو کر
بہارِ لالہ و گل، شوخی و برق و شرر ہو کر
نگاہِ اہل دل بھی رہ گئی زیر و زبر ہو کر
بھرم کھونا کہیں، اے دل، نہ عشقِ معتبر ہو کر
حجاب اندر حجاب و جلوہ اندر جلوہ کیا کہیں!
یہاں تک جذبِ کرلوں کاش! تیرے حسنِ کمال کو
اب اس رحمت کے آگے حشر میں کیا ہاتھ پھیلائیں
معاذ اللہ! ان کا کیف و جدائی، معاذ اللہ!
پڑا رہ سبزہ بیگانہ پر تو صورتِ شبنم
کہناں جاتی ہے مل کر، او نگاہِ نازِ بے پروا؟
لطافتِ مانعِ نظارہ صورتِ سہی، لیکن

حرمِ حسنِ معنی ہے، جگر! کاشانہِ اصغر!
جو بیٹھو با ادب ہو کر، تو اٹھو با خبر ہو کر



مجھ سے سنو، نالِ غم انتہائے عشق
اللہ ری یہ شانِ فنا و بقائے عشق!
وہ جانتا ہے اس کو، جو ہے آشنائے عشق
اب کوئی سن سکے تو سنے ماجرائے عشق

دُنیاے آب و گل کی ہوا گرم ہو چلی
کھلنے نہ پائے تھے ابھی بند قبائے عشق



ٹپکا پڑتا ہے نگاہوں سے مری عالم کیف
بن گیا عالم ہستی، ہمہ تن عالم کیف
زائد خشک کو سمجھا تھا میں نا محرم کیف
رقص کرتا ہے نگاہوں پہ مری عالم کیف
دیکھئے آج برستی ہے بکھر شبنم کیف
اب جو دیکھی بھی تو کیا انجمن برہم کیف
چھا رہا تھا نگہ شوق پہ جو عالم کیف
محرم کیف ہو کوئی کہ ہونا محرم کیف
پوچھ، اس مست سے اندازہ نشردوم کیف
تو نہ بنتی اگر، اے جانِ حزیں محرم کیف
انتہا کیف کی خود بن گئی وجہ رم کیف
حلقہ ہست زصد سلسلہ برہم کیف

ایک دن منظرِ فطرت ہی بدل دے نہ کہیں

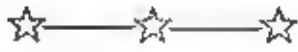
یہ تری مست نگاہی، یہ مرا عالم کیف



یہ تو فریاد کی توہین ہے، فریاد نہیں!
دل گذر گاہ تری ہے، تجھے کیا یاد نہیں
ہے یہ تیری ہی صدا، درد کی فریاد نہیں
دل سے آجائے جو لب تک، مری فریاد نہیں
دل ستم ساز ہے خود، تو ستم ایجاد نہیں
دل کی آواز ہے یہ درد کی فریاد نہیں
بیخودی کا ہے یہ عالم کہ خدا یاد نہیں
سچ کہا آپ نے، ہستی تری برباد نہیں!
دل سے کیا کہہ کے چلے تھے، ہمیں کچھ یاد نہیں
خود میں فریاد ہوں میری کوئی فریاد نہیں
سعی برباد ہے جو سعی کہ برباد نہیں
ہستی دل کا ہے احساس، تری یاد نہیں

نالہ پابندِ نفس، اے دلِ ناشاد! نہیں
اب یہ کیا بات کہ آباد نہیں، شاد نہیں؟
عشق محروم اثر اور ستم ایجاد نہیں
آنکھ کہہ دے جسے وہ عشق کی روداد نہیں
تجھ سے، اے دوست کوئی شکوہ بیداد نہیں
نقش بن کر اسے رہنا ہے، سنو یا نہ سنو
دور ہے منزلِ عرفانِ خودی، اور یہاں
غم سلامت ہے تو کر لے گا بہت دل پیدا
ہم وہ مدہوش ازل ہیں کہ الہی توبہ!
مری ہستی ہے مری عرضِ تمنائے دوست!
موت ہے ذوقِ طلب کے لئے عرفانِ حصول
مستی غم کا ہے ادراک جسے کہتے ہیں درد

پھونک دے قیدِ تعین کو بھی، اے برقی جمال!
 آنکھِ غافل ہے کہ ہے تشنہ دیدارِ ہنوز
 دل ہے آزاد نگاہیں ابھی آزاد نہیں
 تم نے کیوں انجمنِ ناز میں تیور بدلے؟
 دل دھڑکنے کی صدا ہے، کوئی فریاد نہیں
 دیکھنا بیخودی عشق کا اعجاز، جگر
 کہہ رہا ہوں وہ فسانہ، جو مجھے یاد نہیں!



عشق کا پیغامِ مستی، شوق کی روداد ہوں
 ہر نفسِ سرمایہ دارِ عشقِ کامل ہے مرا
 زندگی جس سے برستی ہے، میں وہ فریاد ہوں
 مائلِ فرزانگی ہے اب مرا ذوقِ بچوں
 مرحبا دردے کہ حسنِ دوست کی روداد ہوں!
 عشقِ بے پروا مرا، کافی حقیقت ہے، مری
 آج کل میں مجھ کو گھیر خراب آباد ہوں
 اور بھی مشقِ فنا سے بڑھ گئی ایذائے فکر
 کچھ سمجھ کر میں ہلاکِ حسنِ بے بنیاد ہوں
 میری ہستی جستجو، میری حقیقت احتیاج
 جس طرف اب دیکھتا ہوں، میں ہی میں آباد ہوں
 میں سراپا درد ہوں، میں مستقل فریاد ہوں
 کچھ نہیں کھلتا، جگر! رازِ طلسمِ کائنات
 مجھ میں یہ آباد ہے یا اس میں میں آباد ہوں



لے کے نکلا ہے مرا جوشِ لطافت مجھ کو
 منزلِ غم میں کہاں، وقفہِ راحت مجھ کو؟
 خوب پہچان لے آج، اے مری صورت! مجھ کو
 ہر نفسِ تازہ ہے در پیشِ قیامت مجھ کو
 کاش! ہوتا ہی نہ احساسِ محبت مجھ کو
 خود سے ملنے کی بھی ملتی نہیں فرصت مجھ کو
 مرے دل نے یہ دیا درسِ بصیرت مجھ کو
 دل نے جب تک نہ دکھاوی مری وسعت مجھ کو
 برسوں آوارہ پھرا بادِ صبا کے ہمراہ



قلزمِ آشامیٰ یک قطرہ بیتاب تو دیکھ
 رندِ میخوار وہ ہوں، میکدہِ ہستی میں
 گم کئے دیتی ہے میری ہی محبت مجھ کو
 ہر خمِ موج ہے حجابِ عبادت مجھ کو
 اب جو ممکن ہو تو روکے مری حیرت مجھ کو
 گرچہ ثابت نہ ہوئی میری ضرورت مجھ کو
 لے لیا کام جو لینا تھا غمِ ہستی نے

گل ویرانہ کو کیا ڈہل ہوس سے مطلب؟ تنگ ہے، میری پریشانی نکبت مجھ کو
 فرد عصیاں کو مری اے عرق شرم نہ دھو اس سے ہوتا ہے کچھ اندازہ رحمت مجھ کو
 یوں تو ہونے کو جگر اور بھی ہیں اہل کمال
 خاص ہے حضرت اصغر سے ارادت مجھ کو



اے وہ! کہ تجھ سے تازہ گلستانِ آرزو بھر دے گل مراد سے دلمانِ آرزو
 اللہ رے، فیضِ جلوۂ تابانِ آرزو! صبحِ ازل ہے شامِ غریبانِ آرزو
 نکلی تڑپ کے آنکھوں سے اک موجِ بیقرار اب آرزو کہو اسے، یا جانِ آرزو
 قطرے تمام خونِ شہیداں کے بن گئے نقش و نگارِ پردۂ ایوانِ آرزو
 جنبش میں ہیں تمام حروفِ خطِ نیاز اللہ رے، فیضِ شوخیِ عنوانِ آرزو!
 سب کچھ ہوا، مگر نہ کھلا آج تک یہ راز تم جانِ آرزو ہو کہ ہم جانِ آرزو

ہاں، اس طرف بھی اک نگہ نیشتر نواز

کب سے تڑپ رہی ہے رگِ جانِ آرزو



اندازہ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ! ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خطِ پیمانہ
 انجام سے بے پروا، آغاز سے بیگانہ پروانے کی دنیا ہے، بیتابی پروانہ
 شیشے سے نہ رکھ مطلب، اے ساقی میخانہ! ان مست نگاہوں سے بھر دے میرا پیمانہ
 آجائے اگر اپنی ضد پر کوئی دیوانہ! خود گرد پھرے آکر، کعبہ ہو کہ بت خانہ
 ادراک ہے ہستی کا، احساس ہے مستی کا ہاں اے نگہ ساقی، اک اور بھی پیمانہ!

ٹکرا دیا شیشوں کو، لڑوا دیا رندوں کو

نچلی نہ کبھی بٹھی، وہ زکسِ مستانہ



بے نقاب آج تو یوں جلوۂ جاناں ہو جائے جو جہاں پر ہے وہیں بیخود و حیراں ہو جائے
 واقفِ سرِ حقیقت اگر انساں ہو جائے غم سے نزدیک ہو، راحت سے گریزاں ہو جائے
 اس کی اک موج تبسم جو نمایاں ہو جائے دل کا ہر ذرہ بے کیف خمستاں ہو جائے
 ایک ذرے کا اگر حُسن نمایاں ہو جائے آدمی شدتِ انوار سے حیراں ہو جائے

جان خود جسم بنے، جسم اگر جاں ہو جائے
جس جگہ ٹیک دے سر، کعبہ ایماں ہو جائے
روح خوابیدہ ابھی جسم میں رقصاں ہو جائے
کاش اس گل کا ہر اک جزو پریشاں ہو جائے
گفر کی شرح میں گم، شیخ کا ایماں ہو جائے
یہی انساں کی ہے معراج کہ انساں ہو جائے
نفس چالاک اگر تابع فرماں ہو جائے
ایک ہی جست میں طے عالم امکان ہو جائے
آج ہونا ہو جسے آکے مسلمان ہو جائے
آج جس خار سے کہہ دوں، وہ گلستاں ہو جائے

حسن خود ہو نگراں، عشق جو حیراں ہو جائے
گفر ہی کا اگر انسان کو عرفاں ہو جائے
تم سنا دو کسی پردے پے جو اپنی آواز
دل ہے گنجینہ اسرار، نگاہیں محدود
مستی عشق کا افسانہ اگر چھیڑ ڈوں میں
عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی، نہ سہی
اس سے بڑھ کر کوئی دل سوز بھی دنیا میں نہیں
یوں بڑھے پائے طلب حسن قدم کی جانب
عام ہے بیعت ساقی، در میخانہ ہے باز
اللہ اللہ! یہ عرفانِ جوں کی تاثیر

خام سمجھو طلب و شوق کا اعجاز، جگر
ہر نفس عشق میں جب تک نہ رگ جاں ہو جائے



دشوائی حیات کو آساں بنائیے
جس طرح چاہیے، مجھے حیراں بنائیے
پھر شامِ غم کو صبحِ درخشاں بنائیے
پھر داغِ دل کو شمعِ شبستاں بنائیے
پھر خونِ دل کو زینتِ عموں بنائیے
پھر جان و دل کو شعلہٴ بداناں بنائیے
سینہ تمام رنجِ شہیداں بنائیے
گلشن نہ بن سکے تو بیاباں بنائیے
جتنی رگیں ہیں سب کو رگِ جاناں بنائیے
گلشن بنائیے، نہ بیاباں بنائیے
اپنی طرف سے اُن کو نہ آساں بنائیے

دل کو کسی کا تابع فرماں بنائیے
درماں کو درد، درد کو درماں بنائیے
پھر دل کو جو جلوہٴ جاناں بنائیے
پھر کیجئے اسی رُخِ تاباں سے کسبِ نور
پھر لکھئے خطِ شوق میں بیتابیِ فراق
پھر پیکرِ حیات میں بھریئے فنا کا رنگ
منشائے حسنِ دوست ہے، نکلیں نہ حسرتیں
آباد اگر نہ دل ہو، تو برباد کیجئے
ایک اک لہو کی بوند میں بھریئے دردِ عشق
دل کو اسی نگاہ کے دیجئے سپرد
اُن کی طرف سے دل پہ جو پڑ جائیں مشکلیں

برقِ جمالِ یار یہ کہتی ہے، اے جگر!
کون اہلِ ہوش ہے، کسے حیراں بنائیے؟

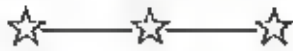


ذرا آنکھیں تو کھول اور نقشِ باطل دیکھنے والے!
مجھے بھی دیکھ، میری ہستی دل دیکھنے والے!
ارے بیگانہ بن کر جانبِ دل دیکھنے والے!
کبھی خود کو بھی دیکھا اور خود سے غافل دیکھنے والے!
کہاں میں اتصالِ موج و ساحل دیکھنے والے؟
زمین سے آسمان تک وسعتِ دل دیکھنے والے
غم بے حاصلی کا حُسنِ حاصل دیکھنے والے
تجسّی کو دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے
سنہلنا، ہاں سنہلنا، رقصِ بسمل دیکھنے والے!
مراۓ دیکھتے ہیں جذبِ منزل دیکھنے والے
سا جاؤ بھی اور گنجائشِ دل دیکھنے والے!
یہ سب ہیں رقصِ موج و سکرِ ساحل دیکھنے والے
یہی وہ ہیں، جنہیں کہتے ہیں قاتل دیکھنے والے
فلک کو یا اس سے منزل بہ منزل دیکھنے والے
اسی محفل میں ہوں گے نبضِ محفل دیکھنے والے
مرے اشعار دیکھیں گے، مراد دل دیکھنے والے

خود اپنے عکس کو اپنے مقابل دیکھنے والے!
حقیقت کو حقیقت کے مقابل دیکھنے والے!
یہ محفل ہے، یہاں ہیں رنگِ محفل دیکھنے والے
نقوشِ پرتو رنگینیِ دل دیکھنے والے!
تیرے جلووں کو دیکھیں اور مرے دل کی طرف دیکھیں
ترے گونچے میں آ کر فخر سمجھے ہیں اسیری کو
نہ دیکھیں آنکھ اٹھا کر بھی جمالِ شاہدِ مقصد
تری صورت کا مظہر ہے ترا ہر پرتو رنگیں
شہادتِ انتقامِ عشق کی صورت بدلتی ہے
مری ہستی کا ہر ذرہ اڑا جاتا ہے منزل سے
زمین و آسمان کیا ہیں؟ مکان و لامکان کیا ہے؟
انہیں تہ کی خبر کیا، گوہرِ مقصد کو کیا جانیں؟
شہیدانِ محبت سے لڑا آنکھیں نہ، اے ناصح!
ادھر آ، ہر قدم پر حُسنِ منزل تجھ کو دکھلا دوں
مری آتشِ نوالی کا بھی کچھ اندازہ فرمائیں
انہیں میں کھینچ کر رُوحِ محبت میں نے بھردی ہے

مجھے آغوشِ طوفان ہی جگر، آغوشِ مادر ہے

وہ کوئی اور ہوں گے امنِ ساحل دیکھنے والے



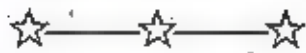
اس پیکرِ خاکی میں یہ کون خراماں ہے؟
تو چھیڑ تو دے ظالم، ہر تارِ رگ جاں ہے
راہیں بھی گریزاں ہیں، منزل بھی گریزاں ہے
پابندیِ انساں ہی آزادیِ انساں ہے
زاہد، وہی زاہد جو رحمت سے گریزاں ہے
اک موجِ تبسم میں گلِ رازِ گلستاں ہے

اک حُسن کا دریا ہے، اک ثور کا طوفاں ہے
اک سازِ محبت ہی کل عالم! امکان ہے
پھر عشقِ جنوں پیشہ یوں سلسلہ جنباں ہے
تو رازِ محبت کو سمجھا ہی نہیں، ورنہ!!
مجھ کو مری غصیاں سے کیا خاک ڈرائے گا
صدقے ترے ہونٹوں کے، رنگینیِ درحنائی!

اک شاہد بیتابی، اک پیکر محبوبی
عالم کا تلون کیا، ہستی کا تعین کیا؟
ہے ہوشی و ہشیاری، مجبوری و آزادی
اللہ تجھے رکھے: محفوظ حوادث سے!
ہر درد میں شامل ہے، ہر سانس میں پنہاں ہے
تُو خود جو خراماں ہے، سایہ بھی خراماں ہے
جو کچھ ہے محبت میں، احسان ہی احساں ہے
اے کفر! ترے دم تک آراکشِ ایماں ہے
یہ ثریت عاشق ہے ٹھکرا کے نہ چل، غافل
اس خاک کا ہر ذرہ خورشیدِ بداماں ہے



فطرت نے محبت کی اس طرح بنا ڈالی
ہر ذرے کے پیکر میں اک رُوحِ وفا ڈالی
اس جلوۂ رنگیں کی دیکھے تو کوئی شوخی!
بربادِ ستم ہو کر، پامالِ کرم بن کر
جو قیدِ نظر آئی، اک بار اٹھا ڈالی
اپنی ہی سی کل دُنیا عاشق نے بنا ڈالی
بُت خانے کے پردے میں کعبہ کی بنا ڈالی
میں نے بھی نقاب اپنے چہرے سے اٹھا ڈالی
ہستی جسے کہتے ہیں اک سادہ حقیقت تھی
رنگین نگاہوں نے رنگین بنا ڈالی

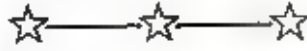


عشق میں مقصودِ اصلی کو مقدم کیجئے
ہر طرف بے فائدہ کیوں سہی پیہم کیجئے
عشق کی عظمت نہ ہرگز جیتے جی کم کیجئے
اپنی ہستی پر نہ طاری کیجئے کوئی اثر
شرح و تفصیلات پر یعنی نظر کم کیجئے
تنگی سے اپنے پیدا بحرِ اعظم کیجئے
جان دے دیجے مگر آنکھیں نہ پرہم کیجئے
دور سے نظارۂ حُسنِ دو عالم کیجئے
مہر پیدا کیجئے اور غرقِ شبنم کیجئے
آنسوؤں میں کھینچ لیجے جلوۂ حُسنِ ازل
بخودی میں چھیر دیجے، نغمہ ہائے سازِ دل
پھر انہیں موجوں پہ خود ہی رقصِ پیہم کیجئے



احساںِ عاشقی نے بے گانہ کر دیا ہے
اب کیا اُمید رکھوں، اے حُسنِ یارِ تجھ سے؟
تجھ سے خُدا ہی سمجھے، تُو نے کسی کو، اے دل!
پھر اس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں
یوں بھی کسی نے اکثر دیوانہ کر دیا ہے
تُو نے مُسکرا کر، دیوانہ کر دیا ہے
مجھ سے بھی کچھ زیادہ دیوانہ کر دیا ہے
یادش بخیر! جس نے دیوانہ کر دیا ہے

مجھ کو جنوں سے اپنے شکوہ جو ہے تو یہ ہے میری محبتوں کو افسانہ کر دیا ہے
 اے حسن روز افزوں، عمرت دراز باد! دونوں جہاں سے مجھ کو بیگانہ کر دیا ہے
 جب دل میں آگیا ہے، اک جنبش نظر نے دیوانہ کہہ دیا، دیوانہ کر دیا ہے
 مجھ ہی سے پوچھتے ہیں، یہ شوخیاں تو دیکھو
 میرے جگر کو کس نے دیوانہ کر دیا ہے؟



ہم سے رندوں کا زمانے سے جدا میخانہ ہے
 اک نمود مضرب، اک جوش بیتابانہ ہے
 حیرت آباد فنا بھی کیا تھکی خانہ ہے
 اللہ اللہ! بخودی شوق کی صورت گری
 کھینچ کر اک آہ کس نے رکھ دیا جام شراب؟
 ہوشیار، اور جانِ دل سے چھپنے والے، ہوشیار!
 اس کے دل سے پوچھو رازِ جلوہ بے رنگِ حسن
 فیضِ ساقی نے مجھے لبریزِ مستی کر دیا
 اس تسم کے تصدق، اس تجاہل کے ثار!
 یہ بہار آئی ہوئی، ایسی گھٹا چھائی ہوئی
 میں ہوں رندِ لم یزل اک ساقی بے نام کا
 کوئی قیدِ ہوشیاری ہے نہ شرطِ بخودی
 جس کا جتنا ظرف ہے، اس سے سواملتا نہیں
 ہر قدم پر ناصحِ مشفق کی دل سوزی نہ پوچھ
 پی کے اک جام شرابِ شوق آنکھیں کھل گئیں
 عشقِ وحدت آشنا و شوقِ صورتِ آفریں
 آسماں خم ہے، فضائے آسماں پیمانہ ہے
 عشقِ دیوانہ سہی، کیا حسن بھی دیوانہ ہے
 ہر تصور شمعِ محفل، ہر نگہ پروانہ ہے
 ہر قدم پر اس طرف کعبہ، ادھر بت خانہ ہے
 دیدنی آج اضطرابِ ساقی و پیمانہ ہے
 آج چشمِ شوق کا انداز بیباکانہ ہے
 کعبہ بھی جس کی نظر میں صورتِ میخانہ ہے
 ہر نظر جام و سنو ہے، ہر نفسِ میخانہ ہے
 خود ہی مجھ سے پوچھتے ہیں کون یہ دیوانہ ہے
 جو مے کرتا ہے زاہد، کیا کوئی دیوانہ ہے؟
 شش جہت میرے لئے ٹوٹا سا اک پیمانہ ہے
 تم سمجھ لو جس کو دیوانہ وہی دیوانہ ہے
 جلوہ ساقی بقدرِ ہمتِ مردانہ ہے
 آدی لہتا ہے، لیکن اک ذرا دیوانہ ہے!
 دیکھتا ہوں جس طرف میخانہ ہی میخانہ ہے
 اک نظر اپنی ہے کعبہ، اک نظر بت خانہ ہے

آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرما دیجئے!

سب یہ کہتے ہیں، جگر دیوانہ ہے دیوانہ ہے

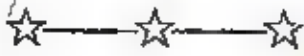


حشر کیا تھے ہے مذاق حشر ساماں چاہیے
مجھ کو اب تیرے سوا سب کچھ پریشاں چاہئے
دل کی خاطر ایک دل سا دشمنِ جان چاہئے
اب بجائے ہر نگہ تصویرِ جاناں چاہئے
مجھ کو جو کچھ چاہئے بے حد و پایاں چاہئے
کچھ تو بہر امتیازِ جان و جاناں چاہئے
ہر نگاہِ مستِ ساقی، ساغرستاں چاہئے
ذوقِ عصیاں چاہئے، عرفانِ عصیاں چاہئے
اب ترا جلوہ گلستاں در گلستاں چاہئے
اب تجھے کیا، اے حیاتِ فتنہ ساماں، چاہئے
دیکھنے والی نظرِ گلشنِ بداماں چاہئے
آنکھ لگ ہی جائے گی، گہوارہ جہناں چاہئے
عشق کی تصویر کا ہر رُخ نمایاں چاہئے

ہر گھڑی پیشِ نظر اک تازہ طوفاں چاہیے
ذوقِ برہم چاہئے، شوقِ گریزاں چاہئے
یہ کرم بھی، اے نگاہِ فتنہ ساماں چاہئے
اک جمالِ نو بہ نو طوفاں بہ طوفاں چاہئے
عشق بے قید تصورِ شوق بے قیدِ نظر!
لذتِ باقی کو اے ذوقِ فنا رہنے بھی تو دے
ایک دو چٹو میں کچھ تھی ہے کہیں رندوں کی پیاس؟
عفو کیسا، جلوہٴ رحمت بھی نکلے گا یہیں!
آرزو و شوق تو ہیں انجمن در انجمن!
حسن کی کافر نگاہیں، عشق کا معصوم دل
سیرگاہِ عشق میں کانٹے ہی کانٹے ہوں تو ہوں
آرزوئے دل سلامت، دردِ پیہم برقرار
منتشر کر دے فضائے حسن میں ذراتِ دل

حسن بے تابِ تجلی خود ہے، لیکن، اے جگر!

ایک ہلکا سا حجابِ چشم حیراں چاہئے

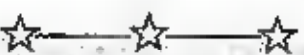


جو پردہ اٹھاتا ہوں، قاتلِ نظر آتا ہے
بسمل ہے وہی جس کو قاتلِ نظر آتا ہے
باطل ہے نظر جب تک باطلِ نظر آتا ہے
ہم خود ہی نہیں رہتے، جب دلِ نظر آتا ہے
اپنا بھی نظر آیا مشکلِ نظر آتا ہے
کیا صورتِ بسمل میں قاتلِ نظر آتا ہے
تصویر کا یہ رُخ بھی باطلِ نظر آتا ہے

یہ جذبِ شہادت کا حاصلِ نظر آتا ہے
عالم مجھے نادیدہ بسملِ نظر آتا ہے!
تصدیقِ حقیقت بھی محتاجِ حقیقت ہے
اس جانِ تمنا کا کس طرح پتا پوچھیں!
اب اس رُخِ رنگیں کے جلووں کو تو کیا کہئے
ہر سمت سے مقتل میں کیوں ٹوٹ پڑیں نظریں؟
ہستی کے عدم پر بھی شک ہے ترے مستوں کو

پروردہٴ طوفاں کو کشتی کی نہیں حاجت

موجوں کے تلاطم میں ساحلِ نظر آتا ہے



جارہا ہوں، جس طرف لے جا رہا ہے دل مجھے
درد بخشا ہے اگر تُو نے بجائے دل مجھے
اُس کو قاتل کہنے والے کہہ اُٹھے قاتل مجھے
ہر طرف سے آج آتی ہے صدائے دل مجھے
لے اڑی ہے ایک موج بیقرار دل مجھے
ہاں مبارک، فرصتِ نظارہ قاتل مجھے
جاننا ہوں، صاف دھوکے دے رہا ہے دل مجھے
عشق نے سمجھا دیا ہے عشق کا حاصل مجھے
حسن سمجھا تھا چراغِ کشتی محفل مجھے
بڑھ کے سینے سے نہ لپٹا لے مرا قاتل مجھے
تُو جو چاہے تو ڈبو دے خشکی ساحل مجھے
اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے
دیکھنا ہے جذبہ بیتابی منزل مجھے
تُو نے سب سے کر دیا بیگانہ و غافل مجھے
اُس نے سمجھا تو بہر صورت کسی قابل مجھے

فکرِ منزل ہے نہ ہوشِ جاوہِ منزل مجھے
اب زباں بھی دے ادائے شکر کے قابل مجھے
یوں تڑپ کر دل نے تڑپایا سرِ محفل مجھے
اب کدھر جاؤں، بتا اے جذبہِ کامل، مجھے
روک سکتی ہو تو بڑھ کر روک لے منزل مجھے
جان دے کر حشر تک میں ہوں، مری تنہائیاں
ہر اشارے پر ہے پھر بھی گردنِ تسلیم خم
جا بھی اے ناصح! کہاں سود اور کیسا زیاں؟
میں ازل سے صبحِ محشر تک فروزاں ہی رہا
خونِ دل رگ رگ میں جم کر رہ گیا اس وہم سے
کیسا قطرہ؟ کیسا دریا، کس کا طوفاں کیسی موج؟
بھونک دے لے غیرتِ سوزِ محبت لہو تک دے
توڑ کر بیٹھا ہوں راہِ شوق میں پائے طلب
اے ہجومِ نا اُمیدی! شاد باش و زندہ باش!
دردِ محرومی سہی، احساسِ ناکامی سہی

یہ بھی کیا منظر ہے، بڑھتے ہیں نہ ہٹتے ہیں قدم
تک رہا ہوں دور سے منزل کو میں، منزل مجھے



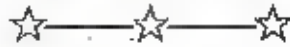
وہ کسی شمشے میں ہے، ساقی، نہ میخانے میں ہے
سب الٹ دے ساقی! جتنی بھی میخانے میں ہے
وہ بھی تھوڑی سی جوانِ آنکھوں کے پیمانے میں ہے
لطف جس کا کچھ سمجھنے میں نہ سمجھانے میں ہے
زندگی اب ہر نفس کے ساتھ مر جانے میں ہے
درد کی لذت سراپا درد بن جانے میں ہے
کم سے کم اتنی تو ہرے کش کے پیمانے میں ہے
اب نہ کعبے میں ہے سناٹا، نہ بت خانے میں ہے

اک سے بے نام جو اس دل کے پیمانے میں ہے
پوچھنا کیا، کتنی وسعت میرے پیمانے میں ہے
یوں تو ساقی، ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے
ایک ایسا زار بھی دل کے نہاں خانے میں ہے
یاد آتا ہے کہ جب تھا ہر نفس اک زندگی!
ایک کیفِ نا تمام درد کی لذت ہی کیا؟
غرق کر دے بھلکو زاہد! تیری دُنیا کو خراب
پھر نقاب اس نے الٹ کر زورِ تازہ بھونک دی

منتشر کر دے اسے بھی حُسنِ بے پایاں کے ساتھ زندگی شیرازہ دل کے بکھر جانے میں ہے
 پی بھی جا زابد! خدا کا نام لے کر پی بھی جا بادۂ کوثر کی بھی اک موج پیمانے میں ہے
 شیشہ مست و بادہ مست و حسن مست و عشق مست آج پینے کا مزہ پی کر بہک جانے میں ہے
 بے تحاشہ پی رہے ہیں کب سے زندانِ الست آج بھی اتنی ہی مے ہر دل کے پیمانے میں ہے
 حُسن کی اک اک ادا پر جان و دل صدقے، مگر
 لطف کچھ دامن بچا کر ہی گزر جانے میں ہے



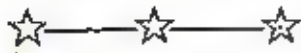
عشق نے توڑی سر پہ قیامت، روزِ قیامت کیا کہیے؟
 سننے والا کوئی نہیں، رُودادِ محبت کیا کہیے؟
 دل ہے کسی کا رازِ حقیقت، رازِ حقیقت کیا کہیے؟
 حیرتِ جلوہ مُہر بہ لب ہے، جلوہ حیرت کیا کہیے؟
 جب سے اُس نے پھیر لی نظریں، رنگِ تباہی، آجانہ پوچھ!
 سینہ خالی، آنکھیں ویراں، دل کی حالت کیا کہیے؟
 ایک تجلی، ایک تبسم، ایک نگاہ بندہ نواز
 اس سے زیادہ، اے غمِ جاناں! دل کی قیمت کیا کہیے؟
 شیشہ دل وہ ہستی نازک ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا
 اس پہ کسی کے تیر ستم کی مشقِ سیاست کیا کہیے



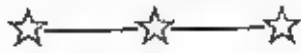
ذرہ ذرہ دیدہ و دل ہے، گوشہ گوشہ ہستی ہے
 عشق ہے جب تک سلسلہ جنباں، دل کی ہستی ہستی ہے
 جینے تک ہیں ہوش کے جلوے، آگے ہوش کی مستی ہے
 موت سے ڈرنا کیا معنی، موت بھی جُودِ ہستی ہے
 معنی صورت، صورتِ معنی، فکر و نظر کے دھوکے ہیں
 فکر و نظر تک ہی رہ جانا، فکر و نظر کی پستی ہے
 چشمِ حُسن و عشقِ مبارک، دیدہ و دل خرم و شاد
 حشر تک اب یہ بحث سلامت کس کی کہاں تک ہستی ہے



نالہ بے قرار کون کرے؟
 ہوش کی مستیاں، ارے تو!
 عشق سے اعتماد کے قابل
 ہمیں بن جائیں کیوں نہ صورتِ یار
 جان و دل پر نہیں رہا قابو
 حسن کو شرم سار کون کرے؟
 ہوش کو ہوشیار کون کرے؟
 حسن کا اعتبار کون کرے؟
 دل کو پابند یار کون کرے؟
 جان و دل اب نثار کون کرے؟
 سونے صحرا نکل چلے وحشی
 انتظار بہار کون کرے؟



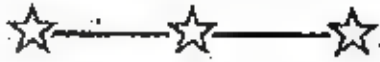
لازم ہے کچھ تو خاطرِ دلدار کے لئے
 بے ہوش کے لئے ہیں، نہ ہشیار کے لئے
 ہم سے نہ پوچھ شورشِ در ماندگی کا راز
 اُن کی حریمِ خاص میں جلوؤں کا ذکر کیا؟
 دل تک خیالِ غیر بھی لانا روا نہیں
 آساں نہیں معاملہٴ جلوہ و نظر
 چشمِ کلیم چاہیے دیدار کے لئے



جو جہنم میں بھی فردوسِ بداماں ہوں گے
 ایک در پردہ کشاکش سے پریشاں ہوں گے
 نہیں معلوم وہ کس وضع کے انساں ہوں گے
 وہ جدھر ناز سے بے پردہ خراماں ہوں گے
 جمع سب حسن کے اجزائے پریشاں ہوں گے
 میری حیرت کی قسم! آپ اٹھائیں تو نقاب
 میں چھپاتا ترے اسرارِ محبتِ ظالم!
 حسن تک دیکھ لیں سب حسن کے جلوؤں کی بہار
 نعمتِ بربطِ غم، کیفِ اثر، شورشِ جاں
 لطفِ آزادیِ زندانِ بلا کیا کہئے!
 تجھ کو گلشن کی قسم چھیڑ نہ اے بادِ سحر!

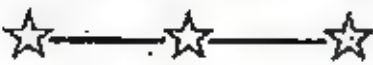
دیکھ لینا وہ ہمیں سوختہ سماں ہوں گے
 خود کو جتنا وہ ہتھیائیں گے، نمایاں ہوں گے
 جن پہ تیرے ستمِ خاص کے احساں ہوں گے
 ذرے سب جامِ بکف، مست و غزلخواں ہوں گے
 ہم تو ہم، بت بھی کسی روز مسلمان ہوں گے
 میرا ذمہ ہے کہ جلوے نہ پریشاں ہوں گے
 کیا خبر تھی، مری رگ رگ سے نمایاں ہوں گے
 مجھ تک آئے تو مرا حالِ پریشاں ہوں گے
 انہیں پردوں سے کسی دن وہ نمایاں ہوں گے
 اب جو چھوٹے تو اسیرِ غمِ زنداں ہوں گے
 کھل گئی غنچوں کی آسکھیں تو پریشاں ہوں گے

خُسن بے قید سہی، عشق بھی محذود نہیں مجھ کو پائیں گے، جہاں تک وہ نمایاں ہوں گے
 شعلہ سامانی غم نے نہ کرو ناز، جگر
 تم سے کتنے ہی جگر شعلہ بداماں ہوں گے



کوئی نہ گھر ہے اپنا، کوئی نہ آستاں ہے
 تو سامنے ہے، پھر بھی بتلا کہ تو کہاں ہے
 میں اپنی اس نظر کی رعنائیوں کے صدقے
 میں عشق ہوں مکمل میں شوق ہوں مسلسل
 سب نذر خُسن کر کے بیٹھا ہے عشق رُسوا
 میں کس کے سامنے اب اپنی جبین چھکاؤں؟
 ہر شاخ ہے نشیمن، ہر پھول آشیان ہے
 کس طرح تجھ کو دیکھوں، نظارہ درمیاں ہے
 جو شکل ہے حسین ہے، دو شیزہ ہے، جواں ہے
 گویا تمام عالم میری ہی داستاں ہے
 کوئی نہ راز ہے اب، کوئی نہ رازداں ہے
 میری جبین نہیں ہے، تیرا ہی آستاں ہے

رنگین ہیں فضا میں، جاری ہیں اشکِ خونین
 افسانہ خُسن کا ہے اور عشق کی زباں ہے



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائٹ لٹک ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



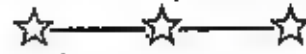
twitter.com/paksociety1

پارہ ہائے جگر

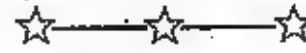
زبانِ شوق سے شکرِ وصال ہو نہ سکا وہ حال تھا کہ کچھ احساسِ حال ہو نہ سکا
نگاہِ شوق نے بدلے ہزارہا منظر مرے لئے کوئی شایانِ حال ہو نہ سکا



ستم کشوں نے نہ سمجھا کمالِ حیرت میں چھپے ہوئے تھے وہ خود پردہٴ محبت میں
اگر نہیں پس پردہ کوئی حقیقت میں یہ کون بول رہا ہے طلسمِ صورت میں؟
جب آئے محفلِ وحدت سے بزمِ کثرت میں نظر کا بن گئے پردہٴ نظر کی صورت میں



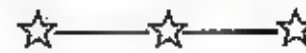
آنکھوں کے سامنے اب منزل رہی نہ راہیں جلوؤں نے ترے مل کر سب ٹوٹ لی نگاہیں
سینے سے حُسن نے خور لپٹا لیا تڑپ کر! فریاد بن کے اٹھیں آج اس طرح نگاہیں
اک بزمِ ناز میں چل، زاہد، تجھے دکھا دوں مینا بدوش آنکھیں، ساغر بکف نگاہیں



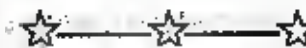
دوست الفت نہ کریں، غیرِ عداوت نہ کریں میں کہیں کا نہ رہوں وہ جو عنایت نہ کریں
وقت آئے تو ہمیں جان بھی کر دیں گے فدا کیا یہ ممکن ہے، تیرے نام کی عزت نہ کریں؟



یہ بھی گر اک جلوۂ جانا نہ ہوا میری محزوی عجب افسانہ ہوا



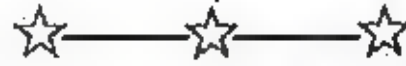
یہ حاصلِ سرمایۂ عرفاںِ طلبی ہے یعنی ہوشِ دید خود اک بے ادبی ہے
بجھتی ہی نہیں اب کسی ساغر سے مری پیاس شاید مرا مقصد ہی مری تشنہ لبی ہے



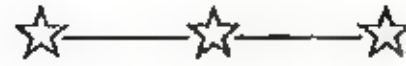
حُسن میں جب تک کہ یہ شانِ خود آرائی نہ تھی عشق میں مستی تھی لیکن خُوئے رسوائی نہ تھی



یہ کس نے منتشر کر دیں جوں سامانیاں میری؟
زمیں سے آسماں تک ایک میں ہوں یا فغاں میری



راس آئی مجھ کو حیرانی مری اب وہ کرتے ہیں نگہبانی مری
ہو گیا سیراب باغِ آرزو اللہ اللہ! شبنم افشانی مری



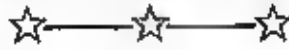
وارداتِ جگر

(دورِ چہارم)

تجھی سے ابتدا ہے، تو ہی اک دن انتہا ہوگا
ہمیں معلوم ہے، ہم سے سنو، محشر میں کیا ہوگا
سپر محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا!
جہنم ہو کہ جنت، جو بھی ہوگا فیصلہ ہوگا
ازل ہو یا ابد، دونوں اسیرِ زلفِ حضرت ہیں
یہ نسبتِ عشق کی بے رنگ لائے زہ نہیں سکتی
اسی امید پر ہم طالبانِ درد جیتے ہیں!
نگاہِ قہر پر بھی جانِ دوں، سب کھوئے بیٹھا ہے
یہ مانا بیچ دے گا ہم کو محشر سے جہنم میں
سمجھتا کیا ہے تو دیوا نگانِ عشق کو، زاہد!

جگر کا ہاتھ ہوگا حشر میں اور دامنِ حضرت

شکایت ہو کہ شکوہ، جو بھی ہوگا، بر ملا ہوگا



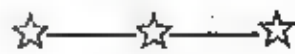
عشق کو بے نقاب ہونا تھا آپ اپنا جواب ہونا تھا
مست جامِ شراب ہونا تھا (قلعہ) بے خود اضطراب ہونا تھا
تیری آنکھوں کا کچھ تصور نہیں ہاں، مجھ کو خراب ہونا تھا
آؤ، مل جاؤ، مسکرا کے گلے ہو چکا، جو عتاب ہونا تھا
کوچہٴ عشق میں نکل آیا! جس کو خانہ خراب ہونا تھا

۱۔ میں اس پابندی کا مخالف ہوں کہ قلعہ کو مطلع سے شروع نہ ہونا چاہئے (جگر)

مست جام شراب خاک ہوئے فرق جام شراب ہونا تھا
 دل کہ جس پر ہیں نقشِ رنگا رنگ اس کو سادہ کتاب ہونا تھا
 ہم نے ناکامیوں کو ڈھونڈ لیا آخرش کامیاب ہونا تھا
 ہائے وہ کچھ سکوں کہ جسے محشر اضطراب ہونا تھا
 نگہ یار خود تڑپ اٹھتی شرطِ اول خراب ہونا تھا
 کیوں نہ ہوتا ستم بھی بے پایاں کرم بے حساب ہونا تھا
 کیوں نظر حیرتوں میں ڈوب گئی موجِ صد اضطراب ہونا تھا
 ہو چکا روزِ اولیٰ ہی، جگر!
 جس کو جتنا خراب ہونا تھا



ایک رنگیں نقاب نے مارا حسن بن کر حجاب نے مارا
 جلوۂ آفتاب کیا کہیے! سایۂ آفتاب نے مارا
 اپنے سینے ہی پر پڑا اکثر تیر جو اضطراب نے مارا
 نگہ شوق و دعویٰ دیدار اس حجاب الحجاب نے مارا
 ہم نے مرتے تیرے تغافل سے پرسش بے حساب نے مارا
 لذت دید نے جمال، نہ پوچھا! درد بے اضطراب نے مارا
 چھپتے ہیں اور چھپا نہیں جاتا اس ادائے حجاب نے مارا
 حشر تک ہم نہ مرنے والوں کو مرگِ ناکامیاب نے مارا
 پاتے ہی اک اشارۂ نازک دم نہ پھر اضطراب نے مارا
 دل کہ تھا جانِ زیست، آہ! جگر!
 اسی خانہ خراب نے مارا



ستم کامیاب نے مارا کرم لاجواب نے مارا
 خود ہوئی گم، ہمیں بھی کھو بیٹھی نگہ بازیاب نے مارا
 زندگی تھی حجاب کے دم تک برہمی حجاب نے مارا
 عشق کے ہر سکونِ آخر کو حسن کے اضطراب نے مارا
 خود نظر بن گئے حجابِ نظر ہائے اس بے حجاب نے مارا
 میں تیرا عکس ہوں کہ تو میرا اس سوال و جواب نے مارا

کوئی پوچھے کہ رہ کے پہلو میں تیر کیا اضطراب نے مارا
 بچ رہا جو تیری تجلی سے اس کو تیرے حجاب نے مارا
 اب نظر کو کہیں قرار نہیں کاوش انتخاب نے مارا
 سب کو مارا جگر کے شعروں نے
 اور جگر کو شراب نے مارا



شورشِ کائنات نے مارا موت بن کر حیات نے مارا
 پرتوِ حسنِ ذات نے مارا مجھ کو میری صفات نے مارا
 ستمِ یار کی دہائی ہے نگہِ التفات نے مارا
 میں تھا رازِ حیات اور مجھے میرے رازِ حیات نے مارا
 ستمِ زیتِ آفریں کی قسم! خطرۂ التفات نے مارا
 موت کیا؟ ایک لفظ بے معنی جس کو مارا حیات نے مارا
 جو پڑی دل پہ، سہ گئے، لیکن ایک نازک سی بات نے مارا
 شکوۂ موت کیا کریں کہ جگر
 آرزوئے حیات نے مارا



عاشق کو غمِ عشق کے آزار نے مارا ایک یار کو اک یارِ وفا دار نے مارا
 تو نے نہ اٹھایا زرخِ نادیدہ سے پردہ دنیا کو تری حسرتِ دیدار نے مارا
 ہاں اسے لبِ جاں بخش! دہائی ہے دہائی انکار سے بڑھ کر ترے اقرار نے مارا
 ہونے کو تو ہر مرگِ محبت ہے مبارک اے عشق! خوشا وہ کہ جسے یار نے مارا
 کیا اُس کی محبت کا ٹھکانا کہ جسے آہ انکارِ محبت کے بھی اقرار نے مارا
 کچھ کہہ تو گیا، برقی غضب نے جسے بھونکا اُف کر نہ سکا، جس کو ترے پیار نے مارا
 دونوں ہی جفا جو ہیں، جگر، عشق ہو یا حسن

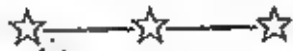
اک یار نے لوٹا، مجھے اک یار نے مارا



عشق کی یہ نمودِ پیہم کیا؟ ہو تمہیں تم اگر، تو پھر ہم کیا؟
 آہ بیتاب و اشکِ پیہم کیا؟ نقدِ غم ہے تو حاصلِ غم کیا؟

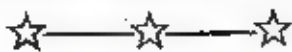
جو ترے کچھ نظر نہیں آتا
 ترا ملنا، ترا نہیں ملنا
 میں وہاں ہوں جہاں نہیں میں بھی
 ہم ہیں تیرے، ودیعتیں تیری
 ان نگاہوں کے سب کرشمے ہیں
 کر لیا ذل نے عیشِ وصل قبول
 نیتِ شب بخیر، اے ساقی!
 شوقِ گستاخ کر چکا تقصیر
 موت کی نیند چھائی جاتی ہے
 ہمہ تن عشق بر ملا بن جا
 اس نظر میں نہیں سماتا کچھ
 جان بیتاب و چشم پر غم کیا؟

عشقِ خاموش کے مزے ہیں جگر
 جوشِ فریاد و شور ماتم کیا؟



کام آخر جذبہ بے اختیار آ ہی گیا
 جب نگاہیں اٹھ گئیں، اللہ زے معراجِ شوق!
 ہائے یہ حسنِ تھوڑ کا فریبِ رنگ و بو
 ہاں سزا دے، اے خدائے عشق، اے توفیقِ غم!
 اس طرح خوش ہوں کسی کے وعدہ فرودا پہ میں
 ہائے، کافرِ دل کی یہ کافرِ جوں انگیزیاں!
 درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ دل کی آڑ سے
 دل نے اک نالہ کیا آج اس طرح دیوانہ وار

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
 عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا



۱۔ اہل فارس ان معنوں میں استعمال نہیں کرتے لیکن میرا ذوق اسے جائز قرار دیتا ہے (جگر)

کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا
 کس نظر سے بھی دل کو بے پروا کیا
 تو نے سو سو رنگ سے پردا کیا
 وہ بھی نکلی اک شعاع برقِ حُسن
 لذتِ ناکامیابی، الاماں!
 اب نظر کو بھی نہیں دم بھر قرار
 اُن کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی
 مجھ سے قائم ہیں جنوں کی عظمتیں
 میں نے صحرا کو جگر صحرا کیا



دل نے سینے میں تڑپ کر نہیں جب یاد کیا
 وصل سے شاد کیا، ہجر سے ناشاد کیا
 تم میرے رونے پہ روئے، ستم ایجاد کیا
 صبر دو دن نہ ہوا، روئے، بہت یاد کیا
 لاکھ جانیں ہوں تو پھر اُن پہ تصدق کر دوں
 کیا طریقہ ہے یہ صیاد کا، اللہ اللہ!
 ہم کو دیکھ او غمِ فرقت کے نہ سننے والے
 اور کیا چاہئے سرمایہ تسکین، اے دوست!
 شرحِ نیرنگی اسباب کہاں تک کیجئے؟
 پردہ شوق سے اک برقِ تڑپ کر نکلی
 مہرباں ہم پہ رہی چشمِ سخن گو اُن کی
 دل کا کیا حال کہوں، جوشِ جنوں کے ہاتھوں
 اب سے پہلے تو نہ تھا ذوقِ محبت رسوا
 عشق کیوں سوگ مناتا، یہ خوشی کیا کم ہے؟
 بد دُعا تھی کہ دُعا، کچھ نہیں گھلتا، لیکن

در و دیوار کو آمادہ فریاد کیا
 اُس نے جس طرح سے چاہا، مجھے برباد کیا
 عشق کی رُوح کو آمادہ فریاد کیا
 اب نہ کہنا یہ زباں سے، تجھے آزاد کیا
 وہ یہ فرمائیں کہ ہم نے اسے برباد کیا
 ایک کو قید کیا، ایک کو آزاد کیا
 اس بُرے حال میں بھی ہم نے تجھے یاد کیا
 اک نظروں ڈ کی طرف دیکھ لیا، شاد کیا
 مختصر یہ کہ ہمیں آپ نے برباد کیا
 یاد کرنے کی طرح سے انہیں جب یاد کیا
 جب ملی آنکھ، نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا
 اک گھروند سا بنایا، کبھی، برباد کیا
 شاید ان مست نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا
 دل یہ جس کا تھا، اسی نے اُسے برباد کیا
 چپکے چپکے لبِ نازک سے کچھ ارشاد کیا



اس کی نظروں میں انتخاب ہوا
 عشق کا سحر کامیاب ہوا
 ہر نفس موج اضطراب ہوا
 جذبہ شوق کامیاب ہوا
 میں بنوں کس لئے نہ مست شراب
 نگہ ناز! لے خبر، ورنہ
 میری بربادیاں درست، مگر
 عین قربت بھی، عین فرقت بھی
 مستیاں ہر طرف ہیں آوارہ
 دل کو مچھونا نہ اسے نسیمِ کرم!
 عشق بے امتیاز کے ہاتھوں
 جب وہ آئے تو پیشتر سب سے
 دل کی ہر چیز جگمگا اٹھی!
 دور ہنگامہ نشاط نہ پوچھ
 تو نے جس اشک پر نظر ڈالی
 ستم خاص یار ہی کی قسم
 کرم یار بے حساب ہوا



عرضِ نیازِ غم کو لب آشنا نہ کرنا
 جب یاد آ گیا ہے، پہروں رُلا گیا ہے
 میں خوگرِ ستم ہوں، پروردہِ الم ہوں
 دل جب سے مر مٹا ہے، کچھ اور ہی فضا ہے
 کوئی سمجھ سکے تو کم بخت دل سے کبھے
 دل سے خطا ہوئی تو اب دل ہے اور میں ہوں
 یہ رازِ عشق انے دل! ہے رازِ خاص اُن کا
 یا رب! غمِ محبت سب بخش دے مجھی کو
 جتنی ضدیں ہیں لے دل! تو شوق سے کئے جا

یہ بھی اک التجا ہے، کچھ التجا نہ کرنا
 دل کا وہ مجھ سے کہنا، مجھ کو خدا نہ کرنا
 جور و جفا کے مالک، مہر و وفا نہ کرنا
 میری یہ التجا ہے، تم سامنا نہ کرنا
 دل میں بھی اس کے رہنا، پھر دل میں جانہ کرنا
 نازک معاملہ ہے، تم فیصلہ نہ کرنا
 وہ بھی جو تجھ سے پوچھیں، تو اعتنا نہ کرنا
 میرے سوا کسی کو اب مہجلا نہ کرنا
 مجھ کو بھی تاقیامت تیرا کہا نہ کرنا

تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا یہی ہے
اپنے جگر کو اپنے دل سے جدا نہ کرنا



میرا جو حال ہو سو ہو، برقی نظر گرائے جا
دل کے ہر ایک گوشہ میں آگ سی اک لگائے جا
لکڑی بہ لکڑی، دم بدم، جلوہ بہ جلوہ آئے جا
جتنی بھی آج پی سکوں، عذر نہ کر، پلائے جا
لطف سے ہو کہ قہر سے، ہو گا کبھی تو زور و
میں یونہی نالہ کش رہوں، تو یونہی مسکرائے جا
مطرب آتشیں نوا، ہاں اسی دھن میں گائے جا
تشنہ حسن ذات ہوں، تشنہ لبی بڑھائے جا
مست نظر کا واسطہ، مست نظر بنائے جا
اس کا جہاں پتہ چلے، شور و ہن چائے جا

عشق کو مطمئن نہ رکھ حسن کے اعتماد پر
وہ تجھے آزما چکا، تو اُسے آزمائے جا



کیا کر گیا اک جلوہ مستانہ کسی کا
کہتا ہے سر حشر یہ دیوانہ کسی کا
آپ میں اُبھتے ہیں عبث شیخ و برہمن
جس کی نگہ سادہ کے ہم مارے ہوئے ہیں
بے ساختہ آج اُن کے بھی آنسو نکل آئے
ہر دل میں غم عشق ہے، اقرار در اقرار
یوں عام نہ کر کیف غم عشق کو، اے دل!

رکتا نہیں زنجیر سے دیوانہ کسی کا
بخت سے الگ چاہیے دیوانہ کسی کا
کعبہ نہ کسی کا ہے، نہ بت خانہ کسی کا
وہ شوخ یگانہ ہے نہ بے گانہ کسی کا
دیکھا نہ گیا حال فقیرانہ کسی کا
ہر لب پہ ہے افسانہ در افسانہ کسی کا
کم بخت ایہ میخانہ ہے میخانہ کسی کا

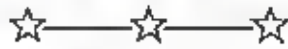
اس کو بھی جگر دیکھ لیا خاک میں ملے
وہ اشک جو تھا گوہر یک دانہ کسی کا



جو اب بھی نہ تکلیف فرمائیے گا
نگاہوں سے چھپ کر کہاں جائیے گا؟
مرا جب بُرا حال سن پائیے گا
مٹا کر ہمیں آپ پچھائیے گا
نہیں کھیل ناصح! جنوں کی حقیقت
ہمیں بھی یہ اب دیکھنا ہے کہ ہم پر
تو بس ہاتھ ملتے ہی رہ جائیے گا
جہاں جائیے گا، ہمیں پائیے گا
خراماں خراماں چلے آئیے گا
کمی کوئی محسوس فرمائیے گا
سمجھ لیجئے گا تو سمجھائیے گا
کہاں تک توجہ نہ فرمائیے گا؟

ستم عشق میں آپ آساں نہ سمجھیں
یہ دل ہے، اسے دل ہی بس رہنے دیجئے
کہیں چپ رہی ہے زبانِ محبت
بھلانا ہمارا مبارک مبارک!
ہمیں بھی نہ اب چین آئے گا جب تک
ترا جذبہ شوق ہے بے حقیقت
ہمیں جب نہ ہوں گے تو کیا رنگِ محفل
یہ مانا کہ دے کر ہمیں رنجِ فرقت (قطعہ)
مدوائے فرقت نہ فرمائیے گا
محبت محبت ہی رہتی ہے، لیکن کہاں تک طبیعت کو بہلائیے گا؟
نہ ہو گا ہمارا ہی آغوشِ خالی کچھ اپنا بھی پہلو تہی پائیے گا
جنوں کی جگر! کوئی حد بھی ہے آخر

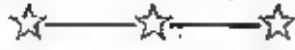
کہاں تک کسی پر ستم ڈھائیے گا؟



نظر ملا کے، مرے پاس آ کے لوٹ لیا
شکستِ حسن کا جلوہ دکھا کے لوٹ لیا
دہائی ہے، میرے اللہ کی دہائی ہے
سلام اس پہ کہ جس نے اٹھا کے پردہ دل
انہیں کے دل سے کوئی اس کی عظمتیں پوچھے
یہاں تو خود تری ہستی ہے عشق کو درکار
خوشا، وہ جان، جسے دی گئی امانتِ عشق!
نگاہ ڈال دی جس پر حسین آنکھوں نے
بڑے وہ آئے دل و جاں کے نوٹنے والے
رہا خرابِ محبت ہی وہ جسے تو نے
کہوئی یہ لوٹ تو دیکھے کہ اُس نے جب چاہا
کرشمہ سازی، حسنِ ازل، ارے توبہ

نظر ہٹی تھی کہ پھر مسکرا کے لوٹ لیا
نگاہ نیچی کئے، سر جھکا کے لوٹ لیا
کسی نے مجھ سے بھی مجھ کو بچھپا کے لوٹ لیا
مجھی میں رہ کے، مجھی میں سما کے لوٹ لیا
وہ اک دل، جسے سب کچھ لٹا کے لوٹ لیا
وہ اور ہوں گے، جنہیں مسکرا کے لوٹ لیا
زہے وہ دل، جسے اپنا بنا کے لوٹ لیا
اسے بھی حسنِ جسم بنا کے لوٹ لیا
نظر سے چھیڑ دیا، گد گدا کے لوٹ لیا
خود اپنا دردِ محبت بنا کے لوٹ لیا
تمام ہستی دل کو جگا کے لوٹ لیا
مرا ہی آئینہ مجھ کو دکھا کے لوٹ لیا

نہ لٹتے ہم، مگر ان مست آنکھریوں نے، جگر
نظر بچاتے ہوئے، ڈبڈبا کے ٹوٹ لیا



نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے ٹوٹ لیا
نگاہ لطف کی اک اک ادا نے ٹوٹ لیا
نہ پوچھ شومئی تقدیرِ خانہ بربادی!
کسی بہارِ مجسم کا آہ کیا شکوہ
قسم ہے، تیری پشیمان نگاہیوں کی قسم!
وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ انہیں
قریب دل ہی یکا یک اٹھے تھے کچھ فتنے
وہ ایک قطرہٴ نون، بچ رہا تھا جو دل میں
وہی ہے لے وہی انداز ہے، وہی آواز
یہی وہ حضرتِ دل ہیں، یہی وہ خضرِ جنہیں
دلِ تباہ کی زوداد، اور کیا کہیے!
زباں خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق

نہ اب خودی کا پتہ ہے، نہ بے خودی کا جگر

ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے ٹوٹ لیا



اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس!
عشق جب تک نہ کر چکے رسوا
ٹوٹ پڑتا ہے دفعتاً جو عشق
وہ بھی ہوتا ہے ایک وقت کہ جب
ہائے کیا ہو گیا طبیعت کو؟
دل ہمارا ہے، یا تمہارا ہے
جس پہ تیری نظر نہیں ہوتی
میں کہ ہزار غم بھر کے لئے
وہ ہمارے قریب ہوتے ہیں
دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے!

درد ہوتا ہے، یا نہیں ہوتا
آدی کام کا نہیں ہوتا
بیشتر دیرپا نہیں ہوتا
باسوا، ماسوا نہیں ہوتا
غم بھی راحت فرا نہیں ہوتا
ہم سے یہ فیصلہ نہیں ہوتا
اس کی جانب خدا نہیں ہوتا
دل کہ دم بھر خدا نہیں ہوتا
جب ہمارا پتہ نہیں ہوتا
جب کوئی آسرا نہیں ہوتا

ہو کے اک بار سامنا اُن سے
پھر کبھی سامنا نہیں ہوتا!

☆—☆—☆

شبابِ حُسن کا، حُسنِ شباب دیکھ لیا
کہاں تک اب تری باتوں پہ اعتماد کریں
جو ہم نہیں، نہ سہی، کامیابِ غم، غم یار
کہیں نہ ہم، تو یہ ہے اپنی مصلحت، درنہ
یہی بہت ہے کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے
اچھال اچھال کے جامِ شراب دیکھ لیا
بہت تو اے دلِ خانہ خراب دیکھ لیا
تجھے تو اپنی جگہ کامیاب دیکھ لیا
ہزار بار تجھے بے نقاب دیکھ لیا
خرابِ عشق کو اپنے خراب دیکھ لیا

غمِ نشاط و سرورِ الم، نہ پوچھ جگر
کبھی جب اُس نے بہ چشمِ پر آب دیکھ لیا

☆—☆—☆

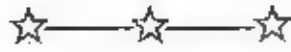
ہر دم دعا میں دینا، ہر لحظہ آپہں بھرنا
ہاں کس کو ہے میسر، یہ کام کر گذرنا
تیری عنایتوں سے مجھ کو بھی آچلا ہے
ساحل کے لب سے پوچھو، دریا کے دل سے پوچھو
جو زیست کونہ سمجھیں، جو موت کونہ جانیں
اے شوق تیرے صدقے پہنچا یا کہاں تک
ہر ذرہ آہ جس کا لبریزِ نشتگی ہے
دریا کی زندگی پر صدقے ہزار جانیں
رگینیاں نہیں تو رعنائیاں بھی کیسی؟
اشکوں کو بھی یہ جرأت، اللہ رے تیری قدرت!
اے جانِ ناز! آجا آنکھوں کی رہ سے دل میں
ہم بیخود اپنا غم سے یہ راز کوئی سیکھے
کچھ آچلی ہے آہٹ اس پائے ناز کی سی

اُن کا بھی کام کرنا، اپنا بھی کام کرنا
اک بانگین سے جینا، اک بانگین سے مرنا
تیری حماوتوں میں ہر ہر قدم گزرنا
اک موج تہ نشیں کامدت کے بعد ابھرنا
جینا انہیں کا جینا، مرنا انہیں کا مرنا
اے عشق تیرے قرباں، جینا ہے اب نہ مرنا
اس خاک کی بھی جانب، اے ابر تر، گذرنا
مجھ کو نہیں گوارا ساحل کی موت مرنا
شبنم سی نازیں کو آتا نہیں سنورنا
آنکھوں میں آتے آتے پھر دل میں جا ٹھہرنا
ان خشک ندیوں سے مشکل ہے کیا گذرنا!
جینا، مگر نہ جینا، مرنا، مگر نہ مرنا
تجھ پر خدا کی رحمت، اے دل، ذرا ٹھہرنا

خونِ جگر کا حاصل اک شعرِ تر کی صورت
اپنا ہی عکس، جس میں اپنا ہی رنگ بھرنا

☆—☆—☆

شمشیرِ کُسن و عشق کا بسمل بنا دیا
 ہر جہت نگاہ پہ ماہل بنا دیا
 آج اک حسین نے رشک کے قابل بنا دیا
 قاتل نگاہ ناز نے بسمل بنا دیا
 نازک مزاجِ عشق کی اللہ ری خاطر میں!
 ان شاعرانِ دہر پہ ہو عشق کی ہی مار!
 دکھلا کے ایک جلوہ سراپائے کُسن کا
 دونوں جہاں تو اپنی جگہ پر ہیں برقرار
 کیا چیز تھی کہ جس کو مرا دل بنا دیا



اس چشمِ مست نے مجھ مخمور کر دیا
 میں ان کا ہو گیا، انہیں مسرور کر دیا
 سرشار و مست، بے خود و مسحور کر دیا
 اک وہم اعتبار سہی دو جہاں، مگر
 ہشیار، او نگاہِ ستم آشنائے دوست!
 وہ اور نازِ عشق گوارا کریں، مگر
 اب کُسن کو بھی آنج سے اس کی مفر نہیں
 یہ عشق وہ بلا ہے کہ کُسن ازل کو بھی
 اُن کو بھی نازِ فتح اگر ہو، تو بات ہے
 فیضِ جمالِ دوست کے قربان جائے
 مدت کے بعد آج تو موجِ نسیم نے
 کُسن ازل تو آج بھی بے پردہ ہے، مگر
 توبہ تو کر چکا تھا، مگر اس کا کیا علاج
 واعظ کی ضد نے پھر مجھے مجبور کر دیا



اب کہاں زمانے میں دوسرا جواب اُن کا؟
 فصلِ کُسن ہے اُن کی، موسمِ شباب اُن کا
 اوج پر جمال اُن کا، جوش پر شباب اُن کا
 عہدِ ماہتاب اُن کا، دورِ آفتاب اُن کا

خاص ایک ادا کے ساتھ اُف وہ پھر حجاب اُن کا
عشق فرش بزم اُن کا حسن فرش خواب اُن کا
ہم نے چھپ کے دیکھا ہے عالم پر آب اُن کا
ہائے وہ رُخ خنداں، اُف رے وہ شباب اُن کا
اک نفس سوال اپنا، اک نفس جواب اُن کا
شوق نارسا اپنا، ناز کامیاب اُن کا
جاں کہ ہے صدا اُن کی، دل کہ ہے رباب اُن کا
چھپ سکا چھپائے سے کیا کہیں شباب اُن کا
ہم نے خال دیکھا ہے بیشتر خراب اُن کا
عشق آپ آڑ اپنی، حُسن خود حجاب اُن کا
ہر سکون کے پردے میں حشر اضطراب اُن کا
ورنہ چیز ہی کیا ہے گوشہ نقاب اُن کا
نیم فاسی آنکھوں میں اُف وہ کیف خواب اُن کا
رہ گئے وہ تو ”اُدھ“ کر کے، سن لیا جواب اُن کا
نام تو نہ کر رُسا، خانماں خراب، اُن کا

تو جگر سے مستوں پر طعن نہ کراے واغظ!

تو غریب کیا جانے مسلک شراب اُن کا



اپنا نہ رہا جو، وہ کسی کا نہ رہے گا
دنیا میں ترا نقش کھن پانہ رہے گا
پردہ جو گرا دوں گے تو پردا نہ رہے گا
کہتے ہیں جسے دل، کبھی تہا نہ رہے گا
آنکھوں سے بھی کیا کوئی اشارا نہ رہے گا
کیا آج بھی شغل سے دینا نہ رہے گا

تم اس دل وحشی کی وفاؤں پہ نہ جانا
مٹ جائے گی جس دن مرے سجدوں کی حقیقت
بے پردگی حُسن سے ہیں سب یہ تجابات
وہ لاکھ مناتے رہیں، دُنیا ئے تمنا
مانا لب نازک کو وہ تکلیف نہ دیں گے
اللہ! یہ ساون کی گھٹائیں، یہ ہوائیں

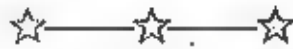
۱۔ میں تشبیہات و استعارات کو بالطبع پسند نہیں کرتا اور ان چیزوں کی بہتات کو مجرطبع کی دلیل سمجھتا ہوں۔ تاہم کہیں کہیں بے اختیار انداز طرح کے اشعار بھی کہہ گیا ہوں۔ لیکن اکثر خاص قسم کی فذرت اور جذبات کے ساتھ۔ (جگر)

یہیں کہیں کوئی سادہ سا آشیانہ تھا
 کہ آج اس کا ہر انداز والہانہ تھا
 خبر نہیں کہ حقیقت تھی یا فسانہ تھا
 نہ دشت و در تھے، نہ گلشن، نہ آشیانہ تھا
 وہی شباب، وہی دل، وہی زمانہ تھا
 شرار و برق کے سائے میں آشیانہ تھا
 بس ایک سحر جوانی تھا اور زمانہ تھا
 بجھا بجھا سہی، پھر بھی چراغِ خانہ تھا
 لدا ہوا کبھی مٹھولوں سے آشیانہ تھا
 نگاہ مل کے ہٹی تھی کہ دل نشانہ تھا
 کہ ربطِ خاصِ محبت تو غائبانہ تھا
 غرورِ عشق نہ تھا، نازِ عاشقانہ تھا
 ہمیں بھی تیری محبت کو مٹھول جانا تھا

اسی چمن میں ہمارا بھی اک زمانہ تھا
 الٰہی توبہ! میں اس جذبِ دل سے باز آیا
 شباب و عشق کا اپنا بھی اک زمانہ تھا
 خوشا وہ دور کہ جب عشق ہی زمانہ تھا
 تمہیں گذر گئے دامنِ بچا کے، ورنہ یہاں
 چمن چمن تھا مری چشمِ شوق میں جب تک
 کہاں کے حسن و محبت، کہاں کے مہر و وفا
 مٹا مٹا سہی ظالم! وہ دل تھا میرا دل
 نصیب اب تو نہیں شاخ بھی نشیمن کی
 کہاں کا واقعہ، اتنا تو یاد ہے اب تک
 نظر نے اور کیا کیا، حصولِ غم کے سوا
 تری قسم، ارے او جلد روٹھنے والے!
 مٹھلا دیا ہمیں تو نے، تو رنج کیا، لیکن

سمندِ عشق کہاں، سیر گاہِ شوق کہاں

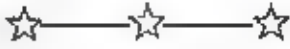
کہ ہر نفس رہ منزل میں تازیانہ تھا



محبت کی بستی بساتا چلا جا
 یونہی لوثا چل، لٹاتا چلا جا
 جدھر سے گذر، مُسکراتا چلا جا
 محبت کی ہر چوٹ کھاتا چلا جا
 زلاتا اٹھا ہے، ہنساتا چلا جا
 شبابِ محبت لٹاتا چلا جا
 انہیں آنڈھیوں کو اٹھاتا چلا جا
 خس و خار کو بھی بہاتا چلا جا
 حدودِ محبت بڑھاتا چلا جا
 زمانے کو پیچھے ہٹاتا چلا جا

ہر اک جان و تن میں سماتا چلا جا
 مئے شوقِ پیتا، پلاتا چلا جا
 قدمِ والہانہ بڑھاتا چلا جا
 نہیں یہ کہ پچھا بچاتا چلا جا
 مبارک یہ عزمِ سفرِ تجھ کو، لیکن
 شبابِ محبت کو خود لوثا چل
 ترے ہر نفس میں ہزار آنڈھیاں ہیں
 محبت کے دریا کا طوفان بن کر
 قیودِ دو عالم سے آزاد ہو کر
 زمانہ کے ہم دوش و ہم راہ کب تک

یہ سب کہہ کے در پردہ رازِ حقیقت
جگر یوں نہ دامن بچاتا چلا جا



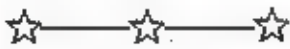
عشق بن کے محشر میں حسن کامیاب آیا	خاک کی تھی جو دنیا، خاک ہی میں داب آیا
یہ بھی کیا محبت میں دور انقلاب آیا	اس طرف اٹھتی نظریں، اُس طرف حجاب آیا
حسن کی حقیقت میں اس طرح شباب آیا	جیسے کچی نیند اٹھ کر کوئی مست خواب آیا
حشر در جلو آیا، نثر در رکاب آیا	حسن کی کھلی آنکھیں، عشق کا شباب آیا
گودیوں میں عصمت کی کھیلتا شباب آیا	شوخیوں کے جھرمٹ میں شہدِ حجاب آیا
اک لفافہ رنگیں، ایک پرچہ سادہ	اے دل سکوں دشمن! کے ترا جواب آیا
تم سے میں اگر کہہ دوں، کیا ہی تم کو رشک آئے	رات جو نظر مجھ کو اک حسین خواب آیا
تو وہ نغمہ چھیڑا اے دل، سب کہیں کہ گلشن میں	ہر گلِ فسرده پر اک نیا شباب آیا
وہ جھکی جھکی پلکیں، وہ عرق عرق عارض	شکوہ ستم کر کے خود مجھے حجاب آیا

دھیان ترا کیا آیا، جان صد بہار آئی
یاد تیری کیا آئی، حاصلِ شراب آیا



خدایا اس مرض کی ہے دوا کیا	کہ ہم کیا ہیں، ہمارا مدعا کیا
جنونِ عشق میں اچھا، برا کیا	دوا کہتے ہیں کس کو، ناروا کیا
سراپا حسن کا آئینہ بن کر	ہمیں ہم ہیں، ہمارا پوچھنا کیا
محبت خود برس پڑتی ہے اکثر	بیانِ شوق و عرضِ التجا کیا
بخم ساز بے آواز بن جا	کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا کیا
جدھر دیکھو، ہمیں ہم ہیں، وہی وہ	اب ان کا اور ہمارا پوچھنا کیا

اگر ہے جستجوئے زندگانی!!
تو آخر زندگانی کا مزا کیا



ہاں نگاہِ شوق، وہ اٹھی نقاب	”آفتاب آمد دلیلِ آفتاب“
شوق بے پایاں و جوش بے حساب	عشق کیا ہے، اک مسلسل اضطراب
دستِ رنگین و جمالِ بے حجاب	اے خوش آن دقتے و خوش جامِ شراب

لکھ چکے خط، جا چکا خط کا جواب
 آج کچھ اپنا پتا ملتا نہیں
 کچھ کہوں، تو کیا کہوں، کس سے کہوں؟
 میری ہستی ہے، غبارِ گوئے دوست
 پوچھنا کیا؟ پختہ بنا ہو تو دیکھ
 ہوش ہے پھر مائل فرزاگی
 میرے جام و بادہ کی رنگینیاں
 غرق موجِ بادہ کر دے ساقیا!
 جاں سراپا، کچھ ہے راحت، کچھ خلش
 عشق کیا ہے؟ پر تو حسن تمام
 ان لبوں کی جاں نوازی دیکھنا
 منہ بول اٹھنے کو ہے جامِ شراب
 مختصر ہے شرحِ ہستی، اے جگر
 زندگی ہے خواب، اجل تعمیرِ خواب

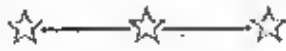


میرا جنونِ شوق، وہ عرضِ وفا کے بعد
 تیری خبر نہیں، مگر اتنی تو ہے خبر!
 شاید اسی کا نام مقامِ فنا نہ ہو
 گودل سے تنگ ہوں، مگر آتا ہے یہ خیال
 وہ شانِ احتیاط تری ہر ادا کے بعد
 تو ابتدا سے پہلے ہے، تو انتہا کے بعد
 نازک سا ہوتا جاتا ہے دل ہر صدا کے بعد
 پھر جی کے کیا کروں گا دل بتلا کے بعد
 ہاں پھر انہیں حسین نگاہوں کا واسطہ
 تھوڑا سا زہر بھی مری خاطرِ دوا کے بعد



کبھی شان و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر
 میں چمن میں چاہے جہاں ہوں، مرا حق ہے فصلِ بہار پر
 مجھے دیں نہ غیظ میں دھمکیاں، گریں لاکھ بار یہ بجلیاں
 میری سلطنت یہی آشیاں، مری ملکیت یہی چار پر
 جنہیں کہئے عشق کی وسعتیں، جو ہیں خاصِ حسن کی عظمتیں
 یہ اسی کے قلب سے پوچھئے، جسے فخر ہو غمِ یار پر

مرے لشکب خوں کی بہار ہے کہ مرتعِ غم یار ہے
 مری شاعری بھی غار ہے، مری چشمِ سحر نگار پر
 عجب انقلابِ زمانہ ہے، مرا مختصر سا فسانہ ہے
 یہ ہی اب جو بار ہے دوش پر، یہی ہر تھا زانوائے یار پر
 یہ کمالِ عشق کی سازشیں، یہ جمالِ حسن کی نازشیں
 یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، مری ایک مُشتِ غبار پر
 مری بہت سے اُسے اے صبا! یہ پیامِ آخرِ غم سنا
 ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا کہ خزاں ہے اپنی بہار پر
 یہ فریبِ جلوہ ہے سر بسر، مجھے ڈر یہ ہے، دل بے خبر
 کہیں جم نہ جائے تری نظر، انہیں چند نقش و نگار پر
 میں رہیں درد سہی مگر، مجھے اور چاہیے کیا جگر؟
 غم یار ہے مرا شیفۃ، میں فریفتہ غم یار پر



ہجومِ تجلی سے معمور ہو کر نظر رہ گئی شعلہ طور ہو کر
 مجھی میں رہے مجھ سے مستور ہو کر بہت پاس نکلے، بہت دور ہو کر
 بس اک نشہِ عشق میں پور ہو کر پڑے رنجیے اس دور پہ مجبور ہو کر
 کہیں اُن کے رد کے سے زکتے ہیں وحشی! نہ مجبور کر دیں، جو مجبور ہو کر
 وفا پر ہزار ایسی جانیں تصدق اگر رہ نہ جائے یہ دستور ہو کر
 تمہیں بھی خبر ہے جو تم کہہ گئے ہو؟ خود اپنی اداؤں سے مستور ہو کر



شبِ غم بھی تیری توجہ کے صدقے نمایاں ہوئی، مطلعِ ثور ہو کر
 سنانے چلے ہیں انہیں قصہِ غم بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر
 سنبھل جائیں آسودگانِ محبت نگاہیں اٹھیں شورِ منصور ہو کر
 نظرِ عیشِ فانی پہ کیا خاک ڈالیں ترے دردِ بندانِ مجبور ہو کر؟
 خبر بھی ہے، تم کیا سے کیا ہو گئے ہو زسرتا قدمِ حسنِ مجبور ہو کر
 وہی ثور میں ہے، وہی نار میں ہے کبھی نار ہو کر، کبھی ثور ہو کر

خجابل، تغافل، تبسم، تکلم یہاں تک تو پہنچے وہ مجبور ہو کر
 ترے حسن مغزور سے نسبتیں ہیں کہیں ہم نہ رہ جائیں مغزور ہو کر
 جگر کی اداؤں کا اب پوچھنا کیا
 تری مست نظروں سے مجبور ہو کر

☆—☆—☆

نوید بخشش عصیاں سے شرمسار نہ کر گناہ گار کو یا رب! گناہ گار نہ کر
 نظر ملی ہے، تو اس کو بہار ساز بنا نظر کو مائل رکھنی بہار نہ کر
 کہاں کی قربت و فرقت، گزر بھی جائے دل! یہ راہ عام ہے، تو اس کو اختیار نہ کر
 بہار اپنی جگہ پر، سدا بہار رہے
 یہ چاہتا ہے تو تجزیہ بہار نہ کر

☆—☆—☆

عشق میں لاجواب ہیں ہم لوگ ماہتاب، آفتاب ہیں ہم لوگ
 گرچہ اہل شراب ہیں ہم لوگ (قطعہ) یہ نہ سمجھو، خراب ہیں ہم لوگ
 شام سے آگے جو پینے پر صبح تک آفتاب ہیں ہم لوگ

☆—☆—☆

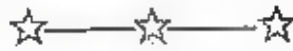
ہم کو دعائے عشق بازی ہے مستحق عذاب ہیں ہم لوگ
 باز کرتی ہے خانہ ویرانی ایسے خانہ خراب ہیں ہم لوگ
 ہم نہیں جانتے خزاں کیا ہے کشتگانِ شباب ہیں ہم لوگ
 تو ہمارا جواب ہے تھا! (قطعہ) اور تیرا جواب ہیں ہم لوگ
 تو ہے دریائے حسن و خوبی شکل موج جناب ہیں ہم لوگ
 گو سراپا حجاب ہیں، پھر بھی تیرے رخ کی نقاب ہیں ہم لوگ
 خوب ہم جانتے ہیں اپنی قدر تیرے ناکامیاب ہیں ہم لوگ
 ہم سے غفلت نہ ہو تو پھر کیا ہو؟ رہو ملکِ خواب ہیں ہم لوگ
 جانتا بھی ہے اُس کو تو، واعظ! جس کے مست و خراب ہیں ہم لوگ

۱۔ اس لفظ کو یقیناً مشدّد طریقہ پر کہنا درست نہیں لیکن محض اس مبتنی غلطی کی خاطر اپنے لطیف شعر کو ضائع نہیں کر سکتا (جگر)

ہم پہ نازل ہوا صحیفہ عشق! صاحبان کتاب ہیں ہم لوگ
 ہر حقیقت سے جو گزر جائیں وہ صداقت مآب ہیں ہم لوگ
 جب ملی آنکھ، ہوش کھو بیٹھے کتنے حاضر جواب ہیں ہم لوگ
 ہم سے پوچھ جگر کی سرمستی
 محرم آن جناب ہیں ہم لوگ



تو بھی اد نا آشنائے درد دل! کاش ہوتا بتلائے درد دل
 اللہ اللہ! انتہائے درد دل! اب تمہیں تو ہو بجائے درد دل
 اس نظر کی بے قراری، آہ آہ! باش اوگستاخ ادائے درد دل
 درد دل میرے لئے گر ہے، تو ہو میں نہیں ہرگز برائے درد دل
 ذرہ ذرہ ہے قیامت گاہ عشق صاف سنتا ہوں صدائے درد دل
 جس طرف وہ شوخ نظریں اٹھ گئیں لے اڑی موج ہوائے درد دل
 مجھ سے شاید رہ نہ جائے کچھ کی! آپ ہی دے لیں مزائے درد دل
 کچھ تغافل، کچھ توجہ، کچھ غرور دیکھنا شان عطاءے درد دل
 درد دل! غیرت تری کیا ہو گئی؟
 ان لبوں پر، اور ہائے درد دل!



اب تو نام عشق سے بھی سخت گھبراتا ہے دل اے مرے اللہ! کیا سے کیا ہوا جاتا ہے دل
 کیا بتائیں، دل سے مل کر کیا غضب ڈھاتا ہے دل جس طرح آندھی کوئی آتی ہے، یوں آتا ہے دل
 رہ گیا ہے اب تو بس اتنا ہی ربط اک شوخ سے سامنا جس وقت ہو جاتا ہے، بھر آتا ہے دل
 دل تو سینے ہی میں رہتا ہے، مگر اس کے حضور جیسے اب جاتا ہے دل سینے سے، اب جاتا ہے دل
 جب ستم ہی مدعا ٹھہرا، ستم بھی کیا ضرور کچھ نہ کچھ تسکین سی یوں بھی تو پا جاتا ہے دل
 سامنے اُن کے ہمیں سے اس کی ظالم شوخیاں وہ نہیں ہوتے، تو کیا نادان بن جاتا ہے دل
 رحم بھی، غصہ بھی، کیا کیا آہ آتا ہے جگر! خود تڑپ کر عشق میں جب مجھ کو تڑپاتا ہے دل



حسن معنی کی قسم، جلوہ صورت کی قسم تو ہی فردوس ہے، فردوسِ محبت کی قسم
 حسن کے معجزہ وحدت و کثرت کی قسم چشم حیرت میں ہے سب کچھ، میری حیرت کی قسم

اپنی کم مائیگی جرات و ہمت کی قسم
 حسنِ کافر! تیری معصوم شرارت کی قسم
 تیری اس اشکِ بھیر چشمِ ندامت کی قسم
 ناکِ غم کی قسم، سینہِ حسرت کی قسم
 نگہِ ناز کے اقرارِ محبت کی قسم
 تیری غیرت کی قسم، اپنی حمیت کی قسم
 میں محبت ہی محبت ہوں، محبت کی قسم
 مذہبِ عشق کی پاکیزہ شریعت کی قسم
 کون کھائے گا تری چشمِ مروّت کی قسم
 شبنمِ اشک و گلِ داغِ محبت کی قسم
 نگہِ شوق کی بیتاب طبیعت کی قسم
 اپنی محبوبہِ شامِ شبِ فرقت کی قسم
 میں نہ کھاؤں گا ترے دردِ محبت کی قسم
 سینہِ عشق کی پوشیدہ امانت کی قسم
 خلشِ درد! ترے حسنِ نزاکت کی قسم
 غمِ عشرت کی قسم، اشکِ مسرت کی قسم
 تیری آنکھوں کے پیامِ دمِ رخصت کی قسم
 اپنے اُجڑے ہوئے آغوشِ محبت کی قسم

تجھ کو دیکھا، مگر اس طرح کہ دیکھا ہی نہیں
 مجھ سے کچھ دل نے کہا تھا ابھی سچ ہو کہ نہ ہو
 ظلم کیا، اب تو کرم بھی ہے گوارا مجھ کو
 اک نظر دیکھ تو لے، پھول کھلے ہیں کیا کیا!
 دل کی دنیا پہ ہے اک اور ہی عالم طاری
 تو بھی اب سامنے آئے تو لٹا دوں تجھ پر
 مجھ سے چھپنا تجھے زیبا نہیں، اے پیکرِ حسن!
 نگہِ حسن ہی سے حسن کو ہم دیکھتے ہیں!
 تیرا احسان مٹانا ہے، مٹا دے مجھ کو
 اک ترے واسطے خود عشق ہے جنت بکنار
 اب ترے حسن کے جلوے نہیں روکے رکتے
 صبحِ عشرت بھی جواب آئے تو دیکھوں نہ اُسے
 اب تجھے میری محبت کا یقیں ہو کہ نہ ہو
 تو بھی اب وہ نہیں جو خود کو نظر آتا ہے
 نگہِ ناز میں سب کچھ تو ہے، یہ بات کہاں؟
 اب تجھے دیکھ کے مرنا بھی گوارا ہے مجھے
 تیرے ہمراہ ہیں جان و دل دایماں سب کچھ
 اب بھی ہیں تیرے تھوڑے وہی راز و نیاز

خلوتِ خاص کو اک دن تو بنا دے جلوت

تجھ کو اپنے جگرِ شوقِ طبیعت کی قسم



آ، اے غمِ محبت! تجھ کو گلے لگائیں
 کانوں میں آرہی ہیں بھولی ہوئی صدائیں
 اشکوں کی آرزوئیں، آنکھوں کی التجائیں

اب ان کا کیا بھروسہ، وہ آئیں یا نہ آئیں
 بیٹھا ہوں مست و بیخود خاموش ہیں فضا میں
 سب ان پہ ہیں تصدق وہ سامنے تو آئیں

۱۔ ایک شخص نے آغوش کی تذکیر پر اعتراض کیا تھا۔ مگر ان کا اعتراض غلط ہے۔ تذکیر و تائیت دونوں طرح

جائزے اور کہا جاتا ہے (جگر)

عشاق پا رہے ہیں ہر جرم پر سزائیں
اس سے بھی شوخ تر ہیں اس شوخ کی ادائیں
مسجد میں مختلف ہیں بے کاری ہی تو زاہد
اس حسنِ برق و ش کے دل سوختہ وہی ہیں
عاشقِ خراب ہستی، زاہدِ خرابِ تمکین
جیسا وہ چاتے ہیں، جو کچھ وہ چاہتے ہیں
اک جامِ آخری تو پینا ہے اور، ساقی
اب ہاتھ مل رہے ہیں، وہ خاکِ عاشقاں پر
آلودہ خاک ہی تو رہنے دے اس کو ناصح
بیابانی محبت وجہ سکونِ غم ہے

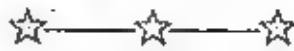
اشعار بن کے نکلیں جو سینہ جگر سے
سب حسنِ یار کی تھیں، بے ساختہ ادائیں



کدھر ہے تیرا خیال اے دل! یہ وہم کیا کیا سارے ہیں!
نظر اٹھا کر تو دیکھ، ظالم! کھڑے وہ کیا مسکرا رہے ہیں!
تمام ہستی پہ چھا رہے ہیں، وہ جیسے خود ہیں، بنا رہے ہیں
نظرِ نظر میں سا بچکے ہیں، نفسِ نفس میں سارے ہیں
کرشمے، ذاتِ صفات کے ہیں، جمالِ قدرت دکھا رہے ہیں
کہ ہر تصور سے دُور رہ کر، وہ ہر تصور میں آ رہے ہیں
کہاں کا دیدار، کس کا عرفاں، جو اس گم ہیں، نظر پریشاں
جو ایک پردہ اٹھا رہے ہیں، تو لاکھ پردے گرا رہے ہیں
یہ حادثاتِ زمانہ کیا ہیں، اسی کے حسنِ طلب کے جلوے
دلوں کو ٹھوکر لگا لگا کر، دلوں کی دُنیا جگا رہے ہیں
کرشمے ہیں حسنِ بے جہت کے، فسوں میں چشمِ مناسبت کے
ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں، ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں
نفسِ نفس میں صفاتِ تازہ، مہمتِ تازہ، حیاتِ تازہ
انہیں میتر ہے ذاتِ تازہ، جو خود کو تجھ میں مٹا رہے ہیں

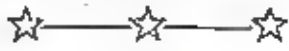
(قطعہ)

ہماری ہستی تمام آفت، تمام زحمت، تمام کلفت
 اگر یہ سچ ہے تو فی الحقیقت ہمیں خود اُن کو ستا رہے ہیں
 ہوا کچھ ایسی نئی تپل گئی ہے، دلوں کی دُنیا بدل گئی ہے
 وہ ہم کو مطلوب کہہ رہے ہیں، ہم اُن کو طالب بتا رہے ہیں!
 ذرا سا اک وقفہ محبت، اٹھا گیا اور ہی قیامت
 ابھی ہم آنسو بہا رہے تھے، ابھی وہ آنسو بہا رہے ہیں!
 خوشا یہ پندارِ عشق اپنا، زہے شکستِ غرور اُن کا
 وہ ہم سے نظریں ملا رہے ہیں، ہم اُن سے نظریں ہٹا رہے ہیں
 نظر نظر التجائے بیہم، ادا ادا شکوۂ جسم!
 ذرا جو بن کر بگڑ رہے ہیں، ہمیں وہ کیا کیا منا رہے ہیں
 گلوں سے مستی چھلک رہی ہے، سر اپنا بلبل پلک رہی ہے
 جگر کسی گوشہ چمن میں، غزل کوئی اپنی گا رہے ہیں

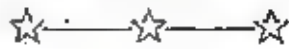


بس اک دل کی خاطر یہ تئیا ریاں ہیں	کرم کوشیاں ہیں، رستم کاریاں ہیں
یہ کس سوختہ دل کی چنگاریاں ہیں	چمن سوز گلشن کی گلکاریاں ہیں
محبت کی تنہا فسوں کاریاں ہیں	نہ بے ہوشیاں، اب نہ ہشیاریاں ہیں
خودی کا ہے احساس، خود داریاں ہیں	نہ وہ مستیاں ہیں، نہ سرشاریاں ہیں
محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں	محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے
پرستاریاں ہی پرستاریاں ہیں	نگاہ تجسس نے دیکھا جہاں تک
بہت عام اب دل کی بیماریاں ہیں	تجلی سے کہہ دو، ذرا ہاتھ روکے
گرفاریاں ہی گرفتاریاں ہیں	نہ آزاد دل ہیں، نہ بے قید نظریں
محبت ہے اب اور بیزاریاں ہیں	نہ ذوقِ تخیل، نہ ذوقِ تماشا
تغافل میں پنہاں خبرداریاں ہیں	تغافل ہے اک شانِ محبوب، لیکن
تری اک توجہ کی گلکاریاں ہیں	کہاں ہیں، کہاں تازہ اشعارِ رنگیں
خدا جانے کیا کچھ طلب کاریاں ہیں	ازل سے ہے صرف دُعا ذرہ ذرہ

بچھے جا رہے ہیں سبھی دیدہ و دل تری آمد آمد کی حثاریاں ہیں
 قدم ڈگمگائے، نظر بہکی بہکی! جوانی کا عالم ہے، سرشاریاں ہیں
 جگر زندگی لطف سے کٹ رہی ہے غم آزاریاں ہیں، جنوں کاریاں ہیں
 کہاں پھر یہ مستی، کہاں ایسی ہستی؟
 جگر کی جگر تک ہی سے خواریاں ہیں



خطاؤں سے پہلے پشیمائیاں ہیں محبت کی معصوم نادانیاں ہیں
 قیامت، تری جلوہ سامانیاں ہیں جدھر دیکھتا ہوں، پریشانیاں ہیں
 دل و جان و حسرت ہیں، قربانیاں ہیں خوشا وہ کہ جس کی یہ مہمانیاں ہیں
 مسلسل غم دل کی غریبانیاں ہیں نگاہیں نہیں ہیں، پریشانیاں ہیں
 سنا کر غم و درد پیچھتا رہا ہوں پشیمانیوں کی پشیمائیاں ہیں
 ازل سے جو دل کے مقدر پڑی تھیں! وہی آج تک شعلہ سامانیاں ہیں
 دلوں پر حکومت، نگاہوں سے پردے (قطعہ) جہانبنیاں ہیں، ستم رانیاں ہیں
 تجسس میں شامل، تحیر میں پنہاں نظر سوزیاں ہیں، نگہبانیاں ہیں



وہ دشواریاں عشق کی حل ہوں کیونکر؟ جو دشواریاں ہیں نہ آسانیاں ہیں
 محبت کے جلوے نہیں حسن سے کم انہیں بھی میرے ساتھ حیرانیاں ہیں
 ترے جلوہ جزو کل کے تصدق پریشانیوں کو پریشانیاں ہیں
 غضب میں پھنسی ہیں مرا ساتھ دے کر نہ اب حیرتیں ہیں، نہ حیرانیاں ہیں
 در بہت کدہ اور سجدوں پہ سجدے
 جگر! واہ، کیا گھر سامانیاں ہیں!

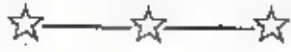


نیاز و ناز کے جھگڑے مٹائے جاتے ہیں ہم ان میں اور وہ ہم میں سمائے جاتے ہیں
 شروع راہ محبت، ارے معاذ اللہ! یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں
 یہ ناز حسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر! نظر ملاتے نہیں، مسکرائے جاتے ہیں
 مزے جنون تمنا کا کچھ خیال نہیں لجانے جاتے ہیں، دامن چھرائے جاتے ہیں
 جو دل سے اٹھتے ہیں شعلے وہ رنگ بن بن کر تمام منظر فطرت پہ چھائے جاتے ہیں

میں اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ میں بھی
رواں دواں لئے جاتی ہے آرزوئے وصال
کہاں منازل ہستی، کہاں ہم اہل فنا!
مری طلب بھی، اسی کے کرم کا صدقہ ہے
الہی ترک محبت بھی کیا محبت ہے!

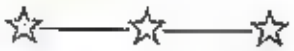
تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہیں
کشاں کشاں ترے نزدیک آئے جاتے ہیں
ابھی کچھ اور یہ تہمت اٹھائے جاتے ہیں
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں
بھلاتے ہیں انہیں، وہ یاد آئے جاتے ہیں

سنائے تھے لب نئے سے کسی نے جو نئے
لب جگر سے مکرر سنائے جاتے ہیں



نیازِ عاشقی کو ناز کے قابل سمجھتے ہیں
عدم کی راہ میں رکھا ہے پہلا ہی قدم میں نے
ہم اپنے دل کو بھی اب آپ ہی کا دل سمجھتے ہیں
مگر احباب اس کو آخری منزل سمجھتے ہیں
قرب آ کے منزل تک پلٹ جاتے ہیں منزل سے
الہی! ایک دل ہے، تو ہی اس کا فیصلہ کر دے

وہ اپنا دل بتاتے ہیں، ہم اپنا دل سمجھتے ہیں



کیا غرض مجھ کو ترے دل پہ اثر ہے کہ نہیں
نہیں معلوم محبت میں اثر ہے کہ نہیں
میں نہ کھاؤں گا کبھی حسنِ تغافل کے فریب
اب یہ عالم ہے کہ جو ہجر کی شب آتی ہے
پوچھ مجھ سے نہ مرے زخمِ جگر کی حالت
تو ہی کہہ دے کہ بخوں مجھ کو نہ کیونکر ہو عزیز
وصل کہتے ہیں جسے اس کی حقیقت معلوم
اک نظر دیکھ تو لے، دل کے مٹانے والے
پوچھتا پھرنا ہوں اک ایک سے اس کو سچے میں
اور درکار ہے کیا تیری توجہ کے لئے؟
عشق بے جذب ہوئے رہ نہیں سکتا ہرگز

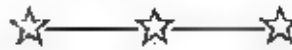
میں پرستارِ محبت ہوں، خبر ہے کہ نہیں؟
جو ادھر سے مری حالت وہ ادھر ہے کہ نہیں؟
مری جانب تری در پردہ نظر ہے کہ نہیں؟
میں یہ کہتا ہوں کہ اس شب کو سحر ہے کہ نہیں؟
میرے دامن میں ہر آنسو گل تر ہے کہ نہیں؟
اس کو حاصل تری تائیدِ نظر ہے کہ نہیں؟
ورنہ اک سلسلہٴ شامِ دسحر ہے کہ نہیں؟
ابھی اس خاک میں طوفانِ شر رہے کہ نہیں؟
جس کا دیوانہ ہوں، اس کو بھی خبر ہے کہ نہیں؟
آہ ظالم، مری محروم اثر ہے کہ نہیں؟
تیری ہیر شان میں ان شانِ جگر ہے کہ نہیں؟

لے اٹھا جاتا ہوں میں جھاڑ کے دامن اپنا
پھر نہ کہنا برا دیوانہ جگر ہے کہ نہیں؟



ترے بیان میں قاصد کچھ اشتباہ نہیں
نہ ہو، جو حسن کی ہم پر کوئی نگاہ نہیں
خود اپنے حسن کی تاثیر کو وہ کیا جانے؟
جھائے حسن کا صدقہ، سزائے حسن کی خیر!
ہزار چشم عنایت ہو، پھر بھی کیا حاصل؟
وہ ایک شے بھی، اگر شامل نگاہ نہیں

انہیں بھی دست بہ دل، بے قرار دیکھ لیا
سنا تھا، عشق کی آنکھیں تو ہیں، نگاہ نہیں



دل حریفِ حال و بے حالی نہیں
دیکھنا دل سے سلوکِ چشمِ یار
ہاں، مبارک شغل ہے زاہد، مگر
اللہ اللہ! تیرے غم کی وسعتیں
اس طرف بھی دیکھ، او محشر خرام!
حسن ہے اس طرح سرگرمِ خرام
عشق رنگِ حسن سے ہے بے نیاز

شوق بھی دل میں رہے ہمراہ دوست
اب تو اتنی بھی جگہ خالی نہیں



لفظ و معنی میں نہیں، جلوہ و صورت میں نہیں
وہ حقیقت کہ جو محرابِ حقیقت میں نہیں
غم میسر ہے تیرا، غم پہ نہ کیوں نالہ کردں
وہ جو اک ربطِ محبت ہے، مٹانا اس کا
جلوہ پھر جلوہ ہے، نظارہ ہے پھر نظارہ
یوں بھی تکمیلِ غم عشق ہوا کرتی ہے

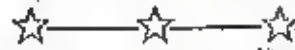
عشق اک چیز ہے جو حرف و حکایت میں نہیں
دل کی وسعت میں ہے کونین کی وسعت میں نہیں
یہ بھی کیا تو ہے کہ جو عشق کی قسمت میں نہیں
مری طاقت میں نہیں، آپ کی قدرت میں نہیں
حیرت آگنے میں ہے، آئینہ حیرت میں نہیں
اس کی قسمت میں ہوں میں، جو میری قسمت میں نہیں

ہر نفس میں ہے یہاں جلوہ نو کا عالم
غم فرقت بھی مرا، اب غم فرقت میں نہیں



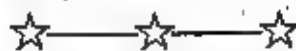
خود اپنی نظر سے گرا چاہتا ہوں	غم عاشقی کا صلہ چاہتا ہوں
سزاوار غم ہوں، سزا چاہتا ہوں	بلا پر نزول بلا چاہتا ہوں
بڑا نا سمجھ ہوں، یہ کیا چاہتا ہوں	محبت بقید وفا چاہتا ہوں
کہ ترک محبت کیا چاہتا ہوں	جنون محبت یہاں تک تو پہنچا
کوئی خود یہ کہہ دے، سزا چاہتا ہوں	وہ یوں پُرسش شوق فرما رہے ہیں
کوئی مجھ کو سمجھائے، کیا چاہتا ہوں	طلسم تمنا سمجھ میں نہ آیا
اسی نقش پا پر مٹا چاہتا ہوں	ظہور دو عالم، اک اعجاز جس کا
تجھے دیکھ کر دیکھنا چاہتا ہوں	کہاں تک ہیں یہ رنگ و بو کی بہاریں
نگاہ کرم! آسرا چاہتا ہوں	کہیں ٹوٹ جائے نہ دل بے کسی کا

محبت ہی اپنا بھی مذہب ہے، لیکن
طریق محبت جدا چاہتا ہوں



بہت فرصت شوق کم دیکھتے ہیں	محبت میں کیا یہ ستم دیکھتے ہیں!
محبت دکھائی ہے، ہم دیکھتے ہیں	غم و درد و رنج الم دیکھتے ہیں
جہاں موت کا سر قلم دیکھتے ہیں	وہاں اپنی ہستی کو ہم دیکھتے ہیں
غنیمت ہے، جو کوئی دم دیکھتے ہیں	کہاں تیرے جلوے، کہاں اپنی نظریں
ہمیں دیکھتے ہیں، جو ہم دیکھتے ہیں	وہ کیا دیکھ سکتے ہیں اپنی ادا میں!
بہت بے نیازانہ ہم دیکھتے ہیں	ہماری نظر سے بھی سمجھو تو جانیں!
ابھی اور، اے چشمِ نم! دیکھتے ہیں	تجھے بھی کسی دن سمجھنا ہے ظالم!
نہ تم دیکھتے ہو، نہ ہم دیکھتے ہیں	نگاہ محبت دکھاتی ہے سب کچھ
سو یہ حال بھی اب تو کم دیکھتے ہیں	غنیمت تھا حرمانِ امید افزا

نہ جانے محبت ہے کیا چیز لیکن
بڑی ہی محبت سے ہم دیکھتے ہیں



خدا جانے وہ کیا سمجھے ہوئے ہیں، کیا سمجھتے ہیں
جو صرف اتنا سمجھتے ہیں، وہ آخر کیا سمجھتے ہیں
اسی تپتے ہوئے صحرا کو ہم دریا سمجھتے ہیں
جہاں تک جانتے ہیں، خود کو وہ اپنا سمجھتے ہیں
یہ اُن کی مہربانی ہے کہ وہ ایسا سمجھتے ہیں
مگر اس جانِ محبوبی کو مستحق سمجھتے ہیں
ہمیں اپنا بنایا ہے، ہمیں اپنا سمجھتے ہیں
ہم اپنے ہر نفس کو اک نئی دُنیا سمجھتے ہیں
وہ خود جلوہ ہے اُن کا سب جسے پردا سمجھتے ہیں
مگر اپنی محبت کو وہ صرف اپنا سمجھتے ہیں
ازل کے دن سے جو راز مئے مینا سمجھتے ہیں
اسی کو دکھ بھی دیتے ہیں، جسے اپنا سمجھتے ہیں

محبت کی محبت تک ہی جو دُنیا سمجھتے ہیں
جمال رنگ و بو تک حُسن کی دُنیا سمجھتے ہیں
کمالِ تشنگی ہی سے بچھالیتے ہیں پیاس اپنی
سمجھنے دے نہیں، اے غیرتِ جذبِ طلب، ظالم
ہم اُن کا عشق کیسا؟ اُن کے غم کے بھی نہیں قابل
یہ کیا طاقت کہ ہم پر ڈال دے نیزھی نظر کوئی
ہمیں ہیں عشق کے مارے، ہمیں پر ہے نظر اُن کی
محبت میں نہیں سیرِ مناظر کی ہمیں پروا
نگاہِ شوق ہی کچھ جانتی ہے رازِ مستوری
اشاروں میں اُن کا دیتے ہیں دولتِ دین و دنیا کی
دے دینا کے پردے اُن کو دھوکا دے نہیں سکتے
خبر اس کی نہیں ان خام کارانِ محبت کو

فضائے نجد ہو، یا قیسِ عامر، اے جگر! ہم تو
جو کچھ ہے، ہم اُسے عکسِ رُخ لیا سمجھتے ہیں



میکدہ ساز ہوں میں، میکدہ بر ہوش نہیں
دل مراد دل ہے، کوئی ساغرِ سر جوش نہیں
ماں کا آغوش ہے، یہ موت کا آغوش نہیں
اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں
کون سی شے ہے، جو آغوشِ در آغوش نہیں
پھر بھی اک چیز ہے ایسی کہ فراموش نہیں
میرا دامن ہے کسی اور کا آغوش نہیں
کہ ادھر ہوش اگر ہے، تو ادھر ہوش نہیں
موت ہے موت، اگر رخصت نہیں، جوش نہیں
آج تک ہوش نہیں، ہوش نہیں، ہوش نہیں
حُسن بھی عشق کے احساں سے سبکدوش نہیں
میرے، آغوش کو اب حسرتِ آغوش نہیں

رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں، انہیں ہوش نہیں
کونسا جلوہ یہاں آتے ہی بے ہوش نہیں؟
مرنے والے! تجھے مرنے کا بھی کیا ہوش نہیں؟
پاؤں اٹھ سکتے نہیں منزلِ جاناں کے خلاف
حُسن سے عشقِ جدا ہے، نہ جدا عشق سے حُسن
مٹ چکے ذہن سے سب یادِ گذشتہ کے نقوش
ایک گوشہ میں سمٹ آئے ہیں دونوں عالم
اب تو تاثیرِ غمِ عشق یہاں تک پہنچی!
زیست، زیست جو رگِ رگ میں رواں ہے مئے عشق
کبھی ان مدبھری آنکھوں سے پیا تھا اک جام
عشق اگر حُسن کے جلوؤں کا ہے مرہونِ کرم
اپنے ہی حُسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں!

جو تسبیح تو سب ہیں، مگر ادراک کہاں! زندگی خود ہی عبادت ہے، مگر ہوش نہیں
 مل کے اک بار گیا ہے کوئی جس دن سے جگر
 مجھ کو یہ وہم ہے جیسے مرا آغوش نہیں!

☆—☆—☆

مر کے بھی کب تک نگاہ شوق کو زسوا کریں
 جذبِ دل ممکن نہیں، تو چشمِ دل ہی وا کریں
 اے میں قرباں! مل گیا عرضِ محبت کا صلہ
 دیکھے کیا شور اٹھتا ہے حریمِ ناز سے
 ہائے یہ مجھوریاں، محرومیاں، ناکامیاں
 عشقِ خود اپنی جگہ عینِ حقیقت ہے جگر
 عشق ہی میں کیوں نہ شانِ دلبری پیدا کریں؟

☆—☆—☆

جب اپنا اپنا غم احباب سے احباب کہتے ہیں
 محبت بہتی گنگا ہے، نہالے جس کا جی چاہے
 زمانے بھر کی دولت کو غمِ جاناں سے کیا نسبت
 عطا کر، اے جمالِ حسن! وہ داغِ محبت بھی!
 عبادت گاہِ جانِ عاشقان کا پوچھنا ہی کیا
 اسی صورت سنا دیتے ہیں اُن کو وارداتِ اپنی
 الہی! آگ ہی لگ جائے تاثیرِ محبت کو!
 محبت جن کی ایک اک موج میں لہریں نہ لیتی ہو
 ہمارا بھی زمانہ تھا کبھی، اے عشق، سنئے ہیں!
 محبت کی ہر اک موج بلا ہے بحرِ بے پایاں!

اے اگر میرا نفس مجھ کو دھوکا نہیں دیتا تو یہ شعر خالص الہامی ہے۔ آیت بَسْتَبِیحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی
 الْاَرْضِ اکثر میرے پیش نظر رہا کرتی تھی۔ خیال یہ ہوتا تھا کہ یقیناً ایسا ہی ہے۔ پھر ہمیں مزید تکلیف تسبیح و
 جہلیل و عبادت کیوں دی گئی۔ ایک دن جمعہ کی نماز میں شریک تھا کہ بے قصد و بے ارادہ یہ شعر نازل ہوا۔ اور
 اسی دن سے مجھے بہت تسکین حاصل ہو گئی۔ (جگر)

کبھی پانی بھی جن آنکھوں کے ماروں نے نہیں مانگا
انہیں آنکھوں کے ماروں کو جگر سیراب کہتے ہیں



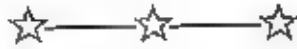
اللہ اللہ! عشق کی رعنائیاں
ہائے وہ غم کی کرم فرمائیاں
عشق ہے ہر موئے تن سے نغمہ زن
کوئی دیکھے تو حریم شوق میں
یاد ظالم کو تم اپنی روک لو
دل کی چوٹیں ابھری آتی ہیں تمام
حسن کی جان توجہ بن گئیں
سامنے جیسے وہ خود میں جلوہ گر
خود بڑھے آتے ہیں وہ میری طرف
اب کہاں انساں، جسے انساں کہیں
غیر تو غیر، اپنے سائے سے بھی رم
حسن بھی ہے، عشق بھی ہے جلوہ گر
کون پہنچا تافراز بامِ حسن؟
رہ گئی رکھی ہی عقل پختہ کار
حسن کے بھی ڈگمگاتے ہیں قدم
یاد ہے اب تک جگر! آغاز عشق

شب، ہمہ شب وہ خیال آرائیاں



عشق کی بڑھنے تو دو بربادیاں
اللہ اللہ! اعتبارات نظر!
اس نگاہِ ناز ہی سے پوچھے
خود نہ تھی اپنی بھی جب تجھ کو خبر
کشورِ دل ہی میں گھٹ کر رہ گئیں
کام آئیں گی یہ صحرا زادیاں
اور پھر اُن سب کی بے بچادیاں
اک اسیرِ شوق کی صیادیاں!
یاد کر اے عشق وہ آزادیاں
کیسی کیسی نازیں شہزادیاں

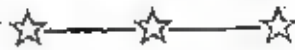
عشق خود کرتا ہے اعلانِ شکست
حسن کو دیجے مبارکبادیاں!



عہدِ رنگیں کی یادگار ہوں میں
آکہ بیتاب انتظار ہوں میں
ذرہ آستانِ یار ہوں میں
میری ہستی کا واہ کیا کہنا
نہ سہی تو، ترا خیال تو ہے
اُف، جواں مرگیاں محبت کی!
نکبتِ گل کا بھی دماغ نہیں
وہ حقیقت ہے خود مری ہستی
اللہ اللہ! نزاکتیں میری!
تجھ کو تکلیفِ ضد نظر، ہے ہے!

مجھ کو رنگِ خزاں سمجھ کے نہ دیکھ

مردہ آمدِ بہار ہوں میں



جو نہ کہے میں ہے محدود نہ بت خانے میں
ملتی ہے عمرِ ابدِ عشق کے مے خانے میں
ہم کہیں آتے ہیں واعظ، ترے بہکانے میں
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے میخانے میں
حرم و دیر میں رندوں کا ٹھکانا ہی نہ تھا
بام پر آ کے اٹھا دو رُخِ تاباں سے نقاب
آج تو کر دیا ساقی نے مجھ مستِ البت
آج ساقی نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے!

ہائے، وہ اور اک اُجڑے ہوئے کاشانے میں!
اے اجل، تو بھی سا جامِ مے پیمانے میں
اسی میخانے کی مٹی، اسی مے خانے میں
خلدِ شیشے میں ہے فردوس ہے پیمانے میں
وہ تو یہ کہے، اماں مل گئی مے خانے میں
اک اضافہ ہی سہی طور کے افسانے میں
ڈال کر خاص نگاہیں مرے پیمانے میں
کبھی میخانے سے باہر، کبھی میخانے میں

۱۔ ”مبارک باد“ صحیح ہے۔ مبارک باد کو غلط کہا جاتا ہے لیکن داغِ مرجوم نے کہا ہے اور یہ

سندکانی ہے (جلگہ)

آپ دیکھیں تو سہی، ربطِ محبت کیا ہے اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے میں
 بھوے نے تراے شیخ بھرم کھول دیا تو تو مسجد میں ہے، نیت تری میخانے میں
 مشورے ہوتے ہیں جو شیخ و برہمن میں جگر
 رند سن لیتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں



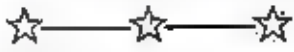
دشاعرِ فطرت ہوں میں جب فکر فرماتا ہوں میں
 آ کہ تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں
 جس قدر افسانہ ہستی کو ڈہراتا ہوں میں
 جب مکان و لامکان، سب سے گزر جاتا ہوں میں
 تیری صورت کا جو آئینہ اسے پاتا ہوں میں
 یک بیک گھبرا کے جتنی ڈور ہٹ آتا ہوں میں
 میری ہستی شوقِ پیہم میری فطرت اضطراب
 ہائے ری مجبوریاں، ترکِ محبت کے لئے
 میری ہمت دیکھنا، میری طبیعت دیکھنا
 حسن کو کیا دشمنی ہے، عشق کو کیا پیر ہے
 تیری محفل تیرے جلوے، پھر تقاضا کیا ضرور
 تاکجا یہ پردہ داری ہائے عشق و لافِ حسن؟
 میری خاطر اب وہ تکلیفِ تجلی کیوں کریں؟
 دل بختم شعر و نغمہ وہ سراپا رنگ و بو
 تاکجا ضبطِ محبت، تاکجا دردِ فراق!
 واہ رے شوقِ شہادت! کوئے قاتل کی طرف
 یا وہ صورتِ خود جہانِ رنگ و بو محکوم تھا
 دیکھنا اس عشق کی یہ طرفہ کاری دیکھنا

روح بن کر ڈڑے ڈڑے میں سما جاتا ہوں میں
 جیسے ہر تے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں
 اور بھی بیگانہ ہستی ہوا جاتا ہوں میں
 اللہ اللہ! تجھ کو خود اپنی جگہ پاتا ہوں میں
 اپنے دل پر آپ کیا کیا ناز فرماتا ہوں میں
 اور بھی اس شوخ کو نزدیک تر پاتا ہوں میں
 کوئی منزل ہو مگر گزرا چلا جاتا ہوں میں
 مجھ کو سمجھاتے ہیں وہ اور ان کو سمجھاتا ہوں میں
 جو سلجھ جاتی ہے تھی، پھر سے الجھاتا ہوں میں
 اپنے ہی قدموں کی خود ہی ٹھوکریں کھاتا ہوں میں
 لے اٹھا جاتا ہوں، ظالم، لے چلا جاتا ہوں میں
 ہاں سنبھل جائیں دو عالم، ہوش میں آتا ہوں میں
 اپنی گردِ شوق میں خود ہی چھپا جاتا ہوں میں
 کیا فضا میں ہیں کہ جن میں حل ہوا جاتا ہوں میں
 رحم کر مجھ پر کہ تیرا راز کہلاتا ہوں میں!
 گنگناتا، رقص کرتا، ٹھومتا جاتا ہوں میں
 یا یہ عالم اپنے سائے سے دبا جاتا ہوں میں
 وہ جفا کرتے ہیں مجھ پر اور شرماتا ہوں میں

! سطلی نظر سے اگر دیکھا جائے تو ردیف ”میں“ صحیح نہیں ہوگی بلکہ اس کی جگہ ”سے“ درست ہے۔

لیکن اس محلِ خاص پر ردیف ”میں“ ہی مناسب سمجھتا ہوں (جگر)

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث، اے جگر آ
ایک شیشہ ہے، کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں

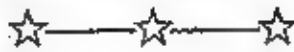


آئینہ روبرو ہے، کچھ گنگنا رہے ہیں
کافر جمال والے کافر بنا رہے ہیں
جھوٹے نفسِ نفس میں خوشبو کے آرہے ہیں
شاعر ہے خوفِ فطرت، جذبات چھا رہے ہیں
زلفیں سنور چکی ہیں، قشقہ لگا رہے ہیں
ایمان لانے والے ایمان لا رہے ہیں
شاید وہ آج خود ہی تشریف لا رہے ہیں
پیغام جا رہے ہیں، پیغام آ رہے ہیں
ساون کی رین اندھیری، تنہائیوں کا عالم
نخولے ہوئے فسانے سب یاد آ رہے ہیں



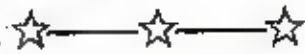
بے تاب ہے بے خواب ہے، معلوم نہیں کیوں
بے کیف مئےِ ناب ہے، معلوم نہیں کیوں
ساقی نے جو بخشا تھا بصد لطف و باصرار
بے نام سی اک یاد ہے، کیا جانئے کس کی
دیکھا تھا، کبھی خواب ساء معلوم نہیں کیا
خلوت میں بھی، جلوت میں بھی گھیرے ہوئے دل کو
کل تک یہی دُنیا سدا گل تھی، مگر آج!
منہ تکتے ہیں، تدبیر کوئی کر نہیں سکتے
محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہر تازہ تغیر
جو ساز کہ خود نغمہ غریاں تھا، اسی کو
دل آج بھی سینے میں دھڑکتا تو ہے، لیکن

اس پردہ رنگیں پہ نظر آتا ہے جو کچھ
جیسے کہ یہ اک خواب ہے، معلوم نہیں کیوں



ہم ہوں اور آپ زیبِ محفل ہوں
وہ سنیں میرے ورد کی آواز
ہر طرف آئینے مقابل ہوں
وہ مجسمِ نزاکتِ دل ہوں
اپنی صورت پہ آپ مائل ہوں
یہ بھی نہیں پسند کہ وہ

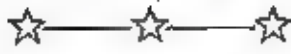
کیوں نکلیوں سے وہ ہمیں دیکھیں
 ایک جانب برس رہے ہوں جمال
 جتنے آساں ہوں عشق کے عقدے
 پس منظر بھی سامنے ہے اگر!
 ڈوب کیوں جائیں آرزو لے کر
 کیف احساس عشق ہی نہ رہے
 زندگی جن کے ہر قدم پر خار
 اب تو پہلو کا یہ تقاضا ہے
 نغمے ساکت ہوں بن کے روح، مگر
 آپ ہی میرے جان و دل کی صدا
 دیکھ لی ہم نے عشق کی تاثیر
 زندگی تھے کبھی
 جو آہ، جگر!
 اب وہی گھونٹ زہر قاتل ہوں



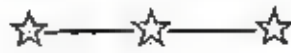
اوس پڑے بہار پر، آگ لگے کنار میں
 لطف ہے کیا، ستم ہے کیا، عالم اعتبار میں
 راحت جان عاشقان، کاہش انتظار میں
 کون کرے یہ عرض جا کے حریم یار میں
 اس پہ کرے خدا ہی رحم، گردش روزگار میں
 عشق ہے کس قطار میں، حسن ہے کس شمار میں
 اور تو کچھ کمی نہیں آپ کے اقتدار میں
 ہم کہیں جانے والے ہیں دامن عشق چھوڑ کر
 قدرت کار ساز کی آف! یہ ستم ظریفیاں
 راحت بے غلش اگر مل بھی گئی تو کیا مزا
 دور غم فراق کی اتنی تو یاد ہے، جگر!
 اور بھی اک صدا سی تھی درد کی ہر پکار میں



اللہی ! ایک دعا ہے اگر قبول نہ ہو
تجھے بھی شاق نہ ہو، شوق بھی ملول نہ ہو
دعاے مرگ تو مانگی ہے آج گھبرا کر
کمالِ عشق! یہ توفیق چاہتا ہوں میں!
جسے ہم اپنی محبت کا زخم کہتے ہیں
کسی کے خاطرِ نازک کا آگیا ہے خیال
جو تیرے حجرِ میسر کا راز فاش کرے
کوئی گناہ نہیں، شوق دید و ذوقِ نظر
جو اینکہ فرصتِ نظارگی کو طول نہ ہو



ستم ہو، قہر ہو، آفت، بلا ہو
کسی کے غم میں کوئی رو رہا ہو
یہ سب کچھ ہو، مگر پھر دل رہا ہو
کوئی پردے سے چھپ کر دیکھتا ہو
بتاؤ، کیا تمہارے دل پہ گذرے
اگر کوئی تمہیں سا بے وفا ہو



حسن کے ہاتھ میں گر عشق کی تلواریں نہ ہو
وصلِ شایاں نہ رہے، ہجرِ سزا دار نہ ہو
میں بھی ہر حال کو اب ہجر بنا دوں تو سہی
میں خطا وار، بیہ کار، گنہ گار، مگر
مجھ کو سب کچھ دیا اک بت نے، مگر یہ کہہ کر
میں چلوں عشق میں وہ راہ جو ہوسب سے الگ
کوئی یوں ٹھوم کے سردینے کو تیار نہ ہو
میں کہیں کا نہ رہوں تو جو طرف دار نہ ہو
میرا انکار ترے وصل کا انکار نہ ہو
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہ گار نہ ہو
تجھ کو، اللہ کرے، کچھ بھی سزا دار نہ ہو!
کچھ سجھائی بھی نہ دے، سسط بھی ہموار نہ ہو
آتشِ شوق جو بھڑکی ہے، بھڑکتی ہی رہے
مجھ کو اللہ کرے، تو بھی سزا دار نہ ہو



اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
تو صبحِ ازل، آئینہِ حسنِ ازل بھی
ہاں کوئی نظر، رحمتِ سلطانِ مدینہ
اے صلِ علی صورتِ سلطانِ مدینہ
اے طلعتِ حق، طلعتِ سلطانِ مدینہ
دامانِ نظرِ تنگ و فراوانیِ جلوہ

اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق
 اس طرح کہ ہر سانس ہر مصروفِ عبادت
 اک تنگِ غمِ عشق بھی ہے منظرِ دید
 کونین کا غم، یادِ خدا، دردِ شفاعت
 اے عالمِ تکوین! ترے اسرارِ حقیقت
 ظاہر میں غریبِ الغرباء پھر بھی یہ عالم
 اس اُمتِ عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا!
 اے جانِ بلبِ آمدہ، ہشیار، خبردار
 کچھ ہم کو نہیں کامِ جگر! اور کسی سے
 کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ!



میری نظروں میں ہے اک جانِ وفا کا نقشہ
 عشق میں فرقت و قربت ہیں برابر دونوں
 دل میں کچھ بھی نہیں اب کفرِ محبت کے سوا
 تو نے دیکھا ہی نہیں تجھ سے کہوں کیا زاہد؟
 دل میسر ہو تو کیا سیرِ دو عالم کی ہوس
 دل میں جب درد اٹھا نور کا طوفان بھی اٹھا
 آج جھکتی نظر آتی ہے جبینِ کونین
 کس نے دیکھا ہے اس اندازِ ادا کا نقشہ؟
 یہ قیامت کا سماں ہے، وہ بلا کا نقشہ
 جم گیا ایک بُتِ ہوش ربا کا نقشہ
 ہائے ان شوخ نگاہوں میں حیا کا نقشہ
 اسی نقشہ میں ہے کل ارض و سما کا نقشہ
 کھنچ گیا سامنے اک برقِ ادا کا نقشہ
 دیکھنا یار کے نقشِ کفِ پا کا نقشہ
 پاک رکھ، اشکِ ندامت سے بہر حال جگر
 دیکھنا ہے انہی آنکھوں سے خدا کا نقشہ



اُف! یہ تیغِ آزمائیاں توبہ! تیری نازک کلاسیاں، توبہ!

۱۔ غریب بمعنی مفلس صحیح نہیں۔ لیکن زبان کے متعلق میرے نظریات دوسروں سے بڑی حد تک مختلف ہیں۔ (جگر)

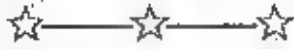
۲۔ یہ سلسلِ غزل یا نظم میری حیاتِ معاشرہ کے ایک اہم اور بہت ہی درد انگیز واقعہ سے متعلق ہے۔ (جگر)

کیا کریں بندگانِ محبوبی! عاشقی کی خدائیاں، توبہ!
 منزلِ عشق، اسے خدا کی پناہ! ہر قدم کربلائیوں، توبہ!
 یادِ ایامِ شوق و عشق و جنوں! چرخ کی فتنہ زائیاں، توبہ!
 لطیفِ برگانگی، معاذ اللہ! اُن کی سادہ ادائیاں، توبہ!
 حُسن میں رقص کا سا ایک عالم شوق کی نئے نوائیاں، توبہ!
 ہائے غمازیاں نگاہوں کی! اپنی بے دست و پائیاں، توبہ!
 اُف! وہ احساسِ حُسن پہلے پہلے یک یک کج ادائیاں، توبہ!
 اللہ اللہ! عشق کی وہ جھجک حُسن کی کہربائیاں، توبہ!
 اُس کے دامن پہ دل کا جا پڑتا ہم سے یہ بے وفائیاں، توبہ!
 غیظ سے ابروؤں پہ وہ شکنیں دل پہ زور آزمائیاں، توبہ!
 آستینوں کا وہ چڑھا لینا گوری گوری کلائیوں، توبہ!
 نظروں نظروں میں کاوشِ سر بزم دل ہی دل میں لڑائیاں، توبہ!
 سوزِ غم کی شکایتیں، ہے ہے! دردِ دل کی دہائیاں، توبہ!
 بزمِ سختِ رنجشیں باہم غائبانہ صفائیاں، توبہ!
 اپنے مطلب سے عشق کی چھڑیں ظاہری بے وفائیاں، توبہ!
 حُسن و توہینِ عشق، ہائے غضب! اپنی وہ خودستائیاں، توبہ!
 غیرتِ عشق، اے معاذ اللہ! ایک دم بے وفائیاں، توبہ!
 شبنمِ آلودہ وہ جیسے آنکھیں رخ پہ اڑتی ہوائیاں، توبہ!
 اس کی غمِ التفاتیاں، ہے ہے! اپنی بے اعتنائیاں، توبہ!
 سرِ سودا کی شورشیں پیہم! ہر طرف جگ ہنسائیاں، توبہ!
 رفتہ رفتہ وہ بے پناہ سکوت سب سے نا آشنائیاں، توبہ!
 موت سے ہر نفس وہ راز و نیاز موت کی ہم نوائیاں، توبہ!
 ناگہاں آمدِ آمدِ محبوب غم کی بے انتہائیاں، توبہ!
 یک یک آنکھ چار ہو جانا دیر تک زونمائیاں، توبہ!

۱۔ بے دست و پا جس مفہوم میں مستعمل ہے، اس اعتبار پر میں نے اسے ایک لفظ سے تعبیر کیا ہے اور

اس بنا پر ہند بنالینا غلط نہیں سمجھتا۔ (جگر)

نظروں نظروں میں سرگذشتِ فراق
 دُنوں جانب دہائیاں، توبہ!
 حُسن کی لہر پھر سے دوڑا کر
 اس کی معجز نمایاں، توبہ!
 پھر وہی چشمِ مست و جامِ بدست
 پھر وہی نغمہ زائیاں، توبہ!
 پھر وہی لب، وہی تبسمِ ناز!
 پھر وہی کج ادائیاں، توبہ!
 پھر وہ اک بیخودی کے عالم میں
 مل کے باہم جدائیاں، توبہ!



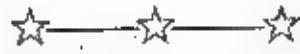
کچھ نہ زبان و مکاں، کچھ نہ سفید نیاہ
 غنچہ و نسرین و گل، انجم و خورشید و ماہ
 عشقِ نظر آفریں اور نظرِ معصیت
 حاصل صد عرضِ عم، مایہ صد عرضِ شوق
 کون تجھ کو پا سکے، کس کو ہے یہ دستگاہ
 دور ازل تا ابد، یہ بھی کوئی سیر گاہ
 اس کے سوا اور کیا پیش کشِ حُسنِ دوست
 قصہ ناز و نیاز، کیا کہیں ہوتا ہے ختم
 تو ہے خودی ناشناس، تجھ کو خدا سے عرض
 جانبِ ملکِ حبیب، پھر ہوں میں یوں گامِ زن
 اپنے بھی سایہ سے چل بچ کے رہ دوست میں
 اس کا وہیں تک گذر، جس کی جہاں تک سکت
 چیر کے دیکھوں اگر سینہ مستی عشق
 اے کہ تو ناواقفِ مصلحتِ حُسن و عشق (قطعہ) اے کہ تو نا محرمِ سرِ ثواب و گناہ
 میرا تخیل جگر! طائرِ جبریل فکر میرا تصور جگر! بلبلِ عقا نگاہ
 درسِ حقیقت سمجھ، حاصلِ فرصت سمجھ
 فرضِ محبت سمجھ، معصیتِ گاہ گاہ



مذہبِ عشقِ کربول، مسلکِ عاشقی نہ دیکھ
 مشرِ الحجا تو بن، صورتِ بلتجی نہ دیکھ
 تجھ کو خدا کا واسطہ، تو مری زندگی نہ دیکھ
 جس کی سحر بھی شام ہو، اس کی سینہ شمی نہ دیکھ

ہو کے شارِ زندگی، حاصلِ زندگی نہ دیکھ
 شمع کو جب بجھا چکا، شمع کی روشنی نہ دیکھ
 رازِ شکستگی سمجھ، رنگِ شکستگی نہ دیکھ
 پوچھ نہ روزِ محاسب! تھوڑی سی آج پی کے دیکھ
 نالہ نیم شب نہ سن، آہ سحر گہمی نہ دیکھ
 نعمتِ شوق گائے جا، حُسن کی برہمی نہ دیکھ
 کام سے اپنے کام رکھ، بے خودی و خودی نہ دیکھ
 حُسن پہ اپنے رحم کر، عشق کی سادگی نہ دیکھ
 دل جسے چاہے دیکھنا، دیکھ، جگر؟ وہی نہ دیکھ

دل کو مٹا کے عشق میں، دل کی طرف کبھی نہ دیکھ
 جان کو جب گھلا چکا، جان کی فکر ہی نہ کر
 نا صبحِ کم نگاہ سے کون یہ کہہ کے سر کھپائے
 کس لئے جان دیتے ہیں رند شرابِ ناب پر
 تجھ کو بھی اب قسم ہے یہ، تیرے ستم کا واسطہ
 ہو کے رہے گا ہم نوا، وہ بھی ترے ہی ساتھ ساتھ
 عشق ادا شناس حُسن، حُسن ادا شناس عشق
 یہ بھی تری طرح کبھی رُخ سے نقاب الٹ نہ دے
 فتنہ روزگار میں ہے یہی رازِ عافیت



جلوہ آفتاب بن، فزہ میں روشنی نہ دیکھ
 آگ دہی ہوئی نکال، آگ بجھی ہوئی نہ دیکھ
 ایک جگہ ٹھہر نہ جا، غور سے تو کبھی نہ دیکھ
 اُس کی خوشی خوشی سمجھ، اپنی خوشی خوشی نہ دیکھ!
 ہاں مگر اس قدر کہ بس، ایک ہی رُخ کبھی نہ دیکھ
 زہنتِ شوق کی قسم، فرصتِ زندگی نہ دیکھ
 دیکھ کے ایک بار پھر بارِ دگر کبھی نہ دیکھ
 عشق کا ہے یہ فیصلہ، آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھ
 اپنے سوا کسی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھ
 ساز کی نغمگی ہی کیا، ساز کی نغمگی نہ دیکھ
 رہرو منزلِ سلوک، اپنی طرف ابھی نہ دیکھ
 اپنے کو زندگی بنا، جلوہ زندگی نہ دیکھ
 دستِ کرم بڑھائے جا، غیر کی دشمنی نہ دیکھ

عشق فنا کا نام ہے، عشق میں زندگی نہ دیکھ
 شوق کو رہنما بنا، جو ہو چکا، کبھی نہ دیکھ
 جلوہ رنگ رنگ کی، دیکھ، ہما ہی نہ دیکھ
 شوق کا مرثیہ نہ پڑھ، عشق کی بے بسی نہ دیکھ
 یہ تو نہیں کہ آنکھ کو دعوتِ ماسوا نہ دے
 دل کی لگی بڑھائے جا، تیز قدم اٹھائے جا
 حُسنِ مجاز سے گذر، یعنی جو تجھ سے ہو سکے
 حُسن کا ہے یہ مقصدی، دیکھ تو دیکھتا ہی رہ
 تو ہی کمالِ عشق ہے، تو ہی کمالِ حُسن ہے
 تو ہی تمام نعمت ہے، تو ہی تمام نعمت بن
 پہلے جہانِ رنگ و بو، تا بہ کمال دیکھ جا
 موت و حیات میں ہے صرف ایک قدم کا فاصلہ
 ہے یہی عین دوستی، اپنی طرف سے، اے جگر!



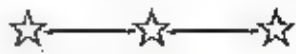
پاس رہتا ہے، دُور رہتا ہے
 کب دلِ ناصبور رہتا ہے؟
 اب تو چیزے پہ نُور رہتا ہے

دل میں اک رشکِ حور رہتا ہے
 میں تو رکھوں ہزار پہلو میں!
 ہو گیا کیا مزید سے زاہد؟

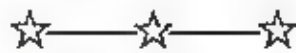
پوچھنا ہے یہ اُن نگاہوں سے عشق کیوں ناصُور رہتا ہے؟
 چشمِ ساتی کی خیر ہو، یا رب! بے بے ہی سُرور رہتا ہے
 عشق مرنے پہ بھی نہیں مٹتا یہ تعلق ضرور رہتا ہے
 وہی آہیں، وہیں ہوں میں، لیکن
 اب دُھواں دُور دُور رہتا ہے



سُن تو اے دل یہ برہمی کیا ہے؟ آج کچھ درد میں کمی کیا ہے؟
 دیکھ لو! رنگِ رُوئے ناکامی! یہ نہ پوچھو، کہے کسی کیا ہے
 اپنی ناکامی طلب کی قسم!! عین دریا ہے، تشنگی کیا ہے
 جسمِ محدود، روحِ لامحدود پھر یہ اک ربطِ باہمی کیا ہے
 اے فلک! اب تجھے تو دکھلا دوں زور بازوئے بے کسی کیا ہے
 ہم نہیں جانتے محبت میں! رنج کیا چیز ہے، خوشی کیا ہے
 اک نفسِ خلد، اک نفسِ دوزخ
 کوئی پوچھے یہ زندگی کیا ہے؟



اک شوقِ دید بے حد سب کچھ دکھا رہا ہے کوئی نہ آ رہا ہے، کوئی نہ جا رہا ہے
 غمِ عشق کے خزینے خوش خوش لگا رہا ہے اس ہاتھ کھورہا ہے، اُس ہاتھ پارہا ہے
 آنکھیں بنی ہوئی ہیں میخانہِ تھوڑے اک مست آ رہا ہے، اک مست جا رہا ہے
 ہم کو کیا اس سے مطلب، ناصح کو کیا شکایت میرا مٹانے والا مجھ کو مٹا رہا ہے
 معراجِ شوق کہئے یا حاصلِ تھوڑے جس مست دیکھتا ہوں، تو مسکرا رہا ہے
 منت گزار ہوں میں، اے عشقِ نا شکیب! دل تیرے نشتروں سے تسکین پارہا ہے
 اُن کی وہ آمد آمد، اپنا یہاں یہ عالم اک رنگ آ رہا ہے، اک رنگ جا رہا ہے
 جب حسن و عشق دونوں رویا کریں گے مجھ کو
 وہ بھی جگرِ زمانہ نزدیک آ رہا ہے



اُسے حال و قال سے واسطہ، نہ غرض مقام و قیام سے
 جسے کوئی نسبتِ خاص ہو، ترے حسنِ برقِ خرام سے

مجھے دے رہے ہیں تسلیاں، وہ ہر ایک تازہ پیام سے
 کبھی آ کے منظرِ عام پر، کبھی ہٹ کے منظرِ عام سے
 کہوں کیا؟ رہا جو مقابلہ، خطراتِ گام بہ گام سے
 سرِ بامِ عشقِ تمام تک، روِ شوقِ نیمِ تمام سے
 نہ غرض کسی سے، نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
 ترے ذکر سے، تری فکر سے تری یاد سے، ترے نام سے
 مرے ساقیا، مرے ساقیا! تجھے مر جا، تجھے مر جا!
 تُو پلائے جا، تُو پلائے جا، اسی چشمِ جام بہ جام سے
 تری صبحِ عیش ہے کیا بلا؟ تجھے اے فلک! جو ہو حوصلا
 کبھی کر لے آ کے مقابلہ، غمِ ہجرِ یار کی شام سے
 مجھے یوں نہ خاک میں تُو ملا، میں اگرچہ ہوں ترا نقشِ پا
 ترے جلوے جلوے کی ہے بقا، مرے شوقِ نامِ بنام سے
 تری چشمِ مست کو کیا کہوں کہ نظرِ نظر ہے فسوں فسوں
 یہ تمام ہوش، یہ سب جنوں، اسی ایک گردشِ جام سے
 یہ کتابِ دل کی ہیں آیتیں، میں بتاؤں کیا جو ہیں نسبتیں
 مرے سجدہ ہائے دوام کو، ترے نقشِ ہائے خرام سے
 مجھے چاہیے وہی ساقیا! جو برس چلے، جو چھلک چلے
 ترے حُسنِ شیشہ بدست سے، تری چشمِ بادہ بجام سے
 جو اٹھا ہے درد، اٹھا کرے، کوئی خاک اس نے گلہ کرے
 جسے ضد ہو حُسن کے ذکر سے، جسے چڑ ہو عشق کے نام سے
 وہیں چشمِ خور پھڑک گئی، ابھی پی نہ تھی کہ بہک گئی
 کبھی یک بیک جو چھلک گئی، کسی رندِ مست کے جام سے
 تو ہزار عذر کرے، مگر ہمیں شک ہے اور ہی کچھ جگر!
 ترے اضطرابِ نگاہ سے، تری احتیاطِ کلام سے



اب مرے سامنے ٹھہرے تو گلستاں کوئی
 پھپ کے رہتا ہے کہیں رازِ گلستاں کوئی؟
 ہو چلا ہے مری صورت سے نمبایاں کوئی
 غنچے غنچے کی زباں سے ہے گل افشاں کوئی

پردہ یاس میں ہے سلسلہ جنباں کوئی
 ایک اک سانس میں جیسے ہو خراماں کوئی
 اپنی ناکام محبت پہ ہے نازاں کوئی
 جس نے دیکھا ہی نہ ہو جلوہ رقصاں کوئی
 عرصہ حشر ہے اور مست و غزل خواں کوئی
 سامنے آئے تو بے قیدِ رگِ جاں کوئی
 انہیں اشکوں میں نہ ہو حسن کا طوقاں کوئی
 ٹوٹ لے آکے بہارِ چمنِ جاں کوئی
 پردہ گل میں ہے، خود چاک گریباں کوئی
 لے کے اڑ جائے نہ، یہ عالمِ امکاں کوئی
 خون سے اپنے بنائے جو گلستاں کوئی
 مذہبِ عشق میں ہے کفر نہ ایماں کوئی
 نظر آ جاتا ہے جب چاک گریباں کوئی
 کیوں کرے تجھ کو شریکِ غمِ ہجران کوئی

ہائے وہ حسن کا انداز کہ جس وقت جگر

عشق کے بھیس میں ہوتا ہے نمایاں کوئی

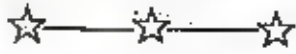


زہے مجاز کہ وہ زینتِ مجاز رہے!
 جو تیرے رخ پہ نہ حالِ حجاب ناز رہے
 ہمیں وہ تھے کہ ترے رازدارِ راز رہے
 جو اس طرح سے بھی نا آشنائے راز رہے
 بہت نہ سوزِ محبت نفسِ گداز رہے
 جو تجھ سے دُور رہے، آشنائے راز رہے
 وہ آج خود بھی مگر شاملِ نماز رہے
 خروشِ نغمہ رہے یا سکوتِ ساز رہے
 خدا کرے، شبِ فرقت ابھی دراز رہے!
 میں کیا کروں، جو ترا غم ہی جاں نواز رہے

اب اسے وصل کہنے یا غمِ ہجران کوئی
 اس طرح آج سے محسوسِ رگِ جاں کوئی
 خیر ہے آپ نے کیوں غیظ میں تیور بدلے؟
 کیا وہ نظروں کا مریِ حسنِ تلاطم سمجھے
 چشمِ دیوانگی شوقِ یہاں بھی نہ کھلی!
 عشق بھی رنگِ تعین کا اٹھا دے پردہ
 بے حقیقت نہ سمجھ ناصحِ ناداں ان کو
 شوق نے توڑ دیے وہ بھی جو باقی تھے قیود
 اور کیا چاہتی ہے، بلبلِ شوریدہ مزاج؟
 بیک بیک سامنے آیا نہ کرو بے پردہ
 غنچے اُس کے ہیں گل اس کے ہیں، بہدیں اُس کی
 نگہ یار کے مخصوص اشاروں کے سوا
 اللہ اللہ! مرے جوشِ جنوں کی لہریں
 چاہیے تیرے تصور سے بھی ایسے میں گریز

نظرِ فروز رہے، سامعہ نواز رہے
 کہاں جمالِ حقیقت؟ کدھر مجاز رہے؟
 ہمیں وہ اب ہیں بونکھوئے ہوئے سے پھرتے ہیں
 الہی! اس دلِ راز آشنا کو کیا کہئے؟
 نفس کے پردے میں بھی ہے اسی کا عکسِ جمال
 گھلا یہ راز تری جلوہ گاہِ قربت میں
 جبینِ سجدہ میں ایسی کبھی تڑپ تو نہ تھی
 ترے سوا تری محفل سے کیا غرض مجھ کو
 تری امانتِ غم کا تو حق ادا کر لوں
 ترے بغیر تو جینا روا نہیں لیکن

جراتیں دل بسمل کی رُوح تک پہنیں دراز دستی قاتل، ابھی دراز رہے
یہ حکم خاص ہے ساتی کا آج محفل میں
جگر سا ایک بھی کافر نہ پاک باز رہے



کچھ اس طرح وہ پس پردہ مجاز رہے
نہ کوئی راز رہا ہے، نہ کوئی راز رہے
تری نگہ جو اسی طرح گرم ناز رہے
خطا معاف، کسی اور کا تو ذکر ہی کیا
جنون سجدہ کو کیا اہل ہوش سے مطلب؟
یہاں تو کام ہے اک نشتر توجہ سے
محبت اصل حقیقت، محبت اصل مجاز
جبین و سجدہ کی توہین ہے جسیں ساتی
ترے ثارا! عطا کر وہ اک لطیف خلش
نگاہ ناز سے چھلکا رہا ہے نئے کوئی
زمانہ آج ہی غرق شراب تھا، زاہد!
دکھاؤں عشق کی خود داریاں جگر! میں بھی

جو ایک بات پہ قائم غرور ناز رہے



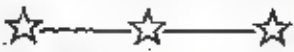
ملا کے آنکھ نہ محروم ناز رہنے دے
میں اپنی جان تو قربان کر چکوں تجھ پر
ترے ہی شیوہ عاشق کشی کی تجھ کو قسم
ہٹا نہ سینہ عاشق سے رُخ کسی جانب
گلے سے تیغ ادا کو جدا نہ کر قاتل!
یہ تیر ناز ہیں، تو شوق سے چلائے جا
قتل غمزہ خوں ریز ہوں، قصور معاف!

تجھے قسم، جو مجھے پاک باز رہنے دے
یہ چشم مست ابھی نیم باز رہنے دے
اسی طرح مژہ ہائے دراز رہنے دے
نگاہ ناز کو نشتر نواز رہنے دے
ابھی یہ منظر راز و نیاز رہنے دے
خیالی خاطر اہل نیاز رہنے دے
اشارہ نگہ دل نواز رہنے دے

بجھا نہ آتشِ پناہ کرم کے چھینٹوں سے
دلِ جگر کو تجسمِ گداز رہنے دے



مجھے ہلاک فریبِ مجاز رہنے دے . یہ جان آج نکلتی ہے جس کے قدموں پر
نہیں رازِ عشق کو بریگانہ جہاں رکھوں
خدا نے دی ہے یہ نعمت تو رکھا سے بے عیب
یہ بات کیا کہ حقیقت وہی، مجاز وہی
یہ جان ایک بلا نوش کی ہے، اے ساتی!
یہ خانقاہ نہیں، پی بھی جا، ارے زاہد!
ازل سے حسن تو عاشق نواز ہے لیکن
اسے نہ آئینہ سمجھو، وہ اور ہی شے ہے
لٹا دے دولتِ کونین اور میرے لئے
نہ چھینڑ، او نگہ امتیاز! رہنے دے
خدا کرے، سرِ دامنِ ناز رہنے دے
مگر، جو مصلحتِ حسنِ ناز رہنے دے
غرورِ حسنِ کو، تاجِ ناز رہنے دے
مجاز ہے تو پھر اس کو مجاز رہنے دے
نہ پھینک دردِ مئے خانہ ساز، رہنے دے
یہ میکدہ ہے، یہاں احتراز رہنے دے
جو عشق ہی اسے عاشق نواز رہنے دے
جس آئینہ کو خود آئینہ ساز رہنے دے
بس اک تبسمِ عاجز نواز رہنے دے
گذرتی ہے جو دلِ عشق پر، نہ پوچھ جگر
یہ خاص رازِ محبت ہے، راز رہنے دے



حال بھی، ماورائے حال بھی ہے
پھر بھی تجھ سے ہزار شکوے ہیں
کرتے جاتے ہیں صاف غدرِ کرم
دل کے ہر اضطرابِ نازک میں
ہر ستم ہے کرم کے پردے میں
رہ گئے محوِ نیکِ نظر ہو کر
دور ہٹنا نہ منزلِ دل سے
چھائے جاتے ہیں دردِ دل بن کر
حسن کے ہر جمال میں پناہ،
دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں
عشق ممکن بھی ہے، مجال بھی ہے
جاننا ہوں، مرا خیال بھی ہے
اور پھر پرسشِ ملال بھی ہے
شانِ بیتابیِ جمال بھی ہے
اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے
اس کے فرصتِ خیال بھی ہے
وصل بھی ہے، یہیں وصال بھی ہے
اس پہ تاکیدِ ضبطِ حال بھی ہے
میری زنجانیِ خیال بھی ہے
کچھ خوشی بھی ہے، کچھ ملال بھی ہے

لاکھ رسوا سہی جگر، لیکن
خوش نظر بھی ہے، خوش خیال بھی ہے



مہلت نہ آرزو کی، فرصت نہ جستجو کی
بن بن کے مٹ رہی ہے ہر شکل آرزو کی
سننے میں اب سے پہلے اک بوند تھی لہو کی
آئینہ رُو برد ہے، چوٹیں ہیں دو بدو کی
اک بار جس نے دیکھا تا حشر آرزو کی
کچھ میں نے جستجو کی، کچھ اُس نے جستجو کی
وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں، کیوں میری آرزو کی
اُس میں بھی پا رہا ہوں اک شان جستجو کی
پہچانتا ہوں نظریں اس شوخ فتنہ جو کی
محسوس ہو چلی ہے جنبش رگ گلو کی
دل ہی کو بت بنایا، دل ہی سے گفتگو کی
اے کاش! کوئی سنا فریاد جستجو کی
میں نے بہت چھپایا، اس کی نظر نہ پھو کی
تصویر کھینچتا ہوں اک حُسنِ شعلہ نُو کی
سو بار تجھ کو دیکھا، سو بار گفتگو کی
اپنی ہی آرزو میں اپنی ہی جستجو کی
میں وہ ہوں، تو نے ظالم! خود جس کی آرزو کی
جب دل کو آچلا غش، تاروں سے گفتگو کی
عادت سی بڑ گئی ہے ظالم کو جستجو کی
چاک قبائے گل کو حاجت نہیں رفو کی

کیا خاک سیر کیجئے دُنیاے رنگ و بو کی
یہ حدِ آخری ہے عاشق کی جستجو کی
تم دل اسے سمجھ لو، یا جان آرزو کی
اللہ شرم رکھ لے، تو میرے جنگِ بو کی
تو وہ بہارِ تازہ، دُنیاے رنگ و بو کی
طے منزلیں ہوئی ہیں یوں عشق و آرزو کی
اب کیا جواب دُوں میں، کوئی مجھے بتائے
یہ ترکِ جستجو بھی، کیا ترکِ جستجو ہے
پھر دنواریاں ہیں، پھر چارہ سازیاں ہیں
ہاں نشترِ نوازش! اک اور بھی اشارہ
مایوس ہو کے پلٹیں جب ہر طرف سے نظریں
ناکام جستجو سب فریاد کر رہے ہیں
وہ ایک گوشہ دل جس میں ہیں لاکھ شکوے
آئے مرے مقابل جس کو ہو زعمِ تمکین
عالم سے چھپنے والے! معلوم تیرا چھپنا
پردہ جب اٹھ گیا ہے، دیکھا یہی ہے اکثر
بجرم بنا ہوا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں
راتیں گزارتے ہیں یوں بیسانِ فرقت
دل خود بھی تنگ ہے اب، لیکن علاج اس کا
عین شگستگی ہی حُسنِ شگستگی ہے

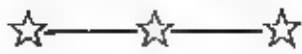
تُو خوب جانتا ہے، اور جان و دل کے مالک!
ہر حال میں جگر نے تیری ہی آرزو کی



بہک نہ جائے جو پی کر، وہ ریند ہی کیا ہے؟
 خبر نہیں کہ خودی کیا ہے، بیخودی کیا ہے؟
 مری خوشی تو ہے سب کچھ، تری خوشی کیا ہے؟
 کوئی بتائے، یہ انداز برہمی کیا ہے؟
 یہ زندگی ہی سے سمجھ کہ زندگی کیا ہے؟
 امید پر ہے بھروسہ، امید ہی کیا ہے؟
 فقیر ہوں، مرے ساتی کے گھر کی کیا ہے؟
 کسی طرح جو بہل جائے، زندگی کیا ہے؟

یہ بے کشی ہے تو پھر نشانِ مے کشی کیا ہے؟
 بس ایک سمت اڑا جا رہا ہوں وحشت میں
 میں زہر مرگ گوارا کروں کہ مخی زیست
 لبوں پر موجِ تہسم، نگہ میں برقِ غضب
 کسے مجال کہ افشائے رازِ یار کرے
 ستم کشانِ محبت سے کوئی پوچھے تو
 کہاں کی خانقہ و مسجد و کنشت و بہشت
 یہ درس میں نے لیا مکتبِ محبت سے

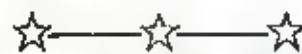
اسی کے واسطے مے بھی ہے، مے کشی بھی جگر
 خبر نہیں جسے مے کیا ہے؟ مے کشی کیا ہے؟



ایسی نگاہ سے مجھ دیکھا نہ کیجئے
 وعدہ تو کیجئے مگر ایفا نہ کیجئے
 مر جائیے، یہ ننگ گوارا نہ کیجئے
 ممکن بھی ہو تو عرضِ تمنا نہ کیجئے
 گہری نگاہ سے مجھے دیکھا تو کیجئے
 تازہ کوئی فسوں تماشا نہ کیجئے
 بے عیب ہے جو حسن، تو پروا نہ کیجئے
 یا دیکھنے کی طرح سے دیکھا نہ کیجئے
 ہتیار کر کے پھر مجھے دیوانہ کیجئے
 کہتے نہ تھے کہ خونِ تمنا نہ کیجئے
 اتنے قریب سے مجھے دیکھا نہ کیجئے
 کیا کیجئے جو تیری تمنا نہ کیجئے؟
 پردے کا ہے خیال تو پروا نہ کیجئے

شاکتہ غرورِ تمنا نہ کیجئے
 تسکینِ مضطرب کا مداوا نہ کیجئے
 محدود وصلِ شوق کی دنیا نہ کیجئے
 رعنائی خیال کو رسوا نہ کیجئے
 کیا جائے، کب آہ کی تاثیر جاگ اٹھے!
 کافی ہے اک نگاہِ کرم التجا کے بعد
 موسیٰ کی طرح کون سے لن ترانیاں؟
 یا دیکھ کر نہ دیکھئے کچھ ماسوائے دوست
 دیوانہ کر کے دیجئے پھر مجھ کو اذین ہوش
 ماتم گسار کون ہے اب دل کی لاش پر؟
 تاثیرِ شوق و یاس کا پروا الٹ نہ دے
 ہر جلوہ ہے بجائے خود اک دعوتِ نگاہ
 یوں چشمِ شوق دیکھ ہی لیتی ہے کچھ نہ کچھ

تفسیرِ حسن و عشق، جگر! مصلحت نہیں
 افشائے رازِ قطرہ و دریا نہ کیجئے!

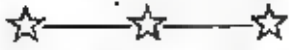


محبت میں جذہر دیکھو، بہار جاودانی ہے
 جنونِ عشق میں حاصل یہ لطفِ زندگانی ہے
 ترے سر کی قسم، تجھ سا ہی اک محبوب ثانی ہے
 خدایا، خیر کرنا، نبضِ بیمارِ محبت کی
 کسی کو آج مجبور تر تم کر بھی دے، اے دل!
 الہی! بھیج دے ایسے میں اس جانِ تمنا کو
 تجھے اے عشقِ سینے سے لگاؤں دیدہ و دل سے
 یہ بتلا اور کچھ تیرے سوا کونین میں بھی ہے
 نہ کر آلودہ لفظ و بیاں شرحِ محبت کو
 ترے حسنِ حیاتِ افروز کو دیکھا ہے جس دن سے
 الہی، شرم تیرے ہاتھ ہے آدابِ محفل کی!
 لئے پھرنا ہوں اک تصویرِ حسرتِ اپنی آنکھوں میں
 انہیں آنسو سمجھ کر یوں نہ مٹی میں ملا، ظالم!
 ترے جو مسلسل کی قسم، ادب چھنے والے!
 جگر کے حال پر تیرا کرم ہے، مہربانی ہے



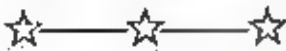
جنونِ عشق کا اتنا تو حق ادا کرتے
 حیاتِ درد سہی، پھر بھی آہ کیا کرتے!
 تمام منظرِ ہستی کو ایک جا کرتے
 محبتِ اصلِ حقیقت ہے، اس کو کیا کرتے؟
 وہ نہیں رہے ہیں مرے حال پر، ہنسا کرتے
 نہ تھا پسند کہ محرومِ التجا کرتے
 یہ کیا مجال کہ ہم ترکِ التجا کرتے
 نمازِ عشق یہاں ہے نفسِ نفسِ جاری
 یقین کرو کہ تمہاری جگہ جو ہم ہوتے
 دل ایک شاید معنی سہی، مگر پھر بھی
 حجاب نے انہیں رکھا حجاب میں، ورنہ
 اسے بھی اپنی طرح عالم آشنا کرتے
 فنا کی چیز جو ہوتی، تو ہم فنا کرتے
 پھر اپنی شرحِ محبت جدا جدا کرتے
 ہم التجا جو نہ کرتے، وہ التجا کرتے
 یہ بہ رہے ہیں جو آنسو، یونہی بہا کرتے
 وگرنہ دل وہ کسی کا پسند کیا کرتے
 وہن کو سی بھی جو لیتے، نظر کو کیا کرتے
 کبھی ادا ہی نہ ہوتی، اگر قضا کرتے
 محبتوں کے خزانے لٹا دیا کرتے
 تمہارے سامنے ہم بے نقاب کیا کرتے؟
 جب آتے سامنے، اپنا ہی سامنا کرتے

وہ عرضِ شوق پر، اے کاش! اور کچھ نہ سہی نگاہ نیچی کے مسکرا دیا کرتے
 نہ انتہا ہے، نہ کچھ ابتدا محبت کی جو انتہا کوئی ہوتی تو ابتدا کرتے
 نہیں جو وصلِ میتر، نصیبِ ہجر تو ہے
 ہم اتنے فرق کا اُن سے ملال کیا کرتے



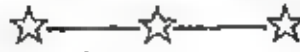
عشق کی حد سے نکلتے، پھر یہ منظر دیکھتے
 غنچہ و گل دیکھتے، یا ماہِ اختر دیکھتے
 دُور جا کر دیکھتے، نزدیک آ کر دیکھتے
 فطرتِ مجبور پر قابو ہی کچھ چلتا نہیں
 پھر وہی حسرت ہے ساقی پھر اسی انداز سے
 میرے چُپ رہنے پہ کیا وہ باز رہتے، چھیڑ سے
 عشق سرتا یا نظر، بازک مزاجِ حسنِ دوست
 مل گئیں نظروں سے نظریں، اور مل کر رہ گئیں
 تشنگانِ دیدِ جلوہ میں ہمیں سمجھا ہے کیا؟
 مرنا اک بات پر کس آن سے، کس شان سے
 زلیدِ مسجدِ نشیں ہے اور اک ٹوٹا سا ظرف
 وائے محرومی قسمت! رہ گئی حسرت یہی
 ہائے وہ چہرہ اور اس میں وہ تڑپتی بجلیاں
 دم بخود ہیں حضرت زاہد یہیں تک دیکھ کر

یا مذاقِ دید کی تہمت نہ لیتے، اے جگر!
 یا مجسمِ دل، سراپا آنکھ بن کر دیکھتے!



دلِ ادھر ہوتا ہے ظالم نہ ادھر ہوتا ہے
 لوگ کہتے ہیں دُعاؤں میں اثر ہوتا ہے
 اب نظر کے لئے کیا حکمِ نظر ہوتا ہے؟
 کچھ ادھر سے بھی تقاضائے نظر ہوتا ہے
 وہ جو مخصوص اک اندازِ نظر ہوتا ہے
 کیا برابر کا محبت میں اثر ہوتا ہے؟
 ہم نے کیا کچھ نہ کیا، دیدہ و دل کی خاطر؟
 دل تو یوں دل سے ملایا کہ نہ رکھا میرا
 میں گنہگار جنوں، میں نے یہ مانا، لیکن
 تو نے دیکھا ہی نہیں، تجھ سے کہوں کیا نا صح

کون دیکھے اسے بیتاب محبت، اے دل!
تو وہ نالے ہی نہ کر، جن میں اثر ہوتا ہے



خوشا بیدار! خونِ حسرت بیدار ہوتا ہے
بظاہر کچھ نہیں کہتے مگر ارشاد ہوتا ہے
مرے ناشاد رہنے پر وہ جب ناشاد ہوتا ہے
یہی ہے رازِ آزادی، جہاں تک یاد ہوتا ہے
دلِ عاشق بھی کیا مجموعہ اضداد ہوتا ہے
وہ ہر اک واقعہ جو صورتِ افتاد ہوتا ہے
بڑی مشکل سے پیدا، اک وہ آدم زاد ہوتا ہے
نگاہیں کیا کہ پہروں دل بھی واقف ہونہیں سکتا
تمہیں ہو وطنِ زنِ مجھ، پر تمہیں انصاف سے کہدو
یہ مانا تنگِ پابندی سے کیا آزاد کو مطلب؟
تصور میں ہے کچھ ایسا تری تصویر کا عالم

ستم ایجاد کرتے ہو، کرم ایجاد ہوتا ہے
”ہم اس کے ہیں جو ہم پر ہر طرح برباد ہوتا ہے“
بتاؤں کیا، جو میرا عالم فریاد ہوتا ہے
کہ نظریں قید ہوتی ہیں تو دل آزاد ہوتا ہے
ادھر آباد ہوتا ہے، ادھر برباد ہوتا ہے
کبھی پہلے بھی دیکھا تھا کچھ ایسا یاد ہوتا ہے
جو خود آزاد، جس کا ہر نفس آزاد ہوتا ہے
زبانِ حسن سے ایسا بھی کچھ ارشاد ہوتا ہے
کوئی اپنی خوشی سے خانماں برباد ہوتا ہے؟
مگر وہ شرمِ آزادی سے بھی آزاد ہوتا ہے
کہ جیسے اب لبِ نازک سے کچھ ارشاد ہوتا ہے

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی!
سناتا جا رہا ہے، جس کو جتنا یاد ہوتا ہے



یوں بھی نہ تو حاصلِ آرامِ جاں نہیں ہے
جو داستاں ہے اپنی، افسانہ ہے کسی کا
ہاں اے جمالِ جاناں! اک اور بھی تجلی
ہر لحظہ کہہ رہا ہے، یہ انقلابِ فطرت
دل کی جراحوں کو کچھ دل ہی جانتا ہے
شاید تری نظر سے کچھ رازِ دل سمجھ لوں
جو کچھ میں دیکھتا ہوں، میری نظر سے دیکھو

اب تو جو مہرباں ہے، دل مہرباں نہیں ہے
شاید مرے دہن میں میری زباں نہیں ہے
دنیا مری نظر میں اب تک جواں نہیں ہے
یعنی جہاں ابھی تھی، دنیا دہاں نہیں ہے
ظاہر میں دیکھتے تو کوئی نشاں نہیں ہے
کہتے ہیں عشق جس کو میری زباں نہیں ہے
عین مشاہدہ ہے، وہم و گماں نہیں ہے

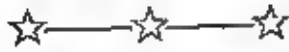
تیرے کرم کے صدقے، کر لے ستم بھی شامل
دل شادماں ہے لیکن غم شادماں نہیں ہے



دل ترے عشق میں ناشاد بھی ہے، شاد بھی ہے
اب بھی کیا دل کو نہ سمجھو گے سزا وار سزا
تم میری آنکھ سے دیکھو تو یہ دنیائے جمال
ہر وہ ناپیز سا ذرہ جسے تم دیکھتے ہو
تم جو ایسے میں چلے آؤ تو زولوں دم بھر

یہی نغمہ، یہی فریاد، یہی یاد بھی ہے
بجز شوق بھی نے ملزم فریاد بھی ہے
ہائے کیا چیز مرا عشق خدا داد بھی ہے!
اُس کو سن لو تو یہ نغمہ بھی ہے، فریاد بھی ہے
صبح کا وقت بھی ہے، خاطرِ ناشاد بھی ہے

اب کہاں، آہ، مجھے فرصتِ یک لفظِ جگر؟
سینہ عشق بھی ہے، نشترِ فریاد بھی ہے



وہ کون ہے ایسا کہ تری شکل دکھا دے
ہاں، جذبِ غمِ عشق کی تاثیر دکھا دے
تو چاہے تو اے جلوہٴ اعجازِ محبت
تو حسن ہے، میں عشق ہوں، تو جاں ہے، میں جسم
اے جانِ دو عالم! ترے عالم کے تصدق

احسان ہے اس کا جو مجھے مجھ سے ملا دے
مجنور نہ بن حسن کو مجبور بنا دے
تصویر کو تصویر کا دیوانہ بنا دے
کس کی ہے یہ طاقت کہ مجھے تجھ سے تھرا دے؟
اپنا جو بنایا ہے، تو اپنا سا بنا دے

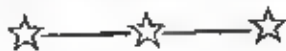
بخت میں بھی ایسا تو نہ ہو گا گلِ خنداں
اے زخمِ جگر! نیتِ قاتل کو دُعا دے



کیوں ڈور ہٹ کے جائیں ہم دل کی سرزمین سے
یہ راز سن رہے ہیں اک موجِ تہ نشیں سے
خونِ وفائے بسمل، جرمِ نگاہِ قاتل
اس چشمِ خشک سے تم چھٹریں تو کر رہے ہو
انکار اور اس پر اصرار، وہ بھی پیہم
اب کیا بتاؤں کیا کیا عالم گزر رہے ہیں!

دلوں جہاں کی سیریں حاصل ہیں سب یہیں سے
ڈوبے ہیں ہم جہاں پر، ابھریں گے پھر وہیں سے
ظاہر تو ہر جگہ ہے، ثابت نہیں کہیں ہے
تڑپے نہ موج کوئی دریائے آستیں سے
تم مجھ کو چاہتے ہو، ثابت ہوا یہیں سے
میرے دلِ حزیں پر، میرے دلِ حزیں سے

یوں آج مل رہا ہے جانِ جگر سے کوئی!
جس طرح مل رہا ہو کوئی حسین، حسین سے



اے حسنِ یارِ شرم، یہ کیا انقلاب ہے
جب تک شبابِ عشقِ مکمل شباب ہے

تجھ سے زیادہ دردِ ترا کامیاب ہے
پانی بھی ہے شراب، ہوا بھی شراب ہے

وہ حسنِ قہر ہے، وہ محبتِ عذاب ہے
 اس کا بس ایک جوشِ محبتِ جواب ہے
 تیری نوازشیں، کہ زمانہ خراب ہے
 مانا کہ چشمِ شوق بہت بے حجاب ہے
 میرا جواب ہے، نہ تمہارا جواب ہے
 جس تشنہ لب کے ہاتھ میں جامِ شراب ہے
 جو یہ نہ سن سکے کہ زمانہ خراب ہے
 ظالم!! شراب ہے، ارے ظالم!! شراب ہے
 جو ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے
 دل مانتا نہیں کہ نظر کامیاب ہے
 پھر بھی ترا شباب، ترا ہی شباب ہے
 اب ہر خطائے شوق اسی کا جواب ہے
 میری نظر سے اس کی نظر کامیاب ہے
 میں ہوں، خیالِ یار ہے، چشمِ پُر آب ہے

سرمایہ فراقِ جگر! آہ کچھ نہ پوچھ
 اک جان ہے سو اپنے لئے خود عذاب ہے



جس حال میں ہوں، اب مجھے افسوس نہیں ہے
 سجدہ وہی سجدہ ہے کہ جو تنگِ جنیں ہے
 وہ دل بھی حسین، اس کی محبت بھی حسین ہے
 لیکن میں کیا کروں، مجھے فرصت ہی نہیں ہے
 اور اس پہ یہ پردہ ہے کہ پردہ ہی نہیں ہے
 پوچھو تو کہیں بھی نہیں، دیکھو تو یہیں ہے
 عاشق وہی عاشق ہے، جو بخیر نہیں ہے
 تو دیکھ لے، جو چیز جہاں پر تھی، وہیں ہے
 ہر سانس کے ساتھ آج اک آوازِ حزیں ہے
 آوازِ جہاں دو اُسے، وہ شوخ وہیں ہے

جو خود نہ زندگی ہو نہ پیغامِ زندگی!
 عاشق کی بے دلی کی تغافل نہیں جواب
 تیری عنایتیں کہ نہیں نذرِ جاں قبول
 اے حسن! اپنی حوصلہ افزائیاں تو دیکھ
 میں عشقِ بے پناہ ہوں، تم حسنِ بے پناہ
 میخانہ ہے اسی کا، یہ دُنیا اسی کی ہے
 اُس سے دلِ تباہ کی رُو داد کیا کہوں؟
 اے محسب! نہ پھینک، مرے محسب! نہ پھینک
 اپنے حدود سے نہ بڑھے کوئی عشق میں
 وہ لاکھ سامنے ہوں مگر اس کا کیا علاج؟
 میری نگاہِ شوق بھی کچھ نہیں، مگر
 مانوسِ اعتبارِ کرم کیوں کیا مجھے؟
 میں اس کا آئینہ ہوں، وہ ہے میرا آئینہ
 تنہائیِ فراق کے قُربان جائے

سختا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے
 زاہد مگر اس رمز سے آگاہ نہیں ہے
 جس دل میں تری یاد ہے، تو صدر نشیں ہے
 وہ آئے ہیں، اسے دل! ترے کہنے کا یقین ہے
 جس رنگ میں دیکھو اسے، وہ پردہ نشیں ہے
 ہر ایک مکان میں کوئی اس طرح کہیں ہے
 نزدیک ہو یا دُور، جہاں تم ہو وہیں ہے
 یہ دل ہے ترا دل، مجھے کیا تابِ تصرف
 میری ہی طرح وہ بھی نہ ہو بھر میں بیتاب
 اس طرح نہ ہو گا کوئی عاشق بھی تو پابند

مجھ سے کوئی پوچھے ترے ملنے کی ادائیں
کیا ذوق ہے، کیا شوق ہے، کیا ربط ہے، کیا ضبط
ہر لحظہ نیا جلوہ، نئی آن، نئی شان
میں بے اثر جذبِ محبت سہی، لیکن
میں اور ترے حجرِ جفا کار کے صدقے
معلوم ہیں اس سحر نگاری کے کرشمے!
اس بزمِ حقیقت کی حقیقت میں کہوں کیا؟

کس کس سے ترے عشق میں دامن کو چھواؤں؟
کونین ہے اور ایک مری جانِ حزیں ہے

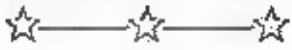


تڑپ کر انہیں تڑپا رہا ہے
عجب عالم سا دل پر چھا رہا ہے
یہ کیا دل پہ عالم چھا رہا ہے
نگاہوں سے نگاہیں لڑ رہی ہیں
پیامِ شوق کا اب پوچھنا کیا!
وہ زلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں
گلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں
وہ کچھ دل کو مرے سمجھا رہے ہیں
وہ خود تسکین خاطر کر رہے ہیں
ازل ہی سے چمن بند محبت (قطعہ) یہی نیرنگیاں دکھلا رہا ہے
کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے
وہیں اک بھول بھی مر جھا رہا ہے



طبیعت ہے کہ ٹھہری جا رہی ہے
مری زودادِ غم وہ سن رہے ہیں
سنجھل بیٹھیں حریفانِ شہادت
غمِ دل کو خدا آباد رکھے!
ملا ہے آج اذنِ باریابی!!
زمانہ ہے کہ گورا جا رہا ہے
تبسم سا لبوں پر آ رہا ہے
زباں پر نامِ قاتل آ رہا ہے
نشاطِ سرمدی برسا رہا ہے
ہر اک پردہ اٹھایا جا رہا ہے

جگر ہی کا نہ ہوا فسانہ کوئی
درد و دیوار کو حال آ رہا ہے



دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے آہ ہوتی ہے، واہ ہوتی ہے
جو بجائے خود آہ ہوتی ہے ہائے وہ کیا نگاہ ہوتی ہے
میرے غم خانہ مصیبت کی خاندانی بھی سیاہ ہوتی ہے
اک نظر دل کی ست دیکھ تو لو کیسی دُنیا تباہ ہوتی ہے
حُسنِ جاناں کی منزلوں کو نہ پُوچھ ہر نفس ایک راہ ہوتی ہے
کیا خبر تھی کہ عشق کے ہاتھوں (تلف) ایسی حالت تباہ ہوتی ہے
سانس لیتا ہوں، دم اُلجھتا ہے بات کرتا ہوں، آہ ہوتی ہے



جو اُلٹ دیتی ہے صفیں کی صفیں اک شکستہ سی آہ ہوتی ہے
یوں نہ پردہ کرو خدا کے لئے دیکھو دُنیا تباہ ہوتی ہے
وقفہ ہوشِ عشق، آہ، نہ پُوچھا! فرصت یک نگاہ ہوتی ہے
آہ پیہم یہ تھا مدارِ حیات وہ بھی اب گاہ گاہ ہوتی ہے
وہ بھی ہے اک مقامِ عشق جہاں ہر تمنا گناہ ہوتی ہے
وہ سرہانے کھڑے ہیں اور یہاں رخصتِ اشک و آہ ہوتی ہے
حاصلِ حسن و عشق اسے سمجھو وہ جو پہلی نگاہ ہوتی ہے
ایک ایسا بھی وقت ہوتا ہے مُسکراہٹ بھی آہ ہوتی ہے
ہم سے پُوچھو، تو عشق کی بھی نگاہ سخت کافر نگاہ ہوتی ہے
حسن کو بھی جو رنگ دیتی ہے ایک سادہ نگاہ ہوتی ہے

درد بے وجہ کو نہ چھیڑ جگر!
یہ خوشی گاہ گاہ ہوتی ہے

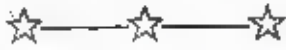


خار کو گل اور گل کو خار جو چاہے کرے
مست، بخود، عاقل و ہشیار، جو چاہے کرے
اس نے یہ کہہ کر دیا دل کو فریبِ جستجو
تھا ابھی جلوہ، ابھی پردہ، ابھی کچھ بھی نہیں
تُو نے جو چاہا کیا، اے یار! جو چاہے کرے
شوخی طرزِ تپا کب یار، جو چاہے کرے
حشر تک اب عاشقِ ناچار جو چاہے کرے
آپ کی یہ حسرتِ دیدار جو چاہے کرے

ہر حقیقت حسن کی ہے، بے نیاز اعتراف
اب کوئی اقرار یا انکار، جو چاہے کرے



عشق کی چوٹ چل ہی جاتی ہے آہ دل سے نکل ہی جاتی ہے
خوب روئے فراق میں اے دل کچھ طبیعت سنبھل ہی جاتی ہے
فطرت عشق لاکھ ہتھر ہو اک نہ اک دن پکھل ہی جاتی ہے
موج خوں ہو کر موج بادۂ ناب جوش کھا کر اچھل ہی جاتی ہے
ہم سے ایسی چلی، کہ بس توبہ!
ورنہ آپس میں چل ہی جاتی ہے



کیا بتائیں عشق ظالم کیا قیامت ڈھائے ہے یہ سمجھ لو، جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہے
جب نہیں تم تو تصور بھی تمہارا کیا ضرور؟ اس سے بھی کہہ دو کہ یہ تکلیف کیوں فرمائے ہے
ہائے، وہ عالم نہ پوچھو اضطراب عشق کا یک بیک جس وقت کچھ کچھ ہوش سا آجائے ہے
کس طرف جاؤں؟ کدھر دیکھوں، کسے آواز دوں؟
اے ہجوم نامرادوں! جی بہت گھبرائے ہے

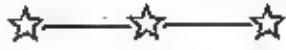


گن کہتے ہیں جلوں کی یہ کثرت نظر آئی اللہ کو اللہ کی صورت نظر آئی
جب دل پہ نظر کی، تری صورت نظر آئی آغوشِ محبت میں محبت نظر آئی
ہو گا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی



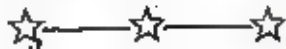
ہر اک سے بیگانہ بن رہے ہیں، کسی کی جانب نظر نہیں ہے
خبر وہ رکھتے ہیں اس طرح سے کہ جیسے کوئی خبر نہیں ہے
فراق بھی ہے، وصال بھی ہے، ہر ایک لحظہ، ہر ایک ساعت
فراق کیا ہے، وصال کیا ہے؟ جو کوئی پوچھے، خبر نہیں ہے
تجھے نہیں مجھ سے رابطہ اصلاً، یہ میں نے مانا، مگر یہ بتلا
مرے تصور میں کیوں ہے ایسا، تری توجہ اگر نہیں ہے

مری یہ ہستی، مری یہ طاقت، کہ تیر دل دوزِ عشق روکوں
 مری طرف سے یہ کون ہے پھر، جو خود وہ سینہ پر نہیں ہے
 شبابِ میکش، جمالِ میکش، خیالِ میکش، نگاہِ میکش!
 خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی؟ انہیں خود اپنی خبر نہیں ہے



نظر سے حسنِ دردِ عالم گرا دیا تُو نے
 کمالِ حسنِ کا عالم دکھا دیا تُو نے
 جوابِ حسنِ طلب اور کیا دیا تُو نے؟
 فنائے عشق کو رنگِ بھا دیا تُو نے
 ہزار جانِ گرایِ فدا بایں نسبت!
 یہ کیا کیا، کہ عطا کر کے عشقِ لامحدود
 جمالِ حسن کی ہلکی سی لہر دوڑا کر!!
 ہزار دل کو مٹا کر، دیا مجھے اک درد
 خوشا وہ دردِ محبت، زہے وہ دل کہ جسے!
 نہ جانے کونسا عالم دکھا دیا تُو نے
 چراغِ سامنے رکھ کر بجھا دیا تُو نے
 تمام شکرِ شکایت بنا دیا تُو نے
 حیات و موت کو یکجا دکھا دیا تُو نے
 کہ میری ذات سے اپنا پتا دیا تُو نے
 مجھے حریفِ مقابل بنا دیا تُو نے
 نفسِ نفس کو مرے جگمگا دیا تُو نے
 اس ایک درد کو پھر دل بنا دیا تُو نے
 ذرا سکون ہوا، گدگدا دیا تُو نے

ہر ایک دل کو عطا کر کے مدعائے حیات
 جگر کو اک دل بے مدعا دیا تُو نے



شوقِ گستاخ کا چہرے پر اثر دیکھ نہ لے
 لبِ تو خلوت میں بھی اٹھتی نہیں چہرے سے نقاب
 ڈر رہا ہوں کہ وہ سفاک ادھر دیکھ نہ لے
 ڈر یہ ہے کوئی پس پردہ در دیکھ نہ لے
 عاشقوں کی نگہِ شوق کہیں ٹھکتی ہے!
 دیکھتے ہی رہیں اس کو وہ اگر دیکھ نہ لے
 اب نظرِ خاک اٹھے، عزمِ نظر کے ہمراہ
 دل دھڑکتا ہے کہ وہ شوخ ادھر دیکھ نہ لے

میں تو اس چھپنے کے ضدے کہ یہ بے ضد ہے نہیں
 حسن کو عشق کی صورت میں جگر دیکھ نہ لے



دل کو اشکوں سے جو خالی کوئی کر دیتا ہے
 ساقیِ غیب پھر اس جام کو بھر دیتا ہے
 مست ہو جاتا ہے، بیخود مجھے کر دیتا ہے
 درد اٹھ کر تری آمد کی خبر دیتا ہے
 تُو نے ٹانگے جو دئے تھے، وہ مگر ٹوٹ گئے
 آج پھر خون ہر اک زخمِ جگر دیتا ہے

دیکھ سکتا نہیں، باقی مری محرومی کو
جام خالی نہیں ہوتا ہے کہ بھر دیتا ہے



وہ کافر آشنا، نا آشنا، یوں بھی ہے، اور یوں بھی
تعلیب کیا؟ اگر رسم و فلوں بھی ہے، اور یوں بھی
کہیں ڈرہ، کہیں صحرا، کہیں قطرہ، کہیں دریا
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں، ایک مقصد میری ہستی کا
ہم ان سے کیا کہیں؟ وہ جانیں ان کی مصلحت جانے
نہ پالینا ترا آساں خ نہ کھو وینا ترا ممکن
لگا دے آگ، اور برقی بجلی! دیکھتی کیا ہے؟
الہی! کس طرح عقل و جنوں کو ایک جا کر لوں؟
مجازی! سے جگر کہہ دو! ارے او عقل کے دشمن

ہماری ابتدا تا انتہا، یوں بھی ہے، اور یوں بھی
کہ حسن و عشق کا ہر مسلموں بھی ہے، اور یوں بھی
محبت اور اس کا سلسلہ یوں بھی ہے، اور یوں بھی
بتاؤں کیا کہ میرا مدعا یوں بھی ہے، اور یوں بھی
ہمارا حال دل تو بر ملا یوں بھی ہے، اور یوں بھی
مصیبت میں یہ جان بتلا یوں بھی ہے، اور یوں بھی
نگاہ شوق ظالم! نارسایوں بھی ہے، اور یوں بھی
کہ منشاے نگاہ عشوہ زائوں بھی ہے، اور یوں بھی
مقرر ہو یا کوئی منکر، خدا یوں بھی ہے، اور یوں بھی



ترے جمال حقیقت کی تاب ہی نہ ہوئی
تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی
کہاں وہ شوخ، ملاقات خود سے بھی ہوئی
وہ ہم ہیں اہل محبت کہ جان سے، دل سے
ٹھہر ٹھہر، دل بیتاب، پیار تو کر لوں
میرے خیال سے بھی آہ! مجھ کو بعد رہا
ہم اپنی رندی و طاعت پہ خاک ناز کریں!
کوئی بڑھے نہ بڑھے ہم تو جان دیتے ہیں
تمام حرف و حکایت، تمام دیدہ و دل
فسرہ خاطرئی عشق، اے محاذ اللہ!
تری نگاہ کرم کو بھی آزما دیکھا
کسی کی مست نگاہی نے ہاتھ تھام لیا

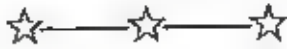
ہزار بار نگہ کی، مگر کبھی نہ ہوئی
وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی
بس ایک بار ہوئی اور پھر کبھی نہ ہوئی
بہت بخار اٹھے، آنکھ شبنمی نہ ہوئی
اب اس کے بعد ملاقات پھر ہوئی نہ ہوئی
ہزار طرح سے چاہا، برابری نہ ہوئی
قبول حضرت سلطان ہوئی ہوئی نہ ہوئی
پھر ایسی چشم توجہ ہوئی ہوئی نہ ہوئی
اس اہتمام پہ بھی شرح عاشقی نہ ہوئی
خیال یار سے بھی کچھ گفتگئی نہ ہوئی
اوتوں میں نہ ہوئی تھی کچھ کمی، نہ ہوئی
شریک حال جہاں میری بیخودی نہ ہوئی

۱۔ مجازی ایک لکھنوی منکر خدا کا تخلص ہے جو اتفاق سے میرے دوست بھی ہیں (جگر)

صبا! یہ اُن سے ہمارا پیام کہہ دینا
 وہ کچھ کہتی نہ کہی، پھر بھی زاہد ناداں
 ادھر سے بھی ہے سوا کچھ ادھر کی بخجوری
 خیالِ یار، سلامت تجھے خدا رکھے!
 گئے ہو جب سے یہاں صبح و شام ہی نہ ہوئی
 بڑے بڑوں سے محبت میں کافر ہی نہ ہوئی
 کہ ہم نے آہ تو کی، اُن سے آہ بھی نہ ہوئی
 ترے بغیر کبھی گھر میں روشنی نہ ہوئی
 گئے تھے ہم بھی جگر جلوہ گاہِ جاناں میں
 وہ پوچھتے ہی رہے، ہم سے بات بھی نہ ہوئی



زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے
 ہائے بیچارگی عشق کی اس محفل میں
 یہ سمجھ لو کہ غم عشق کی تکمیل ہوئی
 کس قدر حُسن بھی بخجور کشاکش سے کہ آہ
 اور چاہیں کہ چھپالیں تو چھپائے نہ بنے
 سر جھکائے نہ بنے، آنکھ اٹھائے نہ بنے
 ہوش میں آ کے بھی جب ہوش میں آئے نہ بنے
 منہ چھپائے نہ بنے، سامنے آئے نہ بنے
 ہائے وہ عالم پر شوق کہ جس وقت جگر
 اُس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے



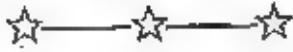
یادِ جاناں بھی عجب رُوح فزا آتی ہے
 میری جانب نگہِ ہوش رُبا آتی ہے
 جا بھی، اے ناصحِ ناداں! نہ کرا اس کو بدنام
 مرگِ ناکامِ محبت! میری تقصیر معاف
 نہیں معلوم، وہ خود ہیں کہ محبت اُن کی
 میں تو اس سادگی حُسن پہ اس کے صدقے
 سانس لیتا ہوں تو بخت کی ہوا آتی ہے
 پھر وہی ظالم مظلوم نما آتی ہے
 ان جفاؤں سے تو خوشبوئے وفا آتی ہے
 زیست بن بن کے میرے حق میں قضا آتی ہے
 پاس ہی سے کوئی بیتاب صدا آتی ہے
 نہ جفا آتی ہے جس کو نہ وفا آتی ہے
 ہائے کیا چیز ہے یہ تکلمہ حُسن و شباب!

اپنی صورت سے بھی اب اُن کو حیا آتی ہے



کون یہ جانِ تمنا عشق کی منزل میں ہے
 وہ کچھ اس صورت سے آئے جلوہ دکھاتے ہوئے
 شاید اُٹھنے ہی کو ہے پردہ رُخ مقصود سے
 اے میں قُرباں! واہ کیا کہنا ترا اعجازِ عشق!
 جو تمنا دل سے نکلی، پھر جو دیکھا، دل میں ہے
 میں یہ سمجھا وسعتِ کونین میرے دل میں ہے
 آج حاصل کی ہی عزت سخی لا حاصل میں ہے
 اک سکونِ مستقل بھی اضطرابِ دل میں ہے

اس شہید ناز کے کیا خونہا کا پوچھنا
 اٹھ گیا، آخر محبت کا بھی پردہ اٹھ گیا
 کیا کہیں خونِ دو عالم سے بھی اب بھتی ہے پیاس
 میں ہو جب سے غریقِ موجِ طوفانِ خیزِ عشق
 دیکھے کرتی ہے کیا کیا ان کی نظروں میں حقیر
 جس کی زودا مکمل دامنِ قاتل میں ہے
 لبِ میرے دل میں حسرت ہے، نہ اُن کے دل میں ہے
 خونِ بگل کی حرارتِ خیرِ قاتل میں ہے
 ڈوب مرنے کی تمنا سینہِ ساحل میں ہے
 یہ جو ظالم، اک لہو کی بوند اب تک دل میں ہے
 بیخودی، منزل سے بھی کوسوں نکل آئی جگر
 جستجو آوارہ اب تک جاوہِ منزل میں ہے



آئے زباں پہ رازِ محبت، محال ہے
 نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے
 دل تھا ترے خیال سے پہلے چمن چمن
 کم بخت اس جنونِ محبت کو کیا کروں؟
 تم سے مجھے عزیز تمہارا خیال ہے
 دن کٹ گیا تو رات کا کٹنا محال ہے
 اب بھی روشِ روش ہے، مگر پامال ہے
 میزا خیال ہے نہ تمہارا خیال ہے
 آنکھیں تو کھول، سر تو اٹھا، دیکھ تو ذرا
 کب سے، جگر، وہ چاند سا چہرہ ٹڈھال ہے



محبت آپ اپنی تر جہاں ہے
 نگاہوں میں بہارِ جاوداں ہے
 محبت دونوں جانب مہرباں ہے
 وہ کب سے مضطرب ہیں، اے غمِ عشق!
 ہماری رفعتوں کا پوچھنا کیا!
 کوئی آواز ہی دے گم شدہ دل!
 اگر تو ہے، تو اے جانِ دو عالم!
 مزے سوزِ دروں کے مل رہے ہیں
 تماشا دیدنی ہے، دیکھ جاؤ
 مبارک باد، اے جذبِ محبت
 کسی کو اک نظر ہی دیکھ تو لیں
 ترے نقشِ قدم کا ذرہ ذرہ!
 یہی خود چشم و دل، لفظ و بیاں ہے
 جہاں میں ہوں، وہیں اب آشیاں ہے
 کہ ہم اس سے، وہ ہم سے بدگماں ہے
 خدا جانے، تیری غیرت کہاں ہے
 جہاں ہم پاؤں رکھ دیں، آسماں ہے
 کہاں ہے، اور مرے یوسف کہاں ہے؟
 یہاں ہر شے جواں ہے، جاوداں ہے
 بچہ اللہ کہ دل آتشِ بجاں ہے
 زبانِ شوق و گلہبانگِ فغاں ہے
 انہیں اپنے پر اب میرا گماں ہے
 اب اتنی بھی ہمیں جرأت کہاں ہے؟
 عبادت گاہِ جانِ عاشقاں ہے

الہی خیر کرنا! دیر سے پھر بہت مضطر نگاہ رازداں ہے
 مہنکا جاتا ہے دل جس سوزِ غم سے جہنم میں یہ چنگاری کہاں ہے؟
 جو پڑھ سکتا ہے، تو پڑھ، اے غمِ دل!
 کہ ان نظروں میں آج اک داستاں ہے



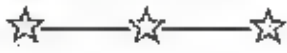
کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے
 ایمان و کفر اور نہ دُنیا و دین رہے
 عالم جب ایک حال پہ قائم نہیں رہے
 میری زباں پہ شکوہ درد آفریں رہے
 جب تک الہی! جسم میں جانِ حزیں رہے
 یا رب! کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو
 تاچند جوشِ عشق میں دل کی حفاظتیں؟
 جا اور کوئی ضبط کی دُنیا تلاش کر
 مجھ کو نہیں قبول دو عالم کی وسعتیں!
 اے عشقِ نالہ کش! تیری غیرت کو کیا ہوا؟
 دردِ غمِ فراق کے یہ سخت مرغلے
 اللہ ری چشمِ یار کی معجز بیاباں!
 ظالم اٹھا تو پردہ وہم و گمان و فکر
 ذات و صفاتِ حسن کا عالم نظر میں ہے
 کس درد سے کسی نے کہا آج بزم میں؟
 سرزادگانِ عشق و محبت کی کیا کمی؟
 اس عشق کی تلافیِ مافات دیکھنا!
 رونے کی حسرتیں ہیں، جب آنسو نہیں رہے



دیکھ لے تو بھی کہ اب خیر نہیں جانوں کی
 چاہتے ہیں، نہ رہے حدِ تعین کوئی
 بزمِ ساقی میں ذرا دیکھ تو چل کر زاہد
 آج ہوئی ہے ترے سوختہ سامانوں کی
 ہائے معصومِ ضدیں عشق کے دیوانوں کی
 کیا بہاریں ہیں چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

تیری نظروں کے تصدق تری آنکھوں کے ثنار
ابھی تکمیل کو پہنچی نہیں تعمیر جنوں
انہیں پیمانوں سے، ساقی، انہیں میخانوں کی
ابھی چلتی رہے دیوانوں سے دیوانوں کی
میرے نزدیک یہی موت ہے ارمانوں کی

ہر طرف چھا گئے ارمانِ محبت بن کر
مجھ سے اچھی رہی قسمت مرے افسانوں کی



عشق کا ہاتھ سے پیمان نہ جانے پائے
یہ نہیں، دل کسی عنوان نہ جانے پائے
بات تو جب ہے کہ تو لاکھ ادھر رخ نہ کرے
صاف رکھ جان و دل و جسم کو آئینہ صفت
دل کو اب بھی ہے یہ ضدِ حسن کے ہر جلوے سے
ہوش میں آ دل دیوانہ کہ تیری ہی طرح
داستانِ غمِ ہستی کو مکمل کر لے
تیری محفل میں ہے اک ننگِ محبت تیرا
اشک ہیں حاصلِ غم، غم ہے ودیعت اس کی
حسن سرگرم نوازش ہے، مگر اے غمِ دل

جان جائے مگر ایمان نہ جانے پائے
مگر اتنا ہے کہ آسان نہ جانے پائے
دل سے بچ کر کوئی پیکان نہ جانے پائے
کہ وہ آئے تو پشیمان نہ جانے پائے
گھر میں جو آئے، وہ مہمان نہ جانے پائے
کوئی حیران و پریشان نہ جانے پائے
ایک بھی عشق کا عنوان نہ جانے پائے
دیکھنا، ہو کے پشیمان نہ جانے پائے
باہر آنکھوں سے یہ طوفان نہ جانے پائے
رایگاں عشق کا احسان نہ جانے پائے

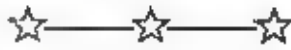
جان جائے کہ رہے، دیکھ مری جانِ جگر
عشق کی شان، تری آن نہ جانے پائے



اک لفظِ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے
یہ کس کا تصور ہے، یہ کس کا فسانہ ہے؟
دل سنگِ ملامت کا ہر چند نشانہ ہے
ہم عشق کے ناروں کا اتنا ہی فسانا ہے
وہ اور وفا دشمن، مانیں گے نہ مانا
شاعر ہوں میں شاعر ہوں، میرا ہی زمانا ہے
جو ان پہ گزرتی ہے، کس نے اسے جانا ہے؟
آغازِ محبت ہے، آنا ہے نہ جانا ہے

سمٹے تو دلِ عاشق، پھلے تو زمانہ ہے
جو اشک ہے آنکھوں میں، تسبیح کا دانہ ہے
دل پھر بھی مراد ل ہے، دل ہی تو زمانا ہے
رونے کو نہیں کوئی، مٹنے کو زمانا ہے
سب دل کی شرارت ہے، آنکھوں کا بہانا ہے
فطرت مرا آئینہ، قدرت مرا شانا ہے
اپنی ہی مصیبت ہے، اپنا ہی فسانا ہے
اشکوں کی حکومت ہے، آہوں کا زمانا ہے

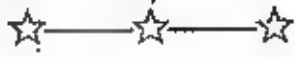
آنکھوں میں نمی کی ہے چپ چپ سے وہ بیٹھے ہیں
 ہم ورد بدل نالاں، وہ دست بدل حیراں
 یا وہ تھے تھا ہم سے، یا ہم ہیں تھا اُن سے
 اے عشق جنوں پیشہ! ہاں عشق جنوں پیشہ!
 تھوڑی سی اجازت بھی، اے بزم گہ ہستی!
 یہ عشق نہیں آساں، اتنا ہی سمجھ لیجئے
 خود احسن و شباب اُن کا کیا کم ہے رقیب اپنا
 ہم عشق مجسم ہیں، لب تشنہ و مستقی
 تصویر کے دورخ ہیں جاں اور غم جاناں
 یہ حسن و جمال اُن کا، یہ عشق و شباب اپنا
 مجھ کو اسی دُھن میں ہے ہر لحظہ بسر کرنا
 خود داری و محرومی، محرومی و خود داری
 اشکوں کے تبسم میں، آہوں کے ترنم میں
 آنسو تو بہت سے ہیں آنکھوں میں جگر لیکن
 بندھ جائے سوموٹی ہے، رہ جائے سودانا ہے



عشق ہے نصف الحقیقت، کیوں پریشاں کیجئے
 کب تک آخر مشکلات شوق آساں کیجئے
 چاہتا ہے عشق، راز حسن عریاں کیجئے
 آپ کے دشمن رہیں وقفِ خلش، صرف تپش
 حسن کی رسوائیاں بھی حسن سے کچھ کم نہیں
 پھر جنوں سامانوں میں کچھ کمی سی آچلی
 آپ کو شرمائیے کیا، آپ کا دامن ہے پاک
 دل پہ جو گزرے سو گزرے عشق کی ضد ہے یہی
 سر سے پا تک اک نگاہ بے محابا ڈال کر
 اللہ اللہ! سنتے ہیں تم ہو رگ جاں سے قریب
 یعنی ہم پر رحم کر کے، خود پہ احساں کیجئے
 اب محبت کو محبت ہی پہ قرباں کیجئے
 یعنی خود کھو جائیے، اُن کو نمایاں کیجئے
 آپ کیوں غمخواری پیارِ ہجران کیجئے
 ہو سکے تو مثلِ یوئے گل پریشاں کیجئے
 آج پھر برہم مزاجِ حسنِ جاناں کیجئے
 ہم گنہگارِ محبت ہیں، پشیمان کیجئے
 آج اتنا چھیڑیے اُن کو کہ گریاں کیجئے
 عمر بھر کے واسطے ممنون احساں کیجئے
 اب تو ہر نشتر کو بیوستِ رگ جاں کیجئے

! اگرچہ اس شعر کا انداز لکھنوی ہے لیکن مفہوم شعری واقفیت کے ساتھ ساتھ نہایت درجہ نازک (جگر)

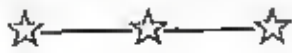
شانِ رحمت کو نہیں درکار کوئی پیش کش
احتیاطاً اکتسابِ کفر و ایماں کیجئے



حاضرِ عشقِ الم کوش ہوئی جاتی ہے
حیرتِ جلوہ، ہم آغوش ہوئی جاتی ہے
شوقِ چالاک کہاں، جرأتِ بیباک کہاں؟
وہ جُلس جس سے تھا ہنگامہ ہستی برپا
وہی مستی کہ ساتی ہی نہ تھی عالم میں
وہی اک شورشِ دل تنگ تھی جس پر کونین
ایک منظر ہے کہ آنکھوں میں کھنچا آتا ہے
ایک جانب نگہِ خاص سے ہے اذنِ جنوں
نگہِ شوق کہاں ہے، یہ تماشا کیا ہے؟
ہائے وہ سرخوشیِ عشق کہ تھی جزو حیات
یاد ہی موت کی تھی خادمہٴ زیست کبھی
اُف، وہ پروانے کے سمٹتے ہی چلے آتے ہیں
عشق کی قسمتِ محروم! الہی توبہ!!
بال کھولے ہونے یہ کون چلا آتا ہے
مجھ گنہگار کو شکوہ ہے تری رحمت کا

زندگی خوابِ فراموش ہوئی جاتی ہے
آنکھ نظارہ فراموش ہوئی جاتی ہے
یاس آغوش در آغوش ہوئی جاتی ہے
وقفِ پیتابیٰ خاموش ہوئی جاتی ہے
غرقِ یک ساغرِ سر جوش ہوئی جاتی ہے
وہی اب معکف ہوش ہوئی جاتی ہے
ایک دُنیا ہے کہ رُدپوش ہوئی جاتی ہے
اک طرفِ مرحمتِ ہوش ہوئی جاتی ہے
جیسے ہر شے لبِ خاموش ہوئی جاتی ہے
کس قدر زود فراموش ہوئی جاتی ہے
یاد ہی ہے کہ ہم آغوش ہوئی جاتی ہے
ہائے وہ شمع کہ خاموش ہوئی جاتی ہے
یادِ جانان بھی فراموش ہوئی جاتی ہے
بزمِ دل محشرِ خاموش ہوئی جاتی ہے
کیوں خطا بخش و خطا پوش ہوئی جاتی ہے؟

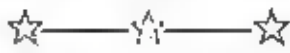
یادِ ایام، کہ جب پوچھئے، کہتے تھے جگر
دعوتِ چشمِ لب و گوش ہوئی جاتی ہے



دل میں تم ہو، نزع کا ہنگام ہے
عشق ہی خود عشق کا انعام ہے
حسن ہے، نغمہ ہے، مے ہے، جام ہے
کیا اسی کو کہتے ہیں آئینِ حسن؟
پینے والے ایک یا دو ہوں تو ہوں

کچھ سحر کا وقت ہے، کچھ شام ہے
واہ کیا آغاز، کیا انجام ہے!
اب کہاں نہ اچھے گردشِ ایام ہے؟
جو تمہارا ہو گیا، ناکام ہے
مفت سارا میکدہ بدنام ہے

ورد و غم دل کی طبیعت بن چکے
 عشق کے ہاتھوں تری سرکار سے
 لی رہا ہوں آنکھوں آنکھوں میں شراب
 دیکھ لینا عشق کی بھی خوشیاں
 وہ سراپا ناز، اُن سے کیا گلہ؟
 ہوشیار، اور شکوہ سچ زندگی!
 کس سے ہیں عشق کی رسوائیاں
 کیجئے کیا اور شرح زندگی
 ایک بوسہ اس لب جاں بخش کا
 ہوشیار، او کامیاب زندگی!
 اب یہاں آرام ہی آرام ہے
 مل گیا جو کچھ، وہی انعام ہے
 اب نہ شیشہ ہے، نہ کوئی جام ہے
 حُسن کی برہم مزاجی عام ہے
 تجھ سے شکوہ گردش ایام ہے
 زندگی انعام ہی انعام ہے
 باہ جب تک ہے، فروغ جام ہے
 کچھ سحر، کچھ دوپہر، کچھ شام ہے
 عمر بھر کے واسطے انعام ہے
 زندگی، ناکامیوں کا نام ہے
 کیا جگر سے آپ بھی واقف نہیں!؟
 ایک ہی تو رہے آشام ہے



آئینے میں عشق کی تاثیر پہاں دیکھئے
 میری صورت اپنی صورت سے نمایاں دیکھئے
 بے تکلف ہر طرف تصویر جاناں دیکھئے
 میری آنکھوں سے جمال شام بھراں دیکھئے
 دل کی ہستی بیش از یک شیشہ ساعت نہیں
 اس میں جو کچھ دیکھئے، تقویم دوراں دیکھئے

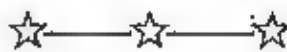


پھر وہ ہم سے خفا ہے، کیا کہئے؟
 دل بھلا یا بُرا ہے، کیا کہئے؟
 چاندنی ہے، ہوا ہے، کیا کہئے؟
 بندگی جس کی ہے فقط رونا
 انتہا کے ہیں عشق میں صدمے
 شوق بے انتہا کے پردے میں
 کس جتنا ہے جنگ جو ظالم
 دل میں پہاں ہے اک لطیف خلش
 پھر سر حشر ہیں، وہی جلوے
 زندگی بے حیا ہے، کیا کہئے؟
 آپ کا نقش پا ہے، کیا کہئے؟
 مفلسی کیا بلا ہے، کیا کہئے؟
 وہ ہمارا خدا ہے، کیا کہئے؟
 اور ابھی ابتدا ہے، کیا کہئے؟
 کون ہنگامہ زما ہے، کیا کہئے؟
 عشق اس سے سوا ہے، کیا کہئے؟
 صورت التجا ہے، کیا کہئے؟
 پھر وہی سامنا ہے، کیا کہئے؟

ابھی پابند ہے، ابھی آزاد
 پردہ رکھ لیتے ہم زمانے سے
 پوچھتے ہیں مزاجِ دل ہم سے
 شورشِ بخودئی شوق نہ بچھ
 عشق تو عشق، حسن سے بیزار
 شوق سر تا قدم نگاہ و زباں
 عشق کا دل بھی کیا ہے، کیا کہیے؟
 آنکھ نیچاٹتا ہے، کیا کہیے؟
 ایک ہی خود نما ہے، کیا کہیے؟
 کس طرف کی ہوا ہے، کیا کہیے؟
 دل کو کیا ہو گیا ہے، کیا کہیے؟
 وہ مجسم حیا ہے، کیا کہیے؟
 آج حالِ دل تباہ، جگر
 ہم نے کیوں کر سنا ہے، کیا کہیے؟

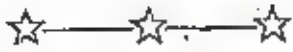


کچھ جو پشیمان جفا ہو گئے اور وہ گھبرا کے خفا ہو گئے
 نالہ دل خاک رسا ہو گئے (قطعہ) آئے وہ آتے ہی جدا ہو گئے
 کچھ نہ سنا اور یوں ہی چل دیے
 اور ابھی اس عشق میں کچھ سائنحات
 ان کا ادھر گوشہ دامن بڑھا
 وہ بھی جو تھے منکر آئینِ عشق
 ہم سے نظر پھیر لی اس شوخ نے
 ہم کو گرفتار بلا دیکھ کر
 کچھ مرے چہرے سے گھلے رازِ عشق
 ڈھونڈھ کے اب لائے کیونکر انہیں
 ہائے وہ نالے، کہ رسا ہو گئے
 چپ ہیں وہ یوں سن کے مری عرضِ شوق
 جیسے کہ سچ سچ ہی خفا ہو گئے

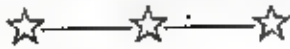


سب پہ تو مہربان ہے پیارے
 آکہ تجھ بن بہت دنوں سے یہ دل
 تو جہاں ناز سے قدم رکھ دے
 مختصر ہے یہ شوق کی روداد
 اپنے نبی میں ذرا تو کر انصاف
 کچھ ہمارا بھی وہیان ہے پیارے
 ایک سونا مکان ہے پیارے
 وہ زمیں آسمان ہے پیارے
 ہر نفس داستان ہے پیارے
 کب سے تا مہربان ہے پیارے؟

صبر ٹوٹے ہوئے دلوں کا نہ لے تو یونہی دھان پان ہے پیارے
ہم سے جو ہو سکا، ہو کر گزرے اب ترا امتحان ہے پیارے
مجھ میں تجھ میں تو کوئی فرق نہیں عشق کیوں درمیان ہے پیارے
کیا کہے حالِ دلِ غریب جگر
ٹوٹی پھوٹی زبان ہے پیارے



جب سے تو مہربان ہے پیارے اور دل بدگمان ہے پیارے
ان کی باتوں میں تو نہ آ جانا عشقِ جادو بیان ہے پیارے
تو کہاں؟ یہ غریب خانہ کہاں؟ وہم ہے یا گمان ہے پیارے
صدقے تیری نوازشوں کے، مگر سخت تر امتحان ہے پیارے
ان دنوں دل کے رنگ ڈھنگ نہ بچھ ان دنوں دل کے رنگ ڈھنگ نہ بچھ
سچ بتا، اس میں کوئی بات بھی ہے یا یوں ہی مہربان ہے پیارے
وہ بھی ہلکی سی اک نگاہِ کرم دل بہت ناتوان ہے پیارے
تیرا دیوانہ غریب جگر
فخرِ ہندوستان ہے پیارے



عشق کی داستان ہے پیارے اپنی اپنی زبان ہے پیارے
کل تک اے درد! یہ تپاک نہ تھا آج کیوں مہربان ہے پیارے؟
سایہ عشق سے خدا ہی بجائے ایک ہی قہرمان ہے پیارے
اس کو کیا کیجئے جو لب نہ گھٹلیں یوں تو منہ میں زبان ہے پیارے
یہ تغافل بھی ہے نگہ آمیز اس میں بھی ایک شان ہے پیارے
جس نے، اے دل! دیا ہے اپنا غم اُس نے تو بدگمان ہے پیارے
دل کا عالم نگاہ کیا جانے؟ یہ تو صرف اک زبان ہے پیارے
میرے اشکوں میں اہتمام نہ دیکھ عاشقی کی زبان ہے پیارے
ہم زمانے سے انتقام تو لیں اک حسین درمیان ہے پیارے

عشق کی ایک ایک نادانی! علم و حکمت کی جان ہے پیارے
 ٹو نہیں، میں ہوں، میں نہیں، تو ہے اب کچھ ایسا گمان ہے پیارے
 رکھ قدم پھونک پھونک کر ناداں! ذرے ذرے میں جان ہے پیارے
 کس کو دیکھے سے دل کو چوٹ لگی؟ کیوں یہ اتری کمان ہے پیارے؟
 تری برہم خرامیوں کی قسم! دل بہت سخت جان ہے پیارے
 ہاں ترے عہد میں جگر کے سوا
 ہر کوئی شادمان ہے پیارے

☆—☆—☆

درد بڑھ کر فغاں نہ ہو جائے یہ زمیں آسماں نہ ہو جائے
 پھر کوئی مہرباں نہ ہو جائے سعی غم رائیگاں نہ ہو جائے
 دور ہے عرصہ عدم آباد کم کوئی ناتواں نہ ہو جائے
 ڈر ہے مجھ کو کہ میری عرض سکوت آپ ہی کی زباں نہ ہو جائے
 درد دل کیا ہی مہماں ہے، اگر اشک بن کر رواں نہ ہو جائے
 موت سے ڈر نہیں، مگر ہے یہ وہم عشق بے خانماں نہ ہو جائے
 دل میں ڈوبا ہوا ہے جو نشتر میرے دل کی زباں نہ ہو جائے
 قسمتوں سے ملا ہے درد حبیب کہیں آرام جاں نہ ہو جائے
 عشق اپنی خوشی سے کون کرے عشق اگر ناگہاں نہ ہو جائے
 آہ کیجئے، مگر لطیف ترین لب تک آ کر دھواں نہ ہو جائے
 عشق کر ہی چکا تھا اپنا کام دل اگر درمیاں نہ ہو جائے
 عشق میں جتنے بد گماں ہیں ہم
 یوں کوئی بد گماں نہ ہو جائے

☆—☆—☆

ادا جو آئے، وہ بے عیب، بے قصور آئے خدا وہ دن نہ کرے، آپ کو غرور آئے!
 نکل کے عشق جو حد ادب سے دور آئے ادھر سے کعبہ چلے، اس طرف سے طور آئے
 ذرا تو آنکھ کھلے، عقل میں شعور آئے ہم اپنے آپ میں آئیں، تو وہ ضرور آئے
 جسے ذرا بھی غم عشق پر غرور آئے ترے حضور نہ جائے، مرے حضور آئے
 چلوں میں راہ محبت میں بے نیازانہ مری بلا سے، اگر وہ بھی ناصور آئے

خود اپنی منزلِ دل محو ہوتی جاتی ہے
 پیس وہ شوق سے تھا، مگر یہ کیا ممکن
 ہزار سجدے کرے، رات رات بھر زاہد
 زمانے تک تری گلیوں کی خاک چھانی ہے
 کسی کی مست خرامی کا واہ کیا کہنا!
 الہی! جذبِ محبت کی بخش دے تقصیر
 مری طرف سے بھی اے کاروانِ شوقِ سلام!
 نہیں ہے عشق سے چشمک، مگر یہ کون کہے؟
 عجیب چیز ہے میخانہٴ تصور بھی
 نظر ہی اپنی، نہ اب دل ہی رہ گیا اپنا
 اجل جو آتی ہے، آئے، مگر اسی صورت
 مجاز ہو کہ حقیقت، یہاں تو حال یہ ہے
 وہیں سے ہم کو ملا ہے سکونِ دل کیا!

ہزار بار لکھے تو بہار، نامہٴ شوق!
 ترے بلائے جگر آئے، وہ ضرور آئے

☆—☆—☆

پینہ موت کا بن کر نہ کیوں لہو آئے
 کرے نہ کام جو بلبلی کا نالہٴ خونیں
 ارے غضب کہ یو نہیں پا برہنہ تو آئے!
 نہ غنچے نیند سے چونکیں، نہ رنگ دبو آئے
 دیا ہے عشق نے وہ مرتبہ، محمد اللہ!
 کہ آنکھ تک نہ اٹھاؤں اگرچہ تو آئے

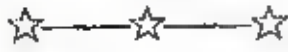
☆—☆—☆

کیا گھڑی ہے، کیا سہل ہے کس غضب کا جوش ہے
 وجد میں ہے مطربِ عم، گلِ فضا خاموش ہے
 عشق کی بیتابیاں ہیں، حسن کا آغوش ہے
 تیرے پھرتے ہیں نغمے، بزمِ جاں مدہوش ہے
 کیسے کیسے مستِ جہبائے محبت کٹ مرے!
 اویسی آنکھ والے، کچھ تجھے بھی ہوش ہے؟

ایک دل ہے سینہٴ عاشق میں، لیکن الاماں!
 ایک قطرہ ہے، مگر ایسا کہ دریا نوش ہے

☆—☆—☆

ویدہ یار بھی پُرم ہے، خدا خیر کرے! آج کچھ اور ہی عالم ہے، خدا خیر کرے!
 اُس طرف غیرتِ خورشیدِ جمال اور ادھر زعم خود داریِ شبنم ہے، خدا خیر کرے!
 دل ہے پہلو میں کہ چلا ہی چلا جاتا ہے۔ اور خود سے بھی وہ برہم ہے، خدا خیر کرے!
 رازِ بیتابیِ دل کچھ نہیں کھلتا، لیکن کل سے درد آج بہت کم ہے، خدا خیر کرے!
 حُسن ہر گام پہ ہے سایہِ قلن، دامِ قلن
 عشقِ آزادِ دو عالم ہے، خدا خیر کرے



عاشقی امتیاز کیا جانے؟ فرقِ ناز و نیاز کیا جانے؟
 نگہِ شوق کی ہے سب تحریکِ حُسنِ تمہیدِ ناز کیا جانے؟
 ہم سمجھتے ہیں رازِ رامش و رنگِ زلہدِ پاک باز کیا جانے؟
 ناخنِ عشقِ کتنے ٹوٹ گئے گِرہِ نیم باز کیا جانے؟
 سچ ہے، سب نیک و بد ہمیں سے ہے گردشِ چشمِ ناز کیا جانے؟
 مسلکِ آشتیِ ویدہ و دلِ شوقِ ہنگامہ ساز کیا جانے؟
 شیخِ پندارِ عشقِ سمجھا ہے نازِ اہلِ نیاز کیا جانے؟
 غیرتِ بندگی و ناچاریِ کوئی بندہ نواز کیا جانے؟
 آئینہ کی نزاکتیں، ہے ہے! دستِ آئینہ ساز کیا جانے؟
 آنکھ جو دیکھتی ہے، دیکھتی ہے دل کے راز و نیاز کیا جانے؟
 سینہ نے یہ جو گزرتی ہے وہ لبِ نئے نواز کیا جانے؟
 کثرتِ جلوہ و ہجومِ نظرِ عشقِ وحدتِ طراز کیا جانے؟
 حُسن کی دن گدازیاں، توبہ! عشقِ یہ سوز و ساز کیا جانے؟
 وہ حقیقت کہ جو گزرتی ہے لبِ افسانہ ساز کیا جانے؟
 ہائے گلِ کاریاں محبت کی دامنِ پاک باز کیا جانے؟

وہ روِ راہِ بے خودی ہے جگر
 وہ نشیب و فراز کیا جانے؟



دل گیا، رونقِ حیات گئی غم گیا، ساری کائنات گئی
 دل دھڑکتے ہی پھر گئی وہ نظر لب تک آئی نہ تھی کہ بات گئی

دن کا کیا ذکر تیرہ بختوں میں
تیری باتوں سے آج تو واعظ!
اُن کے بہلائے بھی نہ بہلا دل
مرگِ عاشق تو کچھ نہیں، لیکن
اب جنوں آپ ہے گریباں گیر
ہم نے بھی وضعِ غم بدل ڈالی
ترکِ کلفت بہت بجا، ناصح!
ہائے سرشاریاں جوانی کی!
جلوۂ ذات، اے معاذ اللہ!
نہیں ملتا مزاجِ دل ہم سے
قید ہستی سے کب نجات جگر؟
موت آئی، اگر حیات گئی



عشق میں تنہا نہیں شوریدہ سر میرے لئے
ہاں مبارک اب یہ معراجِ نظر میرے لئے
کھیل ہے بازیچہٴ شام و سحر میرے لئے
وقف ہے صیاد کی اک اک نظر میرے لئے
گرم ہے ہنگامہٴ شام و سحر میرے لئے
میں ہوں وحشی آہ، کس صحرائے آفت خیز کا؟
اس مقامِ عشق میں ہوں، مرجبا، اے بیخودی!
جذب ہو کر رہ گیا ہوں میں جمالِ دوست میں
میں نہیں کہتا کہ میں ہوں، تو ہو، تیری خلوتیں
اللہ اللہ! میں بھی کیا نازک دماغِ عشق ہوں
پھر بھی آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اک سراپا ناز کو
رہ رو راہِ طلب کو خضر کی حاجت نہیں
اپنے دل میں جو ترے میں بھی سما سکتا نہیں

حُسن بھی بیتاب ہے، اور کس قدر میرے لئے
جس قدر وہ دُور تر، نزدیک تر میرے لئے
دو گل بازی ہیں یہ شمس و قمر میرے لئے
ہاں مبارک! یہ شکستِ بال و پر میرے لئے
رات دن گردش میں ہیں شمس و قمر میرے لئے
ہے گل ویرانہ بھی بیگانہ تر میرے لئے
ذرہ ذرہ ہے جہاں گرم سفر میرے لئے
عشق ہے تابندہ تر، پابندہ تر میرے لئے
ہاں مگر سب سے جدا خاص اک نظر میرے لئے
تکھتِ گل بھی ہے وجہِ دردِ سر میرے لئے
میں نے مانا کچھ نہیں حدِ نظر میرے لئے
ذرہ ذرہ ہے چراغِ رہ گزر میرے لئے
میرا ہر ہر سانس ہے زنجیرِ دردِ میرے لئے

مجھ کو بخت ہی جو دینا ہے، تو یارب بخش دے بس یہی داماں تر، چشمانِ لبت تر میرے لئے
 ترک سے اور بھی میں تو شرابی بن گیا روز آجاتا ہے مینائے سحر میرے لئے
 جس نے زلمہ سے بھی کافر کے اڑا ڈالے میں ہوش اس سے بھی کچھ اور، ساقی! تیز تر میرے لئے
 وہ مرا ساغر بکف ہونا پشیمانی کے ساتھ ابرِ رحمت کا وہ اٹھنا جھوم کر میرے لئے
 کل شب ماہتاب میں اک بلبلی آفت نوا (قطعہ) مر کر غم بن رہا تھارات بھر میرے لئے
 ناگہاں لب ہائے برگ گل سے یہ آئی ندا نالے کرتا ہے عبث، اے بے خبر! میرے لئے
 میں بھی ہوں اپنی جگہ خونین جگر، خونین کفن ٹوڑنا اپنی جان کھو، اے مشیت پر میرے لئے
 بس یہ سنتا تھا کہ پائے گل پہ گر کر مرنا بن گیا اک نقشِ عبرت عمر بھر میرے لئے
 زندگی اک نہمت بیجا ہے میری ذات پر موت اک لازم ناجائز جگر، میزے لئے
 میں تو ہر حالت میں خوش ہوں، لیکن اس کا کیا علاج
 ڈبڈبا آتی ہیں وہ آنکھیں، جگر میرے لئے



نگاہِ شوقِ جگر وقف چار سو کیا ہے؟ جو دلِ حسین ہو تو دنیا کے رنگ و بو کیا ہے؟
 خبر نہیں مجھے میں کیا ہوں، آرزو کیا ہے؟ کسی نے جب سے یہ سمجھا دیا کہ تو کیا ہے
 جو دل میں ڈوب نہ جائے وہ گفتگو کیا ہے؟ جو چھان نہ جائے، وہ پیغام آرزو کیا ہے؟
 یہ چپکے چپکے دل و جاں سے گفتگو کیا ہے؟ یہ چھیڑ چھاڑ، یہ اندازِ آرزو کیا ہے؟
 یہی خبر نہیں اے وائے عشق و محرومی!
 کہ آرزو کے کہتے ہیں، جستجو کیا ہے؟



نہیں ہے، نہیں ہے، جوانی نہیں ہے جوانی اگر جاودانی نہیں ہے
 مقامِ تحیرِ زبانی نہیں ہے یہاں کوئی شے آنی جانی نہیں ہے
 جگر! یہ مئےِ ارغوانی نہیں ہے ابرے آگ ہے آگ، پانی نہیں ہے

۱۔ کہ یہ چشمانِ دل ہمیں جزدوست (سعدی) یہ لفظ متروک کر دیا گیا ہے۔ لیکن میں جائز سمجھتا ہوں۔
 ۲۔ شرابی عموماً آخر شب تک پتے پتے بدست ہو کر سو جاتا ہے۔ اور دن چڑھے بیدار ہوتا ہے۔ اس لئے صبح صادق کے نشہ پاش منظر سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ ترک سے کے بعد اس لطیف منظر سے متاثر ہوتے رہنا بھی کچھ کم نہیں۔ (جگر)

یہ کیا ہے، جو سحر جوانی نہیں ہے
 مرا قصہ عشق فانی نہیں ہے
 حریفانہ رکھتا ہوں رسمِ محبت
 برا عشقِ زندہ، مرا عزمِ راسخ
 محبت ہے اپنی بھی، لیکن نہ اندھی!
 سمجھ سوچ کر پاؤں آگے بڑھانا
 نخلِ جس سے ہونا پڑے دل ہی دل میں
 مجھے اُن سے مطلب، انہیں مجھ سے مطلب
 محبت متور، محبت معطر
 نہ سننے، نہ سننے، نہ سننے غم و درد میرا
 وہ عالم ہے اب خشک آنکھوں میں اپنی
 فسوں ہے، فسوں ہے، جسے عشق کہیے
 محبت ازل سے مقدر پڑی تھی!
 جگر کا یہ نغمہ ہے اور سازِ مشرق
 یہ مغربِ زردوں کی کہانی نہیں ہے



وہ مست ہوں کہ الٹ دی جب آستیں میں نے
 مٹا کے دل سے ہر اک نقشِ دل نشیں میں نے
 بنایا عشق کو یوں خُسن آفریں میں نے
 چھپا کے دل میں غمِ اشک آفریں میں نے
 کبھی یہ وہم کہ میں کیا ہوں، میرا سجدہ ہی کیا
 تری نگاہ کے صدقے کہ پھر سے یاد آیا
 نہ خُسن سے کوئی مطلب، نہ عشق سے سروکار
 الہی، خیر! کہ دیکھا ہے خواب میں دمِ صبح
 مری یہ فطرتِ معصومِ عشق، ارے توبہ!
 مگر جو تیری نگاہوں میں ہے، وہ چھیڑ کہاں
 تجھے خبر ہو جو، ساقی! تو مجھ پہ رشک کرے



مے منصور پلا دے ساتی نور ہی نور پلا دے ساتی
 جام تلور پلا دے ساتی چشم بد زور! پلا دے ساتی
 پھر کبھی نام نہ لوں پینے کا اتنی بھڑور پلا دے ساتی
 تاکجا، ہستی ناکام مری شعلہ طور پلا دے ساتی
 تجھ کو اپنی ہی تھلی کی قسم ساغر نور پلا دے ساتی
 مے ظاہر تو بہت کچھ پی پی مے مسثور پلا دے ساتی
 تو تو ساتی ہے، تجھے کام سے کام میں سہی پچور، پلا دے ساتی
 تشنہ کاموں سے اب انکار ہی کیوں حسب دستور پلا دے ساتی
 ساغر ظلمتِ غم میں بھر کر بادۂ نور پلا دے ساتی
 کہہ گیا کیا یہ سیہ مستی میں شب دستچور پلا دے ساتی
 مے گل رنگ کے جلوے کب تک حاصل طور پلا دے ساتی
 میں تو جب جانوں، مری تونہ کے بعد کر کے بچور پلا دے ساتی
 صبر ایوب کی تجھ کو سوگندا! بیٹھے ہیں زور، پلا دے ساتی
 ساغر ہوش میں اب تو بھر کے زورج منصور پلا دے ساتی
 تیری ہر شرط حقیقی و مجاز مجھ کو منظور، پلا دے ساتی
 جانے کیا شے وہ افق تاب ہوئی میں ہوں بچور، پلا دے ساتی
 ایک ساغر میں زمان اور مکاں کر کے معنور پلا دے ساتی

کر کے حل اب تو مرے ساغر میں

دیدۂ خور پلا دے ساتی



تقدیر سے شکایت، کوئی نہ آساں سے شگوه ہے صرف اپنے اک خاص مہرباں سے
 کونین ہے عبارت اک عشق بے اماں سے نکلا یہی فسانہ، الٹا ورق جہاں سے
 کس نے اٹھا دیا ہے پردہ حریم جاں سے آنکھیں بھی مطمئن سی، آنسو بھی شادماں سے
 اُس وقت کوئی دیکھے، اعجاز سازِ فطرت خود حسن نغمہ زن ہو جب عشق کی زباں سے
 مدت کے چھڑنے دو دل باہم جو مل رہے ہیں مہکولوں کی بارشیں ہیں، درہائے آساں سے



تھی جو بنیاد شادی و غم کی! اس کے بٹانوں پہ زلف برہم کی
 آہ کی ہے صدا، نہ ماتم کی تیری نسبت سے تیری بخشش ہے
 اتنے ہی مجھ سے وہ قریب ہوئے یوں تو پیاسے ہیں سبزہ و گل بھی
 کوئی دیکھے تو کیا ہنسی آئے آئی تھی آج بھی نسیم سحر
 عشق کو کہیے کس طرح معراج اس سے پوچھو جمال شبنم کا
 اک خطا پر سزائے بے میعاد تو نے ہمدم یہ کس کا نام لیا
 جس کا ٹھکانا محال تھا، سو آج عشق کا راز غیر کیا سمجھیں
 شانِ رحمت برس پڑی کیا کیا دھن ہی اب اور ہے یہاں، ناصح
 حسن آیا تھا خود منانے کو خاطر حسن تھی ہی کچھ برہم
 اللہ اللہ! ہستی شاعر اس زمانے کا انقلاب نہ پوچھ

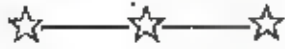
دل نے وہ انجمن ہی برہم کی خیر، یا رب! نظامِ عالم کی
 کیا طبیعت بدل گئی غم کی اللہ اللہ! راحتیں، غم کی
 میں نے جتنی ہی آرزو کم کی کس نے دیکھی ہے پیاس شبنم کی
 ہائے ری بدحواسیاں غم کی آگ بھڑکا گئی جہنم کی
 یہ تو فطرت ہے ابنِ آدم کی جس نے خود آرزوئے شبنم کی
 ہائے تقدیر ابنِ آدم کی! چھا گئیں دل پہ بدلیاں غم کی
 عشق نے وہ نگاہ بھی خم کی پڑ نہ جائے نگاہ محرم کی
 اس خطا پر کہ ہر خطا کم کی تجھ کو سوجھی ہے شادی و غم کی
 سو توجہ ہی عشق نے کم کی دل نے دانستہ اور برہم کی
 قلب غنچے کا، آنکھ شبنم کی روح شیطان کی، شکل آدم کی

اس کی ہر شان مرہب، لیکن
 ہائے رے شانِ حسن برہم کی



میری جانب نگراں ہے کوئی اب زمان ہے، نہ مکاں ہے کوئی
 وہیں میں بھی ہوں، جہاں ہے کوئی دل ہے یا تحتِ رواں ہے کوئی
 اب تو، یوں محرم جاں ہے کوئی جیسے رگ رگ میں نہاں ہے کوئی
 گرم اشکوں میں رواں ہے کوئی (تلفظ) سرد آہوں میں نہاں ہے کوئی

میں نے گھبرا کے جو اک روز جگر! دی یہ آواز، کہاں ہے کوئی
 درد چینا کہ مجھی میں ہے وہ شوخ غم پکارا کہ یہاں ہے کوئی
 ہمہ نغمہ، ہمہ خوشبو، ہمہ رنگ (قطعہ) دوسرا تجھ سا کہاں ہے کوئی
 تو ہی اللہ بتا دے ناصح! ایسی سچ دھج کا جواں ہے کوئی



اے غم عشق ترا کیا کہنا! پہلے تو، بعد ازاں ہے کوئی
 کیجئے شرح محبت کیوں کر کیا محبت کی زباں ہے کوئی
 غیرت عشق! یہ کیا سنا ہوں؟ غیر از دوست کہاں ہے کوئی
 نہیں ہنتی، نہیں ہنتی تری یاد یہ بھی کیا رشتہ جاں ہے کوئی
 کس کے دل پر نہیں اس کا سایہ (قطعہ) غم ہے یا سحر رواں ہے کوئی
 ہمہ ساز و ہمہ سوز و ہمہ درد زندگی ہے کہ فغاں ہے کوئی
 ہر نفس اب تو یہ دیتا ہے صدا کہ پس پردہ جاں ہے کوئی
 دل کی اب فکر کرے میری بلا
 مجھ سے بڑ کر گمراہ ہے کوئی

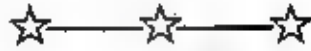


شعر و الہام تو کیا، عرش بھی نازل ہو جائے
 جس طرف آنکھ اٹھے، حُسن مقابل ہو جائے
 اپنی ہستی کے سوا مجھ سے بھی غافل ہو جائے
 حُسن کامل ہے ترا، اور بھی کامل ہو جائے
 دونوں عالم سے فراغت مجھے حاصل ہو جائے
 حُسن سے عشق کچھ اس طرح مماثل ہو جائے
 عشق ہی، کاش! مرے عشق کا حاصل ہو جائے
 اُف رے تقدیرِ چمن، ہائے رے بیداد فلک!
 مجھ کو منظور دو عالم سے نرقابت، لیکن
 میں رُخ عشق سے پردہ تو اٹھا دوں، لیکن
 غیر تو غیر ہے، اے عشق! گوارا نہ کروں
 ارتباط اب نہ بڑھا اور زیادہ اے دوست!

دل جو اک شے ہے حقیقت میں اگر دل ہو جائے
 عشق خود ہی نہ اگڑ پردہ حائل ہو جائے
 دل بہر حال مراد دل ہے، مگر دل ہو جائے
 میری گستاخ نگاہی بھی جو شامل ہو جائے
 عشق اگر حُسن بنے، حُسن مراد دل ہو جائے
 جیسے تصویر سے تصویر مقابل ہو جائے
 یہی رہبر، یہی جادہ، یہی منزل ہو جائے
 غنچہ کھلنے بھی نہ پائے کہ مراد دل ہو جائے
 وہ نگاہِ مجسم طرف دل ہو جائے
 ڈر یہ ہے، تو نہ کہیں عشق پہ مائل ہو جائے
 میرے عالم میں اگر خود بھی وہ شامل ہو جائے
 مجھ کو ڈر ہے کہ ترا دل نہ مراد دل ہو جائے

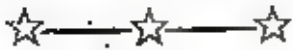
ہائے وہ زعمِ محبت کہ جو باطل ہو جائے
 کہیں اقرارِ محبت پہ نہ مائل ہو جائے
 لب کو جنبش نہ ہو اور شرحِ غمِ دل ہو جائے
 اک نفس بھی جو فراغت مجھے حاصل ہو جائے
 کہ مرا عقدہٴ دل ہی مجھے مشکل ہو جائے
 ہر ستم کے لئے مخصوص مرا دل ہو جائے
 درد بن کر نہ اگر عشقِ مرا دل ہو جائے
 گر یہاں بھی کوئی دم رونقِ محفل ہو جائے
 یہ وہ دعویٰ ہی نہیں ہے کہ جو باطل ہو جائے

حیف، وہ حُسن کا پندار جو کھا جائے شکست
 دل کے آثار ابھی تک تو بہت اچھے ہیں!
 رنگِ چہرہ نہ اڑے اور محبت بر سے
 میں تو مر جاؤں، مرا عشق کہیں کا نہ رہے
 مجھ کو دینا تھا غمِ عشق، نہ اس طرح مگر
 ہر ستم مجھ کو گوارا، مگر اس شرط کے ساتھ
 غیرتِ حُسن کا پھر کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا
 کیا بگڑ جائے ترا، اے مہِ خوبی و جمال!
 عشق ہر رنگ میں ہے اپنی حقیقت کی دلیل



پارہ ہائے جگر

آج ایسا نگہ مست کا اک وار ہوا دل کا کیا ذکر، سنبھلنا مجھے دشوار ہوا



وہی ہے عشق، وہی حسن ہے، وہی سب کچھ مگر کسی سے کسی کا جواب نہ ہو سکا



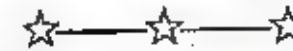
اب کیا کریں، اے جوش طلب، تیری قسم، اور بڑھتا ہے اگر شوق، توڑتے ہیں قدم اور
طرفین ناغم عشق کے ہیں تازہ ستم اور اب دیکھتے کیا ہو کہ نہ تم اور، نہ ہم اور



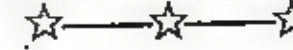
عشق کی اللہ ری آتش کاریاں خون کی ٹوندیں ہیں یا چنگاریاں
قتل گم میں آج ہوئی ہے، جگر چل رہی ہیں خون کی پچکاریاں



شکوہ تو کیا، ہو نہ سکی آہ تک ہمت اربابِ وفا کچھ نہیں
لطف سے کچھ اُس نے کہا زیر لب میں نے جو پوچھا، تو کہا ”کچھ نہیں“



یونہی حیراں پریشاں روز صبح و شام کرتے ہیں جنون عشق کے مارے کہیں آرام کرتے ہیں!
ہجومِ آرزو، شوقِ فراواں، دردِ بیتابی وہ جس پہ چاہتے ہیں اُس پہ یوں اکرام کرتے ہیں



اک جگہ بیٹھ کے پی لوں، مراد دستور نہیں میکہ تنگ بنا دوں، مجھے منظور نہیں!
قیدِ آدابِ محبت مجھے منظور نہیں عشقِ دستور ہے خود، عشق کا دستور نہیں
برقی غیرت مری ہستی کو جلا دے، تسلیم! چھپ کے پردہ میں رہے حسن، یہ منظور نہیں

۱۔ رائے ساکن پر یقیناً اعتراض کیا جاسکتا ہے لیکن اس قسم کے اعتراضات محض قدامت پرستی کی بنا پر

ہوئے، صاحبانِ فکر و نظر اس دنیائے کلتبی سے آگے بڑھ چکے ہیں (جگر)

کیا انا الحق کا ترانہ کہ اب اس دُنیا میں
رُسن و دار رہیں شبلی و منصور نہیں

☆—☆—☆

تجہبی میں ہے جگر اک حسنِ معتبر پہاں! بہار در برو میخانہ در نظر پہاں
بہت اشارہ پیہم، مگر لطیف ترین ہزار ہا نکتہ ملتفت، مگر پہاں
جگر کو درسِ حقیقت بہت نہ دے، واعظ وہ بے خبر تو بہ ظاہر ہے، باخبر پہاں

☆—☆—☆

دل ہے قدموں پر کسی کے، سر ٹھکا ہو یا نہ ہو بندگی تو اپنی فطرت ہے، خدا ہو یا نہ ہو
یہ جنوں بھی کیا جنوں، یہ حال بھی کیا حال ہے؟ ہم کہے جاتے ہیں، کوئی سن رہا ہو یا نہ ہو

☆—☆—☆

عبث دھمکار ہے ہیں عشق میں اہل وفا مجھ کو مجسم زندگی ہوں، بچھو نہیں سکتی قضا مجھ کو

☆—☆—☆

جلوہ وہ کونسا ہے جو صورت کشا نہ ہو اے اعتبارِ شوق! جو تو ہو تو کیا نہ ہو
خود ہے جمالِ دید ہی، وجہِ حجابِ دید دیکھو اے، وہ مجھ کو اگر دیکھتا نہ ہو

☆—☆—☆

کس کی نگاہ کافرِ غماز بن گئی ہے میری تمام ہستی آواز بن گئی ہے

☆—☆—☆

دیکھ لو رنگ و روئے ناکامی! یہ نہ پوچھو کہ بیکیسی کیا ہے

☆—☆—☆

گزر گیا ہوں، یوں بھی میں مناظرِ حیات سے کہ جسے خود غرض نہیں حیات سے، مہمات سے

☆—☆—☆

جب نے وہ آنکھ شرمسار سی ہے دل کو تسکین بے قرار سی ہے
دیکھئے، یاس بھی رہے نہ رہے یوں تو ظاہر میں وضع دار سی ہے

☆—☆—☆

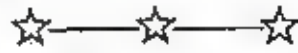
مرے گناہوں کا کیا ٹھکانا، خیال سے شرم آ رہی ہے
رواں ہیں آنکھوں سے اشکِ پیہم، حیات گنا بہار رہی ہے

☆—☆—☆

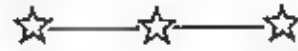
جب سے مری آنکھوں میں تری جلوہ گری ہے دنیا مرے نزدیک تنہم سے بھری ہے!
یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے، کہتے ہیں جسے حُسن؟ جب دیکھئے کچھ نیند سی آنکھوں میں بھری ہے



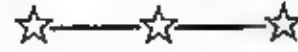
یہ چاہتا ہوں الہی، کہ کچھ دنوں کے لئے خود اپنے عشق میں وہ شوخ مبتلا ہو جائے
خدا کی شان، کہ شورشِ حجابِ راز بنے سکوت آئینہ روئے مدعا ہو جائے



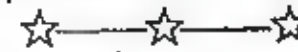
حُسن خود عشق کی صورت میں مقابل آئے کاش! ایسا ہو کہ تجھ پر ہی ترا دل آئے



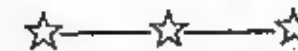
جب اس طرف سے کوئی اہل نظر گیا ہے دل کی نزاکتوں پر عالم گذر گیا ہے



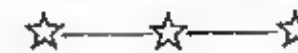
مجھے تو رشک آتا ہے غم جاناں کی ہستی پر اُسے صیاد نے کچھ گل نے کچھ بلبل نے کچھ سمجھا
نگاہِ کرم کی ضرورت نہیں ہے کہ اب آپ مجھ میں تابِ محبت نہیں ہے
مجھے بھی ہے احساسِ اپنی خودی کا اگر اُن کو میری ضرورت نہیں ہے
محبت سے بھی ماورا ہے کوئی شے محبت ہی تنہا محبت نہیں ہے
کے یاد رکھوں، کسے بھول جاؤں؟ اب اتنی بھی، اے عشق! اُڑت نہیں ہے



جب نظر اپنی حقیقت آئی مجھ پہ خود میری طبیعت آئی
جو مصیبت، جو قیامت آئی سب اسی دل کی بدولت آئی
دلِ مرحوم کے ماتم کے لئے بال کھولے شبِ فرقت آئی
کوئی طوفان بھی نہ ہو گا ایسا کیا اندھا دھند طبیعت آئی



کہاں تک عذابِ محبت اٹھائیں بس اب رہ ہمیں، ہم انہیں بھول جائیں



کوچہ یار ہے محبت ہے درد و دیوار سے محبت ہے
یار و اغیار سے محبت ہے گل تو گل، خار سے محبت ہے
میری صحرا نوردیاں، توبہ! ہر سرخار سے محبت ہے



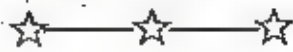
میں اور تیرے عشق کے قابل، نہیں نہیں
میرے سوا، زمان و مکاں ہوں اگر، تو ہوں
مجھ کو معاف کر کہ میں تجھ سا حسین نہیں!
تیرے سوا زمان و مکاں بھی کہیں نہیں!



دل درد، جگر درد، دُعا درد، اثر درد
میں ہوں ہمہ تن دروں مری شام و سحر درد



جب تک شباب عشق مکمل شباب ہے
جو خود نہ زندگی ہو، نہ پیغام زندگی
پانی بھی ہے شراب، ہوا بھی شراب ہے
وہ حسن قہر ہے، وہ محبت عذاب ہے
پیارے! جہاں عشق، جہاں خراب ہے
لہذا! ان حدود میں رکھنا نہ تو قدم



دیرینہ دوستی خوش انفاس کا لحاظ
اے محنت! نزاکت احساس کا لحاظ



یہی حسن و عشق کا راز ہے کوئی راز اس کے سوا نہیں
کہ خدا نہیں تو خودی نہیں، جو خودی نہیں تو خدا نہیں



جان آنکھوں میں اٹک کر رہ گئی
ایک بجلی سی چمک کر رہ گئی



جہاں کی بزم آرائی ہے، میں ہوں
ہجوم رنجِ تنہائی ہے، میں ہوں

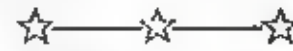


محبت کس کو کہتے ہیں، محبت کی بقا کیا ہے
خدائی کس کو کہتے ہیں، خودی کیا ہے، خدا کیا ہے



خودی کا اک تصور وارداتی اور لامحدود
نشاتی اور حیاتی اور ذاتی اور لامحدود

ہمہ تن وجد میں آ، رقص میں آ، جوش میں آ
حسن کو ہوش میں لانا ہے تو خود ہوش میں آ



دل نے کچھ ایسی دھن میں آج نغمہ شوق گا دیا
مجھ کو خدائے عشق نے جو بھی دیا، بجا دیا
آتش ترنے، سا قیام! کچھ نہ مجھے مزا دیا
جذب جنوں نے آج تو گل ہی نیا کھلا دیا
عشق بھی ٹھوم ٹھوم اٹھا، حسن بھی مسکرا دیا
اتنی ہی تاب ضبط دی، جتنا ہی غم سوا دیا
خود وہ گلے لپٹ گئے، عشق کا واسطا دیا
غیرت عشق نے وہیں پہلوئے دل دبا دیا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تو نے یہ کیا پلا دیا
شوق نے بے خودی میں جب دست طلب بڑھا دیا

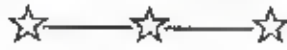
میں کہ تھا ایک مشیتِ خاکِ حسن جو مسکرا دیا
عشق کی رُوح بھونک دی، رُوح کو جگمگا دیا
تُو رہے، تیرا غم رہے، میں رہوں، میرا دم رہے
کون کچھے بھلا سکا، کس نے تجھے بھلا دیا

قطرہ

میر نے جنونِ عشق کی کیوں نہ ہو عاقبتِ خراب
میں بھی نہ لوں جو انتقام، مجھ پہ ہے، عاشقی حرام
مجھ کو ہنسا ہنسا کے آج، اُن کو زلا زلا دیا
دل نے تو کر کے اہتمامِ حسن کا دل دکھا دیا

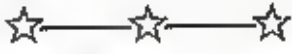


خیر ہو، اے نسیم ناز! پھیل نہ جائے بوے راز
میرے ہجومِ شوق پر، منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکے
حسن بھی رشک سے بری ہو نہ سکا، نہ ہو بھی
شکوہ کریں ترا کہ شکر، ہائے، اے التفاتِ دوست!
بیٹھے ہیں سر جھکائے کیوں، خاکِ مزار پر وہ اب
تُو مرے دل کی دھڑکنیں، دے دے چاہے، یونہی
ترکِ تعلقات سے عشق کہیں ہے بے نیاز
حسن ہے حسن بے اماں، ضد نہ کر اے غم نہاں
قسمتِ حسن و عشق سے مجھ کو نہیں ہے کچھ گلہ
سکرِ شباب و یادِ یار، دردِ فراق و انتظار
کفر کہاں، کہاں جگر! او بت سنگِ دل مگر
تُو نے یہ کیا غضب کیا، غنچہِ دل رکھلا دیا
چہرے پہ رنگ آ گیا، ہاتھ میرا دبا دیا
اپنے سوا ہر ایک نقش، دل سے مرے مٹا دیا
جو نہ کہیں بھی جھک سکا، تُو نے وہ سر جھکا دیا
خاک سے پھر غرض ہی کیا، خاک میں جب ملا دیا
ہاں، انہی دھڑکنوں نے تو مجھ کو مرا پتا دیا
کہنے کی بات ہے فقط، کس نے کسے بھلا دیا
پھر یہ نگاہ و دل کہاں، پردہ اگر اٹھا دیا
تجھ کو غرور اگر دیا، مجھ کو بھی حوصلہ دیا
آنکھ کھلی سلا دیا، آنکھ لگی جگا دیا
ہائے رے شوقِ فتنہ گر، تجھ کو خدا بنا دیا



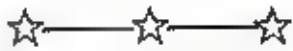
فتنہ روزگار میں امن ہے کیا، قرار کیا
عشق کمالِ ہوش ہے، ہوش سے تنگ و عار کیا
دیدہ و دل پہ کس کا بس، جان پہ اختیار کیا
تیری نصیحتیں بجا، یہ تو بتا، اے ناصحا!
عشق خزاں مزاج سے لطفِ جمال پوچھے
ناز سے مسکرا کے دیکھ، چشمِ حیا اٹھا کے دیکھ
سوئے تمام چاہئے، رنگ و دام چاہیے
کارِ عظیم چاہیے طبعِ سلیم چاہیے!
میں نے کیا ہے حرمِ عشق، مجھ سے ہوئی خطاے شوق
حاصلِ زینتِ غم سہی، غم کا بھی اعتبار کیا
سینہ چاک چاک کر، دامن تار تار کیا
ہو چکے اُن کے جب ہمیں، اُن پہ کریں نثار کیا
اور ہے عشق کے سوا مقصدِ حسنِ یار کیا
جن کی نظر ہے خود بہار، اُن کے لئے بہار کیا
دل سے حریف کے لئے نیچی نظر کا وار کیا
شمع تیرے مزار ہو، شمع سرِ مزار کیا
عزمِ مصمم چاہیے، فکرِ مالِ کار کیا
خواہشِ غنوکس لئے بخششِ حسنِ یار کیا

فطرت شوق کی قسم، غیرت عشق کی قسم!
دولت دو جہاں سہی، دولت مستعار کیا
منزل عشق میں، جگر! غیر تو پھر بھی غیر ہیں
دل پہ بھی اعتماد کیوں، اپنا بھی اعتبار کیا



مانا کہ ہم پہ جور و جفا کیجئے گا آپ
ہر چند ضبط حد سے سوا کیجئے گا آپ
آنکھوں کی نیند، دل کی خلش کا نہیں علاج
تہائیاں تو ایک طرف، سب کے سامنے!
زلفِ رمیدہ بو جو پریشاں نہ رہ سکی
ہوتا ہے ایک دن جنہیں مشہور خاص و عام
چھپ چھپ کے جب نہ رو بھی سکیں گے بقدر ظرف
ہر چند لائے گا زباں پر نہ رازِ عشق
چہرے پہ ہم سنوں کی تبسم تو کیا، مگر
اتنا ہی اور ہو کے رہے گا غم آشکار
رہتا نہیں ہے جس میں کہ یارائے صبر و ضبط
لیکن ہمیں نہ ہوں گے، تو کیا کیجئے گا آپ
آنسو نہ تھم سکیں گے، تو کیا کیجئے گا آپ
بستر سے آہ کر کے اٹھا کیجئے گا آپ
پہروں اُداس اُداس رہا کیجئے گا آپ
روئے پریدہ رنگ کو کیا کیجئے گا آپ
کس دل سے وہ فسانے سنا کیجئے گا آپ
گھٹ گھٹ کے دل ہی دل میں رہا کیجئے گا آپ
نظریں پکارا اٹھیں گی، تو کیا کیجئے گا آپ
اک فرض نا گوار ادا کیجئے گا آپ
جتنی ہی احتیاط سوا کیجئے گا آپ
نہ جانے، اُس جنون میں کیا کیجئے گا آپ

جب کچھ نہ بن پڑے گا مداوائے دردِ ہجر
رو رو کے مغفرت کی دُعا کیجئے گا آپ



ذڑوں سے باتیں کرتے ہیں، دیوار و در سے ہم
دیکھا جہاں بھی حُسن، وہیں لوٹ ہو گئے
چھیڑیں کسی سے اور ہمارے ہی سامنے
اتنی سی بات پر ہے بس اک جگہ زرگری
کیونکر نہ ہو نظامِ دو عالم میں ابتری
حیرت خود ایک حشرِ خاموش بن گئی با!
ذڑوں کو حُسن و عشق سے معمور کر دیا
کوئی حسیں حسیں ہی ٹھہرتا نہیں، جگر!

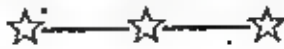
وابستہ کس قدر ہیں تری رہ گذر سے ہم
تنگ آگئے ہیں اپنے مزاجِ نظر سے ہم
لڑتے ہیں دل ہی دل میں نسیمِ سحر سے ہم
پہلے ادھر سے بڑھتے ہیں وہ، یا ادھر سے ہم
کچھ بے خبر سے آپ ہیں، کچھ بے خبر سے ہم
بچ کر چلے تھے فتنہ شام و سحر سے ہم
دامنِ نشاں گذر گئے جس رہ گذر سے ہم
باز آئے اس بلندیِ ذوقِ نظر سے ہم



نظمیں

مبارک بادِ صحت یابی

بفضلِ خدا غسلِ صحت مبارک! یہ جشنِ مسرت مبارک!
 افق سے وہ پھولی کرنِ زندگی کی یہ آثارِ صبحِ سعادت مبارک!
 یہ ہستی، یہ شملہ، یہ رونقِ سلامت یہ شوکت، یہ سطوت یہ عظمت مبارک!
 یہ حسن و جوانی، یہ علم و معانی یہ تابیدِ فیضانِ رحمت مبارک!
 سعد الظفرِ خاں بہادر! تمہیں بھی رشید الظفرِ خاں کی صحت مبارک!
 بایں سادگی و بہ این پاکِ فطرت بہ آرائش و زیب و زینت مبارک!
 جو یہ اُن کے شیدا تو وہ اُن کے عاشق بہم بھائی بھائی کی الفت مبارک!
 الہی! رہے تا ابد یہ بھرا گھر بھرے گھر کو بھر پورِ عشرت مبارک!
 دُعا ہے کہ مل کر رہیں سب یہ اک دن تمہیں خدمتِ ملک و ملت مبارک!
 سبھی کچھ مبارک، تمہیں اور مجھ کو خود اپنی یہ نذرِ عقیدت مبارک!
 یہ خلق و مروت، بہ لطف و محبت دلِ غیر پر بھی حکومت مبارک!
 جگر پر عنایت تری روز افزوں اُسے مفت خوری کی عادت مبارک!



ایک شاعر کا پیغام

ایک مغرب زدہ ناظم کے نام

قوم و وطن کے مدعی، کون و مکان پر چھائے جا فکر و عمل کی وسعتیں تنگ نہ کر بڑھائے جا
 تو کہ ہے تنگِ زندگی، درسِ ترا درِ زندگی زندگی و درندگی، یوں نہ بہم ملائے جا

اے کہ تیری ذہنیت ساحت فرنگیاں
تیرے تمام خلوقیں، شاہد و مطرب و شراب
تیرے فریب کے لئے کم نہیں پست ذوقیاں
تجھ کو خدا سے کیا غرض، چھوڑ خدا کا تذکرہ
جہل ترا تری سرشت، علم ترا متاع غیر
تیری نگاہ و فکر میں عصمتِ حسن کچھ نہیں
لوٹ کے دوسروں کا مال، نوحہ مفلس سنا
اہلِ دُؤل کے سامنے دستِ ہوس ترا دراز
جب تیری مضحکات پر بزم کی بزم ہنس پڑے

خوب فریب کھا چکا، اب نہ فریب کھائے جا
بزم میں انقلاب کا شور مگر مچائے جا
بھر کے ہر ایک تازہ روپ، شعبدے تو دکھائے جا
مارکس کا تو غلام ہے، مارکس کے گیت گائے جا
حکمت و شعر کہہ کے تو سب کو یقین دلائے جا
اپنی یہ بزدلی مگر مصلحتاً چھپائے جا
کھا کے پلاؤ تو رومہ بھوک کے گیت گائے جا
ہٹ کے وہاں سے گالیاں ان کو مگر سنائے جا
داد سمجھ کے اپنا سر باز سے تو ہلانے جا

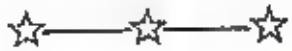


انتقالِ نواب سعید الملک

وہ جس کی دید سے ہوتا تھا حاصل
جگر! موت ایسے کامل قدرداں کی
یہ غم ہے ماورائے نوحہ خوانی
بہت کچھ حسرت ماتم ہے، لیکن
اٹھی ہے آہ! دنیا سے وہ ہستی
سعید الملک نواب، ابنِ نواب
سراپا اخلاق و اخلاص
بہادر، شیرِ آنگن، مردِ میدان
دلوں پر کی ہے جس نے حکمرانی

فراغِ دل، فروغِ زندگانی
حقیقت میں ہے مرگِ قدردانی
جوانی اور مرگِ ناگہانی!
حقیقت میں یہ غم ہے جاودانی
جو تھی ہر بات میں آپ اپنی ثانی
بہارِ گلشنِ شاہِ جہانی
بشمِ صورتِ پاکیزہ جانی

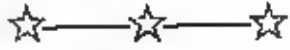
(تاتمام)



عید

ہر قوم کی ہے عید، ہر اک اہل و جاں کی عید
چھوٹی بستر تون کا اگر نام عید ہے
لیکن نہیں تو مسلم حسرت نشاں کی عید
پیشک ہے پھر تو ملتِ اسلامیوں کی عید

ہم سایہ کے گھر میں (ہے) جو ناکہ، ہوا کرنے اپنی تو ہو ہی جاتی ہے نام و نشان کی عید
خود غرضیوں کی آڑ میں ملت فروشیاں کہتے ہیں اس کو مسلم ہندوستان کی عید
احساس تک ہے وحدت قومی کا عو خواب یہ حال ہو تو کیسی سترت کہاں کی عید
اپنی بلا سے، کوئی نہ جے یا کوئی مرے اپنی تو ہو ہی جاتی ہے نام و نشان کی عید



رُبَاعِی

مریض قوم کے درماں مہاتما گاندھی دلوں کی شمعِ فروزاں مہاتما گاندھی
تمام درد و خلوص و محبت و ایثار حقیقت تھے اک انساں مہاتما گاندھی



مہاتما گاندھی

گاندھی جی وہ ذاتِ مکرم گاندھی جی وہ خلقِ مجسم
گاندھی جی وہ حسنِ اعظم سوگ ہے جن کا عالم عالم



آنکھیں اُن کے سوگ میں گریاں سینے اُن کے غم میں دیراں
ہندو ہو یا کوئی مسلمان جس کو دیکھو حیراں، حیراں



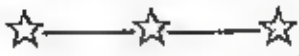
ذرہ ذرہ، صحرا صحرا قطرہ قطرہ، دریا دریا
بستی بستی، دُنیا دُنیا ماتم ماتم، نوحا نوحا



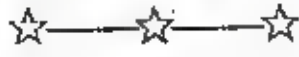
اُن کا مذہب وحدانیت اُن کا عقیدہ روحانیت
اُن کا مسلک انسانیت اُن کی فضا نورانیت



اُن کے دل میں سب کی محبت اُن کی نظر میں سب کی عزت
سب کی عزت، سب کی عظمت سب کی سیوا، سب کی خدمت



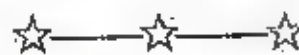
اُن کا فیضِ عام مسلسل! اُن کا دورِ جام مسلسل
اُن کا ہر اقدام مسلسل بات مکمل، کام مسلسل



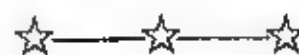
اُن کی سیاست کی گہرائی تھاہ کسی نے جس کی نہ پائی
راجندر اور آزاد، ڈسائی! اک حد تک ان سب کی رسائی



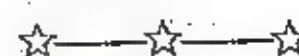
آہ! وہ اُن کی سادہ بیانی شبنم شبنم، پانی پانی
مدہم مدہم جس کی روانی لیکن اک دریائے معانی



انسانوں کو بنا کر ذاتیں ایک بنا دینے کی گھاتیں!
کس کے دن اور کس کی راتیں کون سنے یہ بہکی باتیں



جنگِ آزادی کے رہبر پریم اپنا اُن کا لشکر
ظاہر میں ظہر ایک قلندر باطن میں دارا و سکندر



دامِ غلامی توڑ کے نکلے زوئے حوادث موڑ کے نکلے
نقشِ محبت جوڑ کے نکلے ٹوٹے دلوں کو جوڑ کے نکلے



عمرِ یونہی خدمت میں گذاری لاغر جسم اور گھڑی بھاری
بھارت ماتا خود یہ پکاری پریم کا داتا، پریم بھاری



کاش کہ ہم سب اتنا سمجھیں ہم پہ ہیں احساں کیا کیا سمجھیں
مل کر سوچیں، تنہا سمجھیں فرض عقیدت اپنا سمجھیں



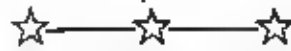
ڈوب کے پھر سے ابھرنا سیکھیں تقلید اُن کی کرنا سیکھیں
مخلص بن کے گذرنا سیکھیں جینا سیکھیں، مرنا سیکھیں



انساں ہے جو انسان کا دشمن عصمت اور ایمان کا دشمن!
نہی نہی جان کا دشمن وہ ہے ہندوستان کا دشمن

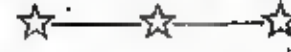


ہندو مسلم مل کے گائیں گاندھی کا پیغام سنائیں
مُحلولِ محبت کے برسائیں جنتِ اس دُنیا کو بنا لیں
(نا تمام)

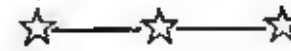


یومِ آزادی

۱۔ زبانِ اہل ہوں پر کلامِ آزادی
وہی سلاسل و زنداں، وہی ہے طوق و رسن
قدم قدم پہ نمائش ہے کچھ، حقیقت کچھ
اقلیت کے لئے بند رہے ورِ مقصود
خود اپنے نشہ..... میں جھومنے والے!
وہی سیاستِ باطل، وہی نظامِ کہن

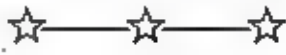


۲۔ اُس غلامی پہ آپ ہیں آزاد
ہوں مُلک و مال کی خاطر
آج بھی خوش ہے رُوحِ استبداد
عظمتِ ملک و قوم ہے برباد



لوگ کہتے ہیں، وطنِ آزاد ہے
وہ وطن، وہ کشورِ ہندوستان
میں سمجھتا ہوں، وطنِ برباد ہے
وہ چین، وہ جنتِ روحانیاں
ہائے، وہ گہوارۂ صدق و صفا
وہ سیارۂ مہر و وفا

ہر درد کو بدلتی ہوئی انبساط سے ہر غم کو خوشگوار بناتی چلی گئی
ہر موج بحرِ سخن سے خود کھلتی ہوئی ہر آرزو کی پیاس بجھاتی چلی گئی

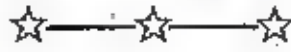


تکلیف

عکس زوئے نگار ہے تکلیف ہم سے پوچھو تو دستِ صنعت کا
روح پرور بھی، خواب آور بھی جب اسے دیکھئے کسی کے لئے
راحت جانِ ہر امیر و فقیر! جس جگہ دیکھئے طلب اس کی
مذہب و ملک و قوم سے آزاد اک جہاں کو پیامِ خواب مگر
شاید خوابِ ناز کے رخ کا دردِ مندانِ شامِ فرقت کا
شب کی بے تاپیاں ہیں محو اس میں موجِ راحت ہے تار تار اس کا
عہدِ رنگین و دورِ غمگین کا داستانیں ہیں اس میں لاکھوں دن
دیکھ لو سخن و عشق کے جلوے اس کی ہر سطر مستقل تاریخ
راز جو چاہئے بیاں کیجئے شب کی تنہائیوں کے عالم میں
درد کو اس کے کوئی کیا جانے

داغ کیا پڑ بہار ہے تکلیف
طرفہ اک شاہکار ہے تکلیف
جیسے آغوشِ یار ہے تکلیف
ہمد تن انتظار ہے تکلیف
رحمت کردگار ہے تکلیف
شاید روزگار ہے تکلیف
کیا وسیع العمار ہے تکلیف
آپ شبِ زندہ دار ہے تکلیف
کیا ہی سادہ سنگھار ہے تکلیف
مونس و غمگسار ہے تکلیف
درد کا پردہ دار ہے تکلیف
اور کبھی خار خار ہے تکلیف
زندہ اک یادگار ہے تکلیف
اک جہاں مزار ہے تکلیف
ان کا آئینہ دار ہے تکلیف
کیا حقیقت نگار ہے تکلیف
لائق اعتبار ہے تکلیف
مونس جانِ زار ہے تکلیف
آپ اپنی پکار ہے تکلیف

اس کی توصیف سب بجا، لیکن کابلی کا شکار ہے تکیہ
 طیبہ نے اسے بنایا ہے قابل افتخار ہے تکیہ

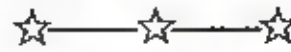


ساتی سے خطاب

وطن کا کیا قصور اس میں، وطن کو دوش کیوں دیجے . . . وطن دشمن بنے ہیں خود مہمان وطن ساتی



وہ پاکستان ہے ساتی، یہ ہندوستان ہے ساتی مگر انسانیت کا ہر جگہ فقدان ہے ساتی
 یہاں سرمایہ داری، چور بازاری کے میلے ہیں یہاں اپنی حکومت ہے، یہ ہندوستان ہے ساتی



یہاں کے ہٹلوں میں گوشت بک جاتا ہے بچوں کا یہاں فرقہ کشی کی ذہنیت بھی عام ہے ساتی



جواں رندوں کے اس فقرے پہ کیا ارشاد ہے ساتی
 ”زمانہ ہے نیا اور زائد المیعاد ہے ساتی“

کہاں میرا نشیمن تھا، اب اس کی کیا خبر، لیکن
 کہیں میں بھی چپکتا تھا، بس اتنا یاو ہے ساتی

یہ آبا، یہ ویرانہ، یہ ہنگامے، یہ ستائے
 زمانہ کس قدر مجموعہ اضمداد ہے ساتی

نہیں دیتا کسی کو جام بے بار وگر ساتی
 زمانے کے تقاضوں کی بھی رکھتا ہے خبر ساتی

یہ سوز و ساز کا عالم، یہ اشک و آہ کی دنیا
 بجا ہے، اس کو کہتے ہیں اگر دارالحکمن ساتی

سلامت تیری ہستی، میری مستی، تیرا مے خانہ
 مبارک میری گستاخی، مرا دیوانہ پن ساتی

یہ عالم کیر شیطانی سیاست، اے معاذ اللہ!
 نہیں انسانیت کو اب مجالِ دم زدن ساقی
 جہاں ٹھوٹی صداقت ہو، ہمیں اُس سے نہیں مطلب
 جہاں سچی محبت ہو، وہی میرا وطن ساقی
 جہاں اعلیٰ سیاست کا تخیل تک نہیں ممکن
 جہاں اک جنس کا سد ہو حقیقی علم و فن ساقی



نذرِ غالب

اے وہ کہ تری ذات گرای بہ ہمہ رنگ
 اے وہ کہ ہر اک نغمہ ترا نغمہ فطرت
 اے وہ کہ ترے معجزہ جنبش لب سے
 اے وہ کہ تری فکر بہ ہر طرز و بہ ہر صنف
 اقلیم سخن ہے ترے اعجازِ نفس سے
 ہر بھول ترے باغ کا فردوس بہ دامن
 اک گوشہ دامن میں مرے دجلہ و جیوں
 تو نظم میں بھی، نثر میں بھی مجتہد العصر
 تو نے اسے گنجائش کونین عطا کی
 لا ریب کہ اس ذات سے واقف تھی تری ذات
 قدرت کی جو ہم راز تو فطرت کی ہم آہنگ
 اے وہ کہ ہر اک نقش ترا روکش ارژنگ
 اک جنت شاداب ہر اک غنچہ دل تنگ
 ہم شعلہ و ہم شبنم و ہم شیشہ و ہم سنگ
 ہم نغمہ و ہم دشنہ و ہم نکہت و ہم رنگ
 ہر خار ترے دشت کا انگشت شفق رنگ
 اک موجِ نفس میں تری رقصاں جن و گنگ
 لیکن وہ ہے معذور کہ جس کی ہے نظر تنگ
 ہر چند بہت تھا ابھی دامانِ غزل تنگ
 افسانہ ہمہ رنگ و حقیقت ہمہ بے رنگ
 الحق کہ تری دستِ تخیل کے آگے
 صحرا کفِ خاکستر و گلشنِ قفسِ رنگ



گیت

(ایک آزاد ملک و وطن کے ایک نووارد مسافر سے)

شاعر کا خطاب

بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ
 اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ
 بھاگ مسافر بھاگ

میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ
 اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

☆—☆—☆

دیس کے اپنے کرتا دھرتا اکثر ہیں وہ لوگ
 دل میں جن کے کنکر پتھر فطرت جن کی گھاگ

بھاگ مسافر بھاگ

گاندھی جی کا نام زباں پر مین کے اندر روگ
 کام نہیں بے جھانسا ہئی، بات نہیں بے لاگ

بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ
 اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

جنتا جاہل نگلی بھوکی اور یہاں کچھ لوگ
 اپنے اپنے رنگ محل میں بیٹھے اڑائیں کاگ

بھاگ مسافر بھاگ

میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ

بھولی بھولی صورت والے پوٹ ہیں بس کی پوٹ
گوری چٹی رنگت والے ناگ ہیں کالے ناگ

ناگ ہیں کالے ناگ مسافر، ناگ ہیں کالے ناگ

بھاگ مسافر، بھاگ مسافر، بھاگ مسافر بھاگ

میرے وطن سے، میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

☆—☆—☆

کوچے کوچے، گوشے گوشے، لوٹ مچی ہے لوٹ
جنگل جنگل، بستی بستی آگ لگی ہے آگ

بھاگ مسافر بھاگ

تیرے وطن میں میل محبت، فرض کا عام احساس
میرے وطن میں بھوٹ عداوت، اپنے اپنے بھاگ

بھاگ مسافر بھاگ

☆—☆—☆

ہولی آئی ہولی آئی، اب ہے یہاں یہ ریت
دولت چھینیں عصمت لوٹیں، خون سے کھیلیں بھاگ

خون سے کھیلیں بھاگ مسافر، خون سے کھیلیں بھاگ

بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ

اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

آزادی کی بھیک سے ملتا آخر کیا انعام

فتنے جاگے، بھیروں ناچا، موت نے چھیڑا راگ

موت نے چھیڑا راگ مسافر، موت نے چھیڑا راگ

میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ

اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

☆—☆—☆

کیا چیز غمِ عشق کی دیوانہ دہی ہے
 ہر چند کہ تکرارِ نظر بے ادبی ہے
 آسان نہیں چہدِ مسلسل سے گزرنا
 اک طرزِ تصور کے کرشمے ہیں بہ ہر رنگ
 رونا ہے تو رونا ہے، ہنسی ہے تو ہنسی ہے
 پر کیجئے کیا، عشق کی فطرت ہی یہی ہے
 اے گامِ یہاں مرحلہ خود شکنی ہے
 اے دوست یہ دُتیا نہ بُری ہے نہ بھلی ہے
 اک عالمِ حیرت کہ نہ غم ہے نہ خوشی ہے
 اتنے نہ قریب آؤ مناسب بھی یہی ہے
 ہم آہ بھی کرتے ہیں تو خاطر شکنی ہے
 وہ ظلم بھی کرتے ہیں تو فرماتے ہیں احساں

یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے کہتے ہیں جسے حُسن
 جب دیکھیے کچھ نیند ہی آنکھوں میں بھری ہے



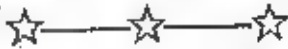
دردِ جگر

راز جو سینہ فطرت میں نہاں ہوتا ہے
 سب سے پہلے دلِ شاعر میں عیاں ہوتا ہے
 سخت خوں ریز جب آشوبِ جہاں ہوتا
 نہیں معلوم یہ انسان کہاں ہوتا ہے
 جب کوئی عشق میں بربادِ جہاں ہوتا ہے
 مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے
 حُسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
 اہلِ دل کے لئے سرمایہٴ جاں ہوتا ہے
 ہائے وہ وقت کہ جب حُسن پہ آتا ہے شباب
 اُف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے
 وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب
 دل پہ احساسِ محبت بھی گراں ہوتا ہے
 کہیں ایسا تو نہیں وہ بھی ہو کوئی آزار
 تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے
 ہائے وہ سلسلہٴ اشک کہ جو تیرے حضور
 دل میں رہتا ہے نہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

لمعاتِ طور

شکستِ توبہ

ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا
بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
زاہد یہ میری شوخی رندانہ دیکھنا!
سرستی ازل مجھے جب یاد آگئی
آزردگی خاطر ساقی کو دیکھ کر
اے رحمتِ تمام! مری ہر خطا معاف
پیتا بغیر اذن، یہ کب تھی مری مجال
لہروں سے کھیلتا ہوا، لہرا کے پی گیا
توبہ کو توڑتاڑ کے، تھرا کے پی گیا
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گے
دُنیاے اعتبار کو ٹھکرا کے پی گے
مجھ کو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گے
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گے
در پردہ چشم یار کی شہ پا کے پی گے
اُس جان میکہ کی قسم، بار ہا، جگر!
کل عالم بسیط پہ میں چھا کے پی گیا



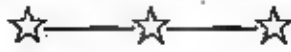
غمِ انتظار

نظر ہے وقفِ غمِ انتظار، کیا کہنا
یہ چشمِ مست، یہ ابرو، یہ زلف، یہ خدو خال
شباب اور مکمل شباب، اسے توبہ!
تصادم نگہِ شوق، اے معاذ اللہ!
فروغِ حسن و نوائے سرود و طرفِ چمن
گلِ بنفشہ و نسرن و نسرین، کیا خوب!
بیانِ ورد و زبانِ خموش و عرضِ نیاز
کھینچی ہے سامنے تصویرِ یار، کیا کہنا!
یہ لب، یہ رخ، یہ جنین، یہ عذار، کیا کہنا!
بہار اور مجسمِ بہار، کیا کہنا!
تبسمِ نگہِ فتنہ کار، کیا کہنا!
شرابِ عشق و لب جوئے یار، کیا کہنا!
بہار و سایہ ابر بہار، کیا کہنا!
جنینِ شوق و کف پائے یار، کیا کہنا!

گزارشِ دلِ غمِ آفریں، معاذ اللہ! گزارشِ غمِ ہمتِ شکار، کیا کہنا!
 تمام شوقِ شکایت، تمام مہر و وفا فساتہ دلِ بے اختیار، کیا کہنا!
 فسوںِ نیمِ نگاہی و سحرِ استغنا سکوتِ حسن و لبِ نغمہ بار، کیا کہنا!
 و فور بے خودی و ضبطِ غم، جزاک اللہ! سرورِ بادۂ نا خوشگوار، کیا کہنا!
 شرابِ ریزِ نشلی نگہ، ارے توبہ! پیالہ گیر کفِ رعشہ دار، کیا کہنا!
 سبکِ روانی اشک و خنکِ نسیمِ کرم نشاطِ دردِ دلِ بے قرار، کیا کہنا!
 کرمِ نما ستمِ نازِ حسن، اے توبہ! ستمِ نما کرمِ خاصِ یار، کیا کہنا!
 نگاہِ ناز کے پیہم اشارہ ہائے لطیف شکستِ شیشہ دلِ بار بار، کیا کہنا!

حریمِ حسن کے پردے اٹھے ہوئے ہیں، جگر

یہی اگر ہے غمِ انتظار، کیا کہنا!



تصویر و تصویر

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی، نظر میں اب تک سمار ہے ہیں
 یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں
 وہی قیامت ہے قدبالا، وہی ہے صورت، وہی سراپا
 لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں
 وہی لطافت، وہی نزاکت، وہی تبسم، وہی ترنم
 میں نقشِ حراماں بنا ہوا تھا، وہ نقشِ حیرت بنا رہے ہیں
 حرامِ رنگیں، نظامِ رنگیں، کلامِ رنگیں، پیامِ رنگیں
 قدمِ قدم پر، روشِ روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہیں
 شبابِ رنگیں، جمالِ رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں
 تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں
 تمام رعنائیوں کے مظہر، تمام رنگینیوں کے منظر
 سنبھل سنبھل کر، سمٹ سمٹ کر، سب ایک مرکز پہ آ رہے ہیں
 بہارِ رنگ و شباب ہی کیا، ستارہ و ماہتاب ہی کیا
 تمام ہستی جھکی ہوئی ہے، جدھر وہ نظریں جھکا رہے ہیں

طیور سرشارِ ساغر مل، ہلاکِ تنویرِ لالہ و گل!
 سب اپنی اپنی دھنوں میں مل کر عجب عجب گیت گارہے ہیں
 شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے نظر سے مستی اُبل رہی ہے
 چھلک رہی ہے، اُچھل رہی ہے، پچھے ہوئے ہیں، پلارہے ہیں
 خود اپنے نشے میں جھومتے ہیں وہ اپنا منہ آپ چومتے ہیں
 خرابِ مستی بنے ہوئے ہیں، ہلاکِ ہستی بنا رہے ہیں
 فضا سے نشہ برس رہا ہے، دماغ پھولوں میں بس رہا ہے
 وہ کون ہے جو ترس رہا ہے، سبھی کو میکش پلا رہے ہیں
 زمین نشہ، زمان نشہ، جہان نشہ، مکان نشہ
 مکان کیا، لامکان نشہ، ڈبو رہے ہیں، پلا رہے ہیں
 وہ رُوئے رنگیں، وہ موجِ یم، کہ جیسے دامنِ گل پہ شبنم
 یہ گرمیِ سخن کا ہے عالم، عرقِ عرق ہیں، نہا رہے ہیں
 یہ مست بلبل بہک رہی ہے، قریبِ عارض چپک رہی ہے
 گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے، وہ دستِ رنگیں بڑھا رہے ہیں
 یہ موجِ دریا، یہ ریگِ صحراء، یہ غنچہ و گل، یہ ماہ و انجم
 ذرا جو وہ مسکرا دیئے ہیں، یہ سب کے سب مسکرا رہے ہیں
 فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے کہ موجِ دریا ٹھہر گئی ہے
 سکوتِ نغمہ بنا ہوا ہے، وہ جیسے کچھ مگنکنا رہے ہیں
 اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر، رہے گا لیکن یہ نقشِ دل پر
 ہم اُن کا دامن پکڑ رہے ہیں، وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں
 یہ اشک جو بہ رہے ہیں پیہم، اگرچہ سب ہیں یہ حاصلِ غم
 مگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بھی کچھ مسکرا رہے ہیں
 ذرا جو دم بھر کو آنکھ چھپکی، یہ دیکھتا ہوں نئی سچکی
 طلسمِ صورت مٹا رہے ہیں، جمالِ معنی بنا رہے ہیں
 خوشی سے لبریز شیشِ جہت ہے، زبان پر شورِ تہنیت ہے
 یہ وقت وہ ہے جگر کے دل کو وہ اپنے دل سے ملا رہے ہیں

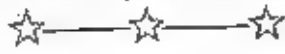
زرگسِ مستانہ

(خطاب بہ اصغر نور اللہ مرقدہ)

اپنا ہی سنا اسے زرگسِ مستانہ بنا دے
 ہر قید سے ہر رسم سے بیگانہ بنا دے
 اک برقِ ادا خرمین ہستی پہ گرا کر
 ہر دل ہے تری بزم میں لبریز مئے عشق
 تو ساقیِ میخانہ بھی، تو نشہ و نئے بھی
 اللہ نے تجھ کو مے و میخانہ بنایا
 تو ساقیِ میخانہ ہے میں رندِ بلا نوش
 یا دیدہ و دل میں مرے تو آپ سما جا
 قطرے میں وہ دریا ہے جو عالم کو ڈبو دے
 لیکن مجھے ہر قیدِ تعین سے بچا کر
 عالم تو ہے دیوانہ جگرِ حسن کی خاطر
 تو اپنے لئے حسن کو دیوانہ بنا دے

کب تک نگہ یار نہ ہو گی مہتمم
 منکر تو نہ بن حسن کے اعجازِ نظر کا
 جب تک کرمِ خاص کا دریا نہ اُٹد آئے
 بت خانے میں آنکھ تو کعبہ کی بنا ڈالی
 جو موج اُٹھے دل سے ترے جوشِ طلب میں
 جب مائلِ لطف نظر آئے وہ خود ہیں
 کونین بھی مل جائے تو دامن کو نہ پھیلا
 پھر عرض کر اس طرح جگرِ شوق و ادب سے
 تجھ کو نگہ یار! قسم میرے جنوں کی
 تو اپنا ہر اندازِ حریفانہ بنا دے
 کہنے کے لئے اپنے کو بیگانہ بنا دے
 تو اور بھی حال اپنا سفیہانہ بنا دے
 کعبہ میں پہنچ جائے تو بت خانہ بنا دے
 سر رکھ کے وہیں سجدہ شکرانہ بنا دے
 تو ہر نگہِ شوق کو افسانہ بنا دے
 کونین کو بھولا ہوا افسانہ بنا دے
 بے باک اگر جرأتِ زندانہ بنا دے
 ناصح کو بھی میرا ہی سا دیوانہ بنا دے

میں ہوں ترے قدموں میں، مجھے کچھ نہیں کہنا
اب جو بھی ترا لطف کریمانہ بنا دے



یادِ ایام

ذوقِ صورت ساز و شوقِ جلوہ ساماں داشتم
دست در دستِ نگارِ شوخ و سیر کوہ طور
از جمالِ حُسنِ ساقی، صد بہاراں در نظر
در فضائے آسماںِ حُسن، چون سیارگاں
کہ بزیرِ طور، پیہم دعوتِ ذوقِ نظر
آہ، آں ساعت کہ از فیضِ جمالِ ہم نشین
حسرتِ آفتِ سرشت و آرزوئے بے قرار
مخمرستانِ بودم و از فیضِ دردِ مستقل
کیست؟ کو گوید بہ سرکار از دلِ یکس پیام

یاد ایامے کہ منزل منزل جاں داشتم
بود حاصل ہر تمنائے کہ پناہاں داشتم
وز فروغِ یادہ بر خود صد گلستاں داشتم
اصغر دہم شاد دہم اختر غزلِ خواں داشتم
کہ بہ مقفش دولتِ حُسنِ خراماں داشتم
ہر نفس در ہر نظر، جنتِ بداماں داشتم
آنچہ در دل داشتم، بیحد و پایاں داشتم
پیش چشمِ شوق ہر سو مخمرستاں داشتم
چوں تو کافر ماجرا سرو خراماں داشتم

ہم چمن آوارہ ہم ہم بر بہ صحرای دادہ ام!
من جگر ہستم، ہماں کامروز دور افتادہ ام

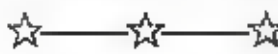
یاد ہیں اب تک جگر وہ بیقراری کے مزے
وہ جبینِ شوقِ اپنی، وہ کسی کے پائے ناز
حُسن کی سرشاریاں، خوابِ جوانی کی بہار
کہے کیا کیفیتِ ناز و نیازِ حُسن و عشق
وہ سکونِ بیخودی وہ جلوہ حیرتِ فروش
شوق کی رو داد پر وہ حُسن کی بے مہریاں
آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کچھ نگاہِ ناز کا
انتہائے سادگی و شوقِ سامانی کے لطف
دل مجسم درد ہے، دل ہی سے اک دن پوچھئے

دردِ پیہم کی لگاؤٹ، زخمِ کاری کے مزے
سجدہ ریزی کی لطافت، اشکباری کے مزے
عشق کی پیتابیاں، شبِ زندہ داری کے مزے
راز داری جانتی ہے راز داری کے مزے
وہ جنونِ شوق، وہ بے اختیار کے مزے
عشق کی فریاد پر وہ شرمساری کے مزے
دل ہی دل میں اُف! وہ ذوقِ جان نثاری کے مزے
ابتدائے عاشقی و خام کاری کے مزے
شام سے لے کر سحر تک دمِ شتاری کے مزے

۱۔ جناب شیخ اصغر حسین مین پوری، جناب شاد مین پوری اور جناب اختر رام پوری (جگر)

ہر خیال تازہ کی ناستواری کے مزے
 حسن کی ناستقل غفلت شعاری کے مزے
 وہ نگاہ شریگیں کی غم گساری کے مزے
 اُس کے ہر انداز پر بے اعتباری کے مزے
 خوشگواری کے مزے ناخوشگواری کے مزے
 اب کہاں بے گردگی میں پردہ داری کے مزے؟
 اب کہاں سے لایئے اُس میکساری کے مزے؟
 شورِ مستانہ کجا و جلوہ ساقی کجا
 آہ، آں منظر کجا و آں مئے باقی کجا

انے کنہ و ابستہ ترے دم سے نظامِ آرزو
 تو کہ جانِ حُسن ہے اور حُسن تیری جان ہے
 تیرنی ہر موجِ تپس، تیری ہر موجِ نظر
 تیرا ردئے آتشیں، سجودِ صبحِ دلبری
 چشم و دل پر وہ عنایت وہ کرم وہ مرحمت
 میں نہیں بھولا تجھے تجھ کو بھی شاید یاد ہو
 سنِ پیامِ آرزو، بعد از سلامِ آرزو
 ہاں مبارک ہو تجھے عینش دوامِ آرزو
 ایک برقی طور تھی، بالائے بامِ آرزو
 تیری زلفِ عنبریں، معبودِ شامِ آرزو
 اللہ اللہ! تو کرے یوں احترامِ آرزو
 مجھ پہ وہ چھایا ہوا کیفِ تمامِ آرزو
 حرفے از در و دل بے مدعاے گفتن است
 ماجرائے گفتن و صد ماجرائے گفتن است



مجدوب کی صدا

اگر نہیں ہوں تو کیونکر؟ جو ہوں تو کیا ہوں میں
 خطا معاف کہ مجبور التجا ہوں میں
 نظر کی چند شعاعوں میں گھر گیا ہوں میں
 وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے، یہ دیکھتا ہوں میں
 خدا نہیں ہوں مگر مظہرِ خدا ہوں میں
 خود اپنے حُسنِ صفائی پہ جتلا ہوں میں
 اسی تلاش و تجسس میں کھو گیا ہوں میں
 بیانِ جرمِ محبت ہے، جانتا ہوں میں
 فریبِ خورد و رنگینی ادا ہوں میں
 کمالِ بے بھری پر بھی کیا بلا ہوں میں
 تمام اصل و حقیقت کا آنا ہوں میں
 کرشمہ سازی ہنگامہ جہاں معلوم

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیک اور ریڈیو مائیک کے ساتھ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

جہاں عشق میں آوارگی نہ پوچھ مری گواہ ہیں مری رسوائیاں محبت میں جنوں عشق میں عربانیوں پہ میری نہ جا نبود و بود کا کل راز جس میں مضمر ہے فتادگی مرا شیوہ شگستگی مری شان سمجھ میں خاک نہ آئیں گے معنی و مطلب گراں ہے میری لطافت پہ یہ غبار وجود کدھر ہے؟ منظر ہستی کے دیکھنے والے! وہ جام اک مے بے رنگ کا پلا ساقی! بجا ہے حسن اگر مجھ پہ اعتماد کرے نگاہ شوق کو بھی رخصت کلام نہ دی قدم ذرا جوٹے جادۂ وفا سے کہیں گھسلا ہوا ہے مرے سامنے صحیفۂ عشق مٹائے لاکھ زمانہ، مٹا نہیں سکتا ہر ایک شے نظر آتی ہے خود مری تصویر فضائے دہر کی ہر موج جس سے رقص میں ہے جہاں نہ پھونک دیں آتش نوائیاں میری تصورات کی آئینہ بندیاں بے سود مجھے تلاش کر، اے بیخودی شوقی سمجھو! مجھے نہ چھیڑ بہت، اے نسیم صبحِ کرم! مٹا نہ صفحہ ہستی سے میرا نقش وجود

ازل سے گرم رو عرصہ بلا ہوں میں تمام شوق ہوں اور شوق بر ملا ہوں میں بہت قریب، بڑا دیر آشنا ہوں میں بساطِ عجز پہ وہ نقش ابتدا ہوں میں خود اپنی راہ حقیقت کا رہنما ہوں میں مجھے نہ سن کہ بہت دور کی صدا ہوں میں اُسے بقا مری سمجھو، اگر فنا ہوں میں یہ ساز وہ نہیں، جس ساز کی صدا ہوں میں کہ بھول کر بھی نہ پھر جو مانسوا ہوں میں دل ربودہ و آہ شکستہ پا ہوں میں مزاجِ حسن سے کس درجہ آشنا ہوں میں ہر ایک ذرہ پکارا کہ دیکھتا ہوں میں سمجھ رہا ہوں، مگر کیا سمجھ رہا ہوں میں اگر یہ سچ ہے کہ تیری ہی اک ادا ہوں میں جہاں سے منظرِ فطرت کو دیکھتا ہوں میں وہ ایک نغمہ بے ساز و بے صدا ہوں میں کہ سوز سینہ رباب با صفا ہوں میں تعینات کی دنیا سے ماورا ہوں میں پہنچ کے منزل مقصد پہ کھو گیا ہوں میں تمام شوق و شکایت کا ماجرا ہوں میں کہ فخر عاشقی و نازشِ وفا ہوں میں

جگر، یہ ہرزہ سرائی مری، یہ بے ربطی

یقین ہوا کسی ”مجذوب کی صدا“ ہوں میں

نغمہ اسلام

ہر طرف غل ہے، وہ آیا جگر بادہ پرست اثر نشہ صہبا سے سزا پا بدست
 شعر حافظ بزبان، جام بکف، شیشہ بدست بے خیر از ہمہ عالم، چہ بلند است و چہ پست
 شورِ مستانہ کہاں اور سخن وعظ کہاں
 آج یہ رند کہاں، انجمن وعظ کہاں
 جمع مومن بھی ہیں، عالم بھی ہیں، دیندار بھی ہیں معتدل رنگ کے بھی لوگ ہیں، اقرار بھی ہیں
 واقف راز سرا پردہ اسرار بھی ہیں دیں کے طالب بھی ہیں، دنیا کے طلبگار بھی ہیں
 کیا سمجھ کر یہ چلے آئے ہیں اپنے جی میں
 ان سے پوچھو تو کوئی، آپ ہیں کس گنتی میں
 جانتا ہوں کہ ہوں ذرا صل میں تنگ اسلام کچھ نہ اندیشہ آغاز نہ خوف انجام
 میری آشفٹہ مزاجی میں نہیں کوئی کلام وہی میخانہ و ساقی، وہی بادہ، وہی جام
 مجھ کو اپنی روش خاص سے انکار نہیں
 میرے شرب میں ریا کاری دیندار نہیں
 باہمہ رندی و سرمستی و عشرت طلبی ہوں در احمد مرسل کا غلام نسبی
 ”مرحبا سید ملکی مدنی العربی دل و جاں بادر فدایت چہ عجب خوش لقمی!“
 کیوں نہ پھر رحمت باری کا طلبگار ہوں میں
 ہاں مجھے فخر ہے اس پر کہ گنہگار ہوں میں
 وہ رسول عربی، فخر رسولان سلف ذات اقدس سے ملا جس کی زمانے کو شرف
 جس پہ نازل ہوا قرآن سا کامل مصحف جس کے تابع جن وانساں، ملائک کی بھی صف
 اک وہی شمع نبوت جو ضیا بار ہوئی
 ساری تاریک فضا مطلع الانوار ہوئی
 ہر زمانے میں پیسیر بھی، نبی بھی آئے مصلح ملتی و ملکی بھی، رشی بھی آئے
 حق کے جو بندہ بھی اور حق کے ولی بھی آئے واقف محرم سر ازیلی بھی آئے
 آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
 کوئی آیا نہ مگر رحمت عالم بن کر

کس نے جامِ مے تو حید پلایا سب کو؟ کس نے پیغامِ مساوات سنایا سب کو؟
راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو؟ کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو؟

تم نے دیکھا ہے بہت دفتر پیغام اس کا

اور ایسا کوئی گذرا ہو تو لو نام اس کا

تم میں صدیق سا گذرا ہو تو للہ! دکھاؤ تم نے فاروق سا دیکھا ہو تو للہ! دکھاؤ

کوئی عثمان سا آیا ہو تو للہ! دکھاؤ کوئی حیدر سا جو پایا ہو تو للہ! دکھاؤ

ثانی احمد بے میم تو کیا لاؤ گے

اس کی امت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے

غم نہ کر مسلم حیرت زدہ و مہر بلب آشنا رنگِ فنا سے نہیں تیرا مذہب

یہ حوادث ہیں ترے تیری ترقی کے سبب تیرے حای ہیں نبی، تیرا نگہبان ہے رب

فتنے اکثر بہت اس طرح کے اٹھواے گئے

ایسے دجال زمانے میں بہت آئے، گئے



ہلالِ عید

آہ اور عشرت فزائے روح انسانی ہلال! آہ او قدت نمائے شانِ یزدانی، ہلال!

آہ او فطرتِ لقائے بزمِ نورانی، ہلال! آہ او صورت کشائے ذوق و جدائی، ہلال!

تُو نویدِ انبساطِ خاطرِ پشمرده ہے

حسرتِ اُس مایوس پر، اس پر بھی جو افسردہ ہے

دیکھتا ہوں میں تجھے، تو دیکھتا ہے میرا حال جانِ مضطر، قلبِ آزرده، پریشاں سر کے بال

تو دلیلِ اوج و رفعت، میں سراپاِ پامال آہ یہ دن، آہ یہ شب، آہ یہ شامِ نلال

ازدل افکارِ جنوں جبہ دل افکاریِ مپرس

آہ غمِ خوارِ غم! حالیِ غمِ آزادیِ مپرس

حالِ میرا پوچھتا ہے، مجھ سے تُو، اے بے خبر! ہو چکی تارِ یک چشمِ یابس میں شامِ و سحر

آہ وہ غم کی کہانی بڑھ گئی ہے کس قدر! جس کو میں سمجھے ہوئے تھا داستانِ مختصر

سال بھر پیچھے عیادت کو مری آیا ہے تُو

لا، دوائے اضطرابِ درد کیا لایا ہے تُو

خیر تو خاموش ہے، تو ہم سمجھتے ہیں یہ راز خیر، تو چُپ ہے، تو ہم خود ہی بجاتے ہیں یہ ساز
 اٹھ گئی تھی جب سے تیری جانب اک انکشِ ناز ہے اسی دن سے طبیعت تیری اس درجہ گداز
 تیرے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی یہاں بھید ہے
 تو قلیلِ غم نہیں ہے، زندہ جاوید ہے
 مجھ میں تجھ میں، اک زمین و آسماں کا فرق ہے میں ہوں مضطر، تو ہوائے دلکشی میں غرق ہے
 تیرے آگے زرد چہرہ آفتابِ شرق ہے اور میرے واسطے تیری جھلک ہی برق ہے
 ہاں، مگر اک امتیازِ عاشقی مجھ میں بھی ہے
 جانتا ہوں میں کہ جو مجھ میں ہے وہ تجھ میں بھی ہے
 فرق اتنا ہے کہ تُو ہے کامیاب آرزو وڑھ حسرت ہوں میں، تو آفتابِ آرزو
 اٹھ چکا ہے تیری نظروں سے حجابِ آرزو اور اب تک گم ہوں میں زیرِ نقابِ آرزو
 لاکھ پر بھاری ہے تیری ایک ہستی نحیف
 دیکھ لینے سے ترے گھل جاتی ہے چشمِ ضعیف
 اک زمانہ تھا کہ تھی میری طبیعت بھی گداز اب تو ہوں اک ہستی موہوم کا خاموش ساز
 جتنے بجدے تھے جس میں، کر چکا صرف نیاز ہو چکی مہمانیِ غم اٹھ چکے اب دل کے راز
 بدر تھا پہلے، مگر اب میں ہلائی ہو گیا
 ہجر میں اتنا گھلا، نقشِ خیالی ہو گیا
 آہ، رخصت تجھ سے ہو لوں، تیری رخصت دیکھ لوں آ کہ دم بھر اور اپنا نقشِ حسرت دیکھ لوں
 آ کہ تیرے آئینے میں خطِ قسمت دیکھ لوں آ کہ اپنے دیکھنے والے کی صورت دیکھ لوں
 دیکھ کر صورت تری، جان اپنی دے دوں گا تجھے
 اب کے دیکھا ہے تجھے، اب کے نہ دیکھوں گا تجھے

(انعام)

برخویش نگاہے کن

نورِ مطلق کی ضیا اس عرش کے تارے میں دیکھ
 اعتبارِ حسن پر یہ شورش و مستی تری!
 ختم ہونے کے قریب آیا ہے افسانہ ترا
 قعرِ پستی سے ابھر اور اپنی خود آواز بن
 اپنی خوابیدہ حقیقت دل کے گہوارے میں دیکھ
 کچھ خبر بھی ہے تجھے، کیا چیز ہے ہستی تری
 خود پیامِ مرگ ہے محدود ہو جانا ترا
 نغمہ بنتا ہے اگر، نغمہ بے آواز بن

تو چھپانا کیوں ہے اپنے حسنِ عریانی کا راز
بوئے گل کی طرح پھیلا دے پریشانی کا راز

اک جدائی کے سبب ہنگامہ برپا ہو گیا
تشنگی کو بحرِ نا پیدا کنارِ دل بنا
پھر انہیں موجوں کو تو کشتی بنا ساحل بنا
ہر نفس میں تیرے پوشیدہ ہے میخانہ ترا
کل فضائے دہراک چھوٹا سا پیانہ ترا
زندگی کا راز پہاں انتشارِ غم میں ہے
اک پیامِ مستقل ہر نعمتِ برہم میں ہے
غم سے وابستہ ہے ہر عنوانِ بابِ زندگی
ہے یہی بسمِ اللہ اُمّ الکتابِ زندگی

(نا تمام)

تخمیس برغزلِ اردو

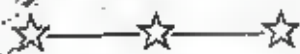
غمِ عاشقی ہے، فغاں گو بگو ہے
کہیں سبزہ و گل، کہیں دشت ہو ہے
ہر اک لحظہ منتظر نیا زور و ہے
تری آرزو ہے، تری جستجو ہے
خیال ایک جانب، نگہ چار سو ہے
مجت ہی ناظم، مجت ہی ناخر
مجت ہی باطن، مجت ہی ظاہر
مجت ہی میں ہوں، مجت ہی تو ہے
ترا وصل اچھا، ترا ہجر پیارا
ترا شعلہٴ عشق آنکھوں کا تارا
دھڑکتے ہوئے دل کی تسکین تو ہے
وہ عارضِ شگفتہ گلِ باغِ جنت
وہ چشمِ سیہ، سائے لبرِ رحمت
کہیں عشق ہی عشق ہے مست و رسوا
غرض چھان ڈالی محبت کی دنیا
وہ کہتے ہیں سب، دل کے انداز کہئے
نہر اک راز بے پردہ راز کہئے
مجت کا انجام و آغاز کہئے
کہاں تک غمِ عشق شیراز کہئے

کہ ہر آرزو محتر آرزو ہے!



تخمیس برغزل فارسی

گئے لخت لخت جگر می فروشم گئے حاصل چشم تر می فروشم
 بہر گام لعل و گہر می فروشم نہ تنہا دل و جان و سر می فروشم
 دو عالم بہ تیغ نظر می فروشم
 ازل سے ہوں خو کردہ یاس و حراماں مری طبع خود دار ہے ناپیشیاں
 مبادا کہ ہو مشکل شوق آساں من آں درد مندم کہ در درد دو درماں
 دعا می فروشم، اثر می فروشم
 جدا ہے زمانے سے میرے طبیعت گوارا نہیں ایک دم، ایک حالت
 وہی میں، وہی تو، وہی چشم رحمت چہ ایذا پسندم کو در عین قربت
 بشام جدائی سحر می فروشم
 سنے تھے بہت میں نے بھی ہی فسانے نگاہوں میں پھرتے تھے اگلے زمانے
 دکھایا مجھے بھی ہی عشق و فنا نے بہر لحظہ می گیرم از غیب جانے
 بہر لمحہ جانِ دگر می فروشم
 ترے ہاتھ مجھے ہوں شہادت کا خواہاں نہ رکھ میری گردن پہ غیروں کا احساں
 یہ جاں تیرے صدقے، یہ دل تیرے قرباں بہ تیغ اشارت سر افزاں گرداں
 بگرد سرائے تو سر می فروشم
 بلندی ہی باقی رہی اب نہ پستی فدا تجھ پہ میں اور مری سے پرستی
 یہی ہے بس اب حاصل حسن ہستی خوشا ذوق و مستی کہ ہم ذوق و مستی
 سرت گروم و بے خبر می فروشم
 غزل می سرایم چہ حال و چہ قال است خیال است مستی و مستی خیال است
 بجانِ محبت! کہ خونم حلال است جگر، ایں چہ شور و جگر ایں چہ حال است
 کہ سردام و باز سر می فروشم



مثنوی عرفانِ خودی

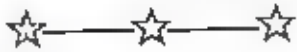
(المعروف بہ ”سرورِ حقیقت“)

میرا نہیں غیر کوئی محرم
 غنچوں میں نہاں ہیں میرے اسرار
 ذروں میں چمک ہے میرے دم سے
 ہر بام ہے کوہِ طور میرا
 ہے جسم میں سب کے جان مجھ سے
 میں جسم بھی اور جان بھی ہوں
 یعنی یہ جہاں نہیں ہے میں ہوں
 کعبے کی مرے سب سے بنیاد
 ناقوس کہیں، کہیں ازاں ہوں
 ہر قلب میں ہے مقام میرا
 حسن اک نگاہِ ناز میری
 دریا میری چشمِ تر سے پیدا
 کیا ان کا بیاں کریں زبانیں
 ہوش و خرد و ہوس سے باہر
 اک بحر ہے میرے ظرف میں گم
 خود موت ہوں، خود حیات ہوں میں
 سب اصل و مجاز میرے انداز
 گھٹنے پہ جو آئیں میرے اسرار
 اک بات میں سینکڑوں ترنم

سب مجھ میں ہے کائناتِ عالم
 پھولوں میں عیاں ہیں میرے انوار
 قطروں میں جھلک ہے میرے دم سے
 عالم پہ محیط نور میرا
 وابستہ ہے گلِ جہان مجھ سے
 میں دل میں ہوں اور زبان بھی ہوں
 یہ کون و مکاں نہیں ہے، میں ہوں
 بت خانہ مرے قدم سے آباد
 نغمہ ہوں کہیں، کہیں فغاں ہوں
 فیضان ہے سب پہ عام میرا
 عشق اک صفتِ نیاز میری
 صحرا مری خاکِ در سے پیدا
 محدود نہیں ہیں یہ میری شانیں
 میں اُن کی دسترس سے باہر
 گن میرے ہر ایک حرف میں گم
 خود ذات ہوں، خود صفات ہوں میں
 کونیں کا راز میرے انداز
 اوراق ہوں دو جہاں کے پیکار
 اک چپ میں ہزار ہا تکلم!

چہرے سے جو میں نقاب اٹھا دوں
داہن کو اگر نچوڑ دوں میں
احساس کی آنکھ سے ہوں مستور
کیوں کر ہوں مرے شمار عالم
لیکن بخدا، خدا نہیں ہوں!
یہ شانِ عبودیت ہے میری
پابند شریعتِ نبی ہوں

پروانوں کو شمع سے مٹھوا دوں
دریا کا غرور توڑ دوں میں
ادراک کی سرحدوں سے ہوں دور
ہر سانس میں ہیں ہزار عالم
اس کفر میں مبتلا نہیں ہوں!
خود ذاتِ میری صفت ہے میری
خاکِ ویر دولتِ غنی ہوں



واسوخت درغزل

دل ہی کو صنم بنائیں گے ہم
تجھ سے بھی سوا حسین بن کر
وہ دن بھی قریب ہیں کہ ظالم!
باطن میں ترے قریب رہ کر
زندہ ہی رہے گی مستی عشق!
چھٹا ہے کہیں ترا تصور

آئی گے کہیں نہ جائیں گے ہم
اپنا سا تجھے بنائیں گے ہم
تو روئے گا مسکرائیں گے ہم
ظاہر میں نظر نہ آئیں گے ہم
مرنے پہ بھی مرنے جائیں گے ہم
ساتھ آنے ہیں ساتھ جائیں گے ہم



کوئی جو نہیں، نہ ہو ہمارا
تعمیر کنشیتِ دل کو ڈھا کر
رو پوش تری نظر سے ہو کر
باطن میں ہو جو بھی دل کی حالت
ہر بات میں کر کے بات پیدا
پہلے دے کر فریبِ وعدہ
پھر کر کے خرابِ شوقِ برسوں
جنگل جنگل زلانی والے!
دیوانہ کی بڑ سمجھ نہ اس کو

اللہ سے لو لگائیں گے ہم
اک کعبہ نو بنائیں گے ہم
پہروں تجھے یاد آئیں گے ہم
ظاہر میں بہت ستائیں گے ہم
جب چاہیں گے، روٹھ جائیں گے ہم
امیدِ کرم دلائیں گے ہم
صورت نہ تجھے دکھائیں گے ہم
کوئی کوئی زلائیں گے ہم
جو کہتے ہیں کر دکھائیں گے ہم

بیزار جگر کی شرم رکھ لے
کہہ دے، ترے ناز اٹھائیں گے ہم



میرے لئے

اُف وہ روئے تابناک و چشمِ تر میرے لئے
ہر نفس میں ایک دُنیاےِ محبت نو بہ نو
حیف! وہ لغزیدہ لغزیدہ قدم میری طرف
وہ رُخِ رنگیں پہ انوارِ محبت زرد زرد
سر سے پاتک آہ وہ اک پیکرِ حُسنِ حزیں!
سرد سرد آہوں میں تاثیرِ محبت گرم گرم
جوشِ غم، جوشِ حیا، آغازِ عشق، احساسِ حُسن
سامنے آتے ہی آتے وہ تنفس تیز تر
وہ سرک جانا یکا یک روئے تاباں سے نقاب
ہر ادائے جاں نوازی، حُسنِ خیز و عشقِ خیز
اُف! وہ آغوشِ تہی، بیتاب آغوشِ دگر
ہائے وہ رنگین رُخ و سیمیں تن و زریں کمر
شبنمِ آلودہ وہ آنکھیں، وہ گلاب افشاں جبین
اس نگاہِ ناز میں وہ ہلکی ہلکی جنبشیں!
میں سراپا بے نیاز ربط و ضبطِ حُسن و عشق
وہ مری آزاد فطرت وہ مری تمکین و ہوش
اولِ اول آہ، وہ دل میں میرے احساسِ عشق
لحظہ لحظہ وہ میرا پیہم سکوت مضطرب

ہائے! وہ زلفِ پریشاں تا کمر میرے لئے
ہر نظر میں اک پیامِ نازہ تر میرے لئے
ہائے! وہ وزِ دیدہ دزدیدہ نظر میرے لئے
وہ لبِ نازک پہ طوفانِ دگر میرے لئے
چار جانب دیدہ حسرتِ نگر میرے لئے
خشک خشک آنکھوں میں جوشِ اتک تر میرے لئے
کشکش ہی کشکش آٹھوں پہر میرے لئے
سینہ شفاف وہ زیر و زبر میرے لئے
حیرت افزا رونقِ دیوار و در میرے لئے
پھر بھی ہر اک سعیِ پیہم بے اثر میرے لئے
اُف! وہ دردِ شوقِ محتاجِ اثر میرے لئے
ہائے! وہ لعلیں لب و سلکِ گہر میرے لئے
وہ دھڑکتا دل، وہ گھبرائی نظر میرے لئے
معنے بے لفظ و شرحِ مختصر میرے لئے
وہ مجسمِ حُسن و عشقِ معتبر میرے لئے
وہ شکستِ حُسن، وہ پیچی نظر میرے لئے
آخر آخر اُف، وہ نوکِ نیشتر میرے لئے
لحہ لحہ عالمِ نوعِ دگر میرے لئے

اُف وہ کہتا اس کا پھر باہوں میں باہیں ڈال کر
میں جگر کے واسطے ہوں اور جگر میرے لئے



رُبَاعِی

صد شکر کہ پہلو میں میرے دل نہ رہا وہ کشتہ صد فریب منزل نہ رہا
یہ کیا کم ہے کہ تیرا بندہ ہے جگر اس کا کیا غم کہ تیرے قابل نہ رہا



بادۂ شیراز

غزلیات

اے کہ می پرسی ز کار ما و جہد کار ما چاک شد از دست ماہر پردہ اسرار ما
مادیک تظارۂ نقش و نگار حسن خویش شہد طناز فطرت آئینہ بردار ما
صد حقیقت عرض میگرد، اے سکوت بخودی! پردہ دار حرف مطلب شد لب گفتار ما

صد بہارِ خلد، یعنی خندہ دزدیدہ است

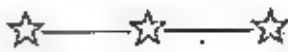
شورِ محشر چیست؟ غوغائے پس دیوار ما



بیا، بجان ما ہمیں سرور جاودان ما ہزار بادہ می چکد زجان ما بہ جان ما
شراب و ساغر و سبو گل و بہار آب جو دوصد جہان رنگ و بو، نمود یک جہان ما
گلے و جام سرخوشی، خوشی و صد شگفتگی شگفتگی و صد خوشی ز سر خوشی شان ما
نسیم شکرِ غم گند، وظیفہ دم بدم گند سر نیاز خم گند بہ خاک آستان ما
بیا، بنوش جامِ مے، چہ جامِ مے، تمام مے کہ ما اذن عام مے، خوش است ارمغان ما
کنوں بسوئے مانگر، بہ رنگ و بوئے مانگر بہ حسن روئے مانگر، چہ حاجت بیان ما

بہ ہر زمیں کہ بختہ ایم، طلسم تازہ بستہ ایم

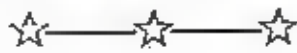
غرور ہا شکستہ ایم گواہ ما بیان ما



آوارہ ہر نگاہ ز جرم نگاہ کیست؟ دیدن گناہ ماست، نہ دیدن گناہ کیست؟
دیوانہ وار جاں بفشاندن گناہ من بیگانہ وار رخ نہ نمودن گناہ کیست؟

پیدا زہر نگاہ خریدم ہزار حسن
 خطر! بزن سرود بہ اندازِ دلبری
 سر مستقیم رُود بے دل ز سینہ ہا
 عالم ہمہ نگاہ و صدائے زہر نگاہ
 شغلِ گناہ کردن و رفتن، گناہ من
 ساتی! بریز بادہ و از کیفِ سردمی
 ہستی تمام مستی، و مستی تمام کفر
 مست اند اہل درد و نہ بیند یک نفس
 پنہاں بیک نگاہ ندیدم نگاہ کیست
 ایں دشنہ باز خواں کہ ”نگاہ کیست؟
 عکس نگاہ و پرتو زلفِ سیاہ کیست؟
 ایں عالم نگاہ فریب نگاہ کیست؟
 ذوقِ گناہ دادن و دیدن گناہ کیست؟
 آں ہم نیکیے ناگہ کو گویم نگاہ کیست؟
 دائم بہ جام و میکدہ کافر نگاہ کیست؟
 درد اسن نسیم سحر خاکِ راہ کیست؟

صد نقش سجدہ تا در بت خانہ دیدہ ام
 ایں ہم جگر اشارہ طرفِ کلاہ کیست؟



بوائے دل از غبار می آید
 ایں ندائے زدار می آید
 عشق در ہر دیار نالہ کند
 سینہ خالی کنید از دل ہا
 مژدہ اے دل! کہ بجز استقبال
 ہم نشیں رازِ عشق می پرسد
 شاید آں شہ سوار میں آید
 ”جانِ فدا کن کہ یار می آید“
 حسن از ہر دیار می آید
 یارِ نیر شکار می آید
 رختش بے قرار می آید
 نالہ بے اختیار می آید

من بہ پنہاں جگر تلاش کنم
 اور نگر آشکار میں آید

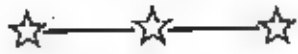


مست و سرشار و زمیں بوس صبا میں آید
 برو، اے ناصح ناداں! مکن اُورا بدنام
 خواہ در صومعہ رو، خواہ بہ میخانہ نشین!
 ولم از سوزِ تغافل ہمہ تن شعلہ بجاں ست
 مژدہ، اے دل! کہ میجا بہ قفا می آید
 کز جفا ہاش مرا بوائے وفا میں آید
 اور بہ ہر رنگ کہ خواہی بخند! می آید
 در کنم شکوہ، از اں نیر حیا می آید

دین ایں نیست کہ جاں تازہ چرا کرد نسیم
 دیدن ایں است کہ آخر ز گجائی آید



لب نہ بسند و بہر مومے زبانم دادند پاشکستند و بہر سومے نشانم دادند
 تاب از دل بر بودند و فغانم دادند تیراز دست بہرند، کمانم دادند
 دل سرگشته و چشم نگرانم دادند
 آنچه دادند، پے شورش جانم دادند



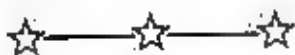
گویند کہ ہم زاہد در دیدہ بصر دارہ دارد بصرے، اما تعین نظر دارد
 از ذات و صفات اد، آں کس کہ خبر دارد ہر لحظہ و ہر ساعت دنیائے دگر دارد
 بے کیفی در عشق، صد کیف و اثر دارد زیں سر نہاں، لیکن ہر کس نہ خبر دارد
 زیں اصل و نزاکت ہا زاہد چہ خبر دارد؟ کو حسن نظر دارد، بخت بہ ستر دارد
 آں کس کہ بجوش آمد، در بے خبری گم شد وان کس کہ ز خود گم شد، از جملہ خبر دارد
 لرزیدن و رقصیدن، اے صوفی بے معنی! این جملہ کہ تو داری، ہر شعبہ گر دارد
 در عین وصال اد، یا ہم اثر دوری اے پیر رہ عشقم! این پردہ کہ بردار؟
 از حسن عمل غافل، یک لحظہ مباش اے دل! ہر شے کہ توی بینی، واللہ کہ نظر دارد
 مفتی بحق منصور، نوشت عجب فتویٰ کافیت پے قلش این جرم کہ سردار
 در عین فنائے عشق از خضر چہ کار، اے دل؟ این رہ کہ بہ پیاید از سایہ حذر دارد
 آں مے کہ بہ میخانہ، آتش زند اندر دل در خانقہ زاہد تاثیر دگر دارد
 من عاشق آں شوخ کو از سر محبوبی مانوس دلے دارد، بیگانہ نظر دارد
 با جملہ قدح خوراں ہر چند کہ ربطے ہست با درد کشاں ساقی پیان دگر دارد
 در عاشقی و مستی، ہشیار بیا، اے دل!

آں رید خرابات، نامش کہ جگر خوانی

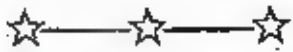
بر روی صفائے تو "ہم از تو نظر دارد"



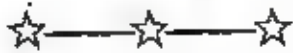
کے کہ چشم بیدارے ندارد ز انوار خودی کارے ندارد
 جنون عشق، اے دل مسند نیست اگر ہر آبلہ خارے ندارد
 جنون عشق مارا قید کر دست دراں زنداں کہ دیوارے ندارد



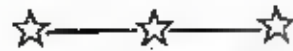
دل بہ تھمتا بھرو، جاں بہ میجا رسید
 ایں غم دُنیا و دیں تا بہ کجا روز و شب
 فوڑہ بہ صحرا برفت، قطرہ بہ دُریا رسید
 خیز، کہ باد بہار، باے و مینا رسید



خبر سچ زمزل کہ جاناں نہ رسید
 عمر آخر شدو افسانہ بیاباں نہ رسید



از شبا بش شراب ی ریزد
 عجب ہنگامہ زیرِ بام کردند
 ز آفتاب، آفتاب می ریزد
 تماشا خاص و سودا عام... کروند
 عجب ظرفی خمارے کرد پیدا
 سے دو شینہ را بد نام کردند



در رُو عشق شادماں بگور!
 پردہ بردار از زرخ عالم
 گاہ نعرہ کنان و مست برو!
 گاہ با نالہ و فغان بگور!!
 سینہ بشگاف و جلوہ حاصل کن!
 جاں بکف آر واز جہاں بگور!!
 گر تو داری ہوائے ملک حبیب
 خیزو از قیدِ جسم و جاں بگور!!
 پابجولاں بہ پیش یار برو!
 دست افشاں زایں و آن بگور!!
 رہ منزل شدست خارستاں!
 باز با چشم گل فشاں بگور!!
 درد اگر نیست، نالہ سچ مشو!
 گر کیس نیست، از مکاں بگور!!
 لطفِ نظارۂ جمالِ حبیب
 حاصل این ست و ہم ازاں بگور!!

ہم چوں نقشِ قدمِ جگر منشین

صورتِ گردِ کارواں بگور!!



کعبہ درپائے یار دیدم دوش
 حسن پنہاں و جلوہ ہاست بجوش
 ایں چہ گفتی جگر خموش، خموش
 اصل خاموش و فرعہا بخروش
 سحر آمد ایں نڈاز سروش
 سینہ بخراش و بیہدہ مخروش
 ہوش در مستی است و دل مد ہوش
 نغمہ در ساز و سازِ ما خاموش
 از رہِ خانقہ گزشم دوش!
 خاست ناگہ صدائے نوشانوس
 دل پریشاں حواس و حسنِ نیاز
 شیشہ نازک تراست و بادہ بجوش

اے اسیر تعینات جہاں! تو چہ دانی کہ چہبت مستی و ہوش!
 بادہ پیش آرا تاکنم آغاز داستاں ہائے عشق آفت کوش
 حسن در جنگ زرگری ست بہ عشق عشق راگو کہ واکند آغوش
 عشق در بے لبایم فرمود ”بجز ایں دیگرے لباس ہوش“
 بے خبر رو کہ ہوش در مستی است ہوشیار آ کہ بیخودی ست بہ ہوش
 ایں بود جسم ماشود بے حس آں مبادا کہ جاں شود خاموش
 گفتمے بودم فسانہ از مستی! تو شنیدی چہ از عالم ہوش
 قاضیا! ایک نظر بسوئے جگر آں کہ یک خادم است و حلقہ بگوش



شب مہ است و لب جوئے وقتنہ ہا خاموش
 بگیر! جام بگیر و بنوش! بادہ بنوش



آں کیست نہاں در غم؟ ایں کیست نہاں در دل
 دل رقص کنان در غم، غم رقص کنان در دل
 جاں از دل و دل از جاں بیگانہ و مستغنی
 گاہے پتہیں در جاں، گاہے بہ چناں در دل
 سیری ز غم عشقش از وصل نہ شد ہرگز
 صد شوق ہماں در جاں، صد ذوق ہماں در دل
 ہر آنچہ نہاں ست، ایں، سا زند عیاں بر خلق
 ہر آنچہ عیاں ست، آں کردند نہاں در دل



دل عطا کن! تا در دلش درد ہا پیدا کنم
 از جلال غیرت صد طور ہا بر ہم زخم
 دیدہ دہ، تا بروش دل زبا پیدا کنم
 مگر ز چاک سینہ خود برقی لا پیدا کنم
 کہ زبارگی صورت در جہاں آتش زخم
 کہ زبے رنگی نسبت رنگ ہا پیدا کنم

۱۔ مراد از ذات اقدس مولائی و مرشدی حضرت مولانا الحاج قاضی سید عبدالغنی شاہ صاحب

منگلوری نور اللہ مرقدہ ۱۲ (جگر)

بیخودی درده! کہ مستانه شوم بر تو فدا
 در زبان بے زبانی ماجرائے گفتن است
 وز خودی بگزار مارا، تا خدا پیدا کنم
 حکم فرما، تا صدائے بے صدا پیدا کنم
 یک نگاہ کار فرما از جہان دلبری
 کز فنائے خویشتن ملک بقا پیدا کنم
 الفراق، اے دل! کہ بہر دردی باید مکاں
 الوداع، اے جاں! کہ بہر یار جا پیدا کنم
 یک دے بگزار مارا از نصیحت ہا جگر!
 تاز آہ مضطرب دست دعا پیدا کنم!



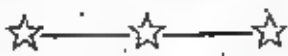
انے دیدہ اگر خواہی! آہے ز شکر ہم
 داریم بہ دل چیزے، نازک ز گل ترہم
 آہستہ بریز آہے تائب نہ شود ترہم
 اے موج نسیم صبح، ازیں طرز سبک ترہم
 او عین لطافت ہست شاید نہ شود برہم
 اے عاشق نظارہ! دیدار سبک ترہم
 آں می کہ بے خوردم، زیں پیش ہی بوید
 اے واعظ خوش نیت! برخیز ز کوثر ہم
 ایں موج نسیم صبح دل را کہ بہ جنبا نید
 دل داشت بے غم ہا، دیدیم مگر آخر
 در سایہ زلف او چوں رفت، ز خود گم شد
 می داشت مگر نسبت، زان زلف معنبر ہم
 تارا جی افسر ہم، بربادی لشکر ہم
 آں آہ کہ باز آمد، زیں گنبد بے درہم
 صد خوں بہ فلک دیدم از دیدہ اختر ہم
 من عکس رخس دیدم، نزدیک بساغر ہم
 کاتش بزند در دل، وز آب کند ترہم
 اے اہل وفا! بیند ایں طرفہ جفائے او
 تہا نہ من بے دل در ہجر تو رنجورم!
 زاہد بہ نماز و حج، یک جلوہ زدورش یافت
 اے اہل وفا! بیند ایں طرفہ جفائے او
 خاموش فغانے کن! ہر موائے زبانی کن!!
 زیں طرح جگر خروش! تادانہ کند در ہم

مست! و سرشار و غزل خواں می روم
 جام دردست و صراحی در بغل
 از سر جاں، سوئے جانان میں روم
 پاچہ ساز و پاچہ ساماں می روم!
 عشق دشوار ست شوقم رہنما
 راہ پر خار است و آساں می روم
 یوسف گم گشتہ ام در مصر عشق
 باز سوئے پیر کنعاں می روم
 در بلائے عشق خود راہ کردہ گم
 در ہوائے شوق رقصاں می روم
 دل بسویش بستہ، فارغ از جہاں
 رخ بسویش کردہ، حیراں می روم

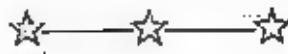
معنی عشقت ترک ہر طلب من بہ غم ہائے فراواں می روم
 مستی عشق است و یادِ روئے دوست ہم بکفر وہم بہ ایمان می روم
 جاں ہمہ غم ساختہ، رقص بہ عشق دل ہمہ خون کردہ خنداں می روم
 خاک منگور است چوں دامن کشاں
 از در الم دست افشاں می روم



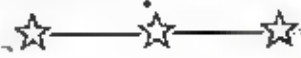
صدمہ انتظار راچہ کنم چه کنم، جان زار راچہ کنم؟
 کردم از روزگار قطع نظر گشیش روز گار راچہ کنم؟
 او بکار است وہم جہاں درکار دل نا کردہ کار راچہ کنم؟
 توبہ کردم زے پرستی، لیک ابرو باد بہار راچہ کنم؟
 ترک یاری و یار آسان ست مشکل لافست، یار راچہ کنم؟
 یونے آن پیرہن بیار نسیم! یونے باغ و من بہار راچہ کنم؟
 یار در باغ و من بہ صحرا مست دل وحشت شعار راچہ کنم؟
 روئے رنگین یار من نما! ساغر زرنگار راچہ کنم؟
 او نجواب است و فتنہ بہا بیدار حسرت بے قرار راچہ کنم؟
 ضبط چیزے ست ناصحا! لیکن درد بہمت شکار راچہ کنم؟
 آن گل و آن بہار مارا بس ایس گل و ایس بہار راچہ کنم؟
 ہجر دشوار و وصل آسان تر لیک، آئین یار راچہ کنم؟
 موجِ خوب از سرم گزشت جگر!
 من لب بجوئے بار راچہ کنم؟



من کہ آزار کش غمزہ خون ریز تو ام معذرت خواہ نگاہ کرم آمیز تو ام
 شادم از لذت دیدار و ز سر مستی شوق بے خبر از اثر حسن دل آویز تو ام
 نگہ لطف بفرما بہ من زار، کہ من نو گرفتار خم زلف بلا خیز تو ام



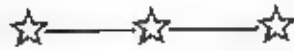
بنشین بخیال او، و زرد یک آہے کن
زلف از رخ خود بر وار، و ز لطف نگاہے کن
ز اں بعد ز سر تا پا بر خویش نگاہے کن
یعنی شب تارم را رشکِ شب ماہے کن



مطرب! بزن سر در دے، ساقی! بیار بادہ
در شوق آرزویت، سرگرم جستجویت
تاجاں شود منور، تادل شود گشادہ
ہم عاشقانِ رنگیں، ہم زاہدانِ سادہ
او تیغِ ناز در کف، من سر بہ پا نہادہ
روشن نمی تو اں کرد اما ز نور بادہ
زباں خشک خشک و حورانِ سادہ سادہ
چوں در بہشت رفتم، دیدم ہمیں تماشا

در کوئے سے فروشاں دیدیم زاہداں را

سجادہ رہن کردہ، تقویٰ بہ یاد دادہ



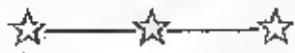
اے کہ ز روئے عاشقاں پردہ برخ کشیدہ
از دل من نہاں مشو، اے کہ تو جانِ عاشقی!
جامہ صبر و عقل و ہوش از ہمہ جا دیدہ
از نظرم نہاں مشو، اے کہ تو نور دیدہ
بے خبرم ز خویشتم ورنہ تو صد ہزار بار
گاہ زجاں گزشتہ، گاہ بہ دل رسیدہ



دیدیم بہ میخانہ پیرے ز جوان اولے
از عشرت بے عشقت صد آہ و فغاں اولے
از بارگاہِ حسن یک ستمہ پیرس از من
ایں یک ستم ظاہر خوشتر ز ہزاراں لطف
صد سود بہ من گفتی از ترکِ عیش، ناخ!
از قربت و از دوری ہر آنچہ کہ بہ پسندی
ہر چند دریں وقتے تمکین تو ہم خوب است
مرا گانش بہ از تیرو ابرو ز کمال اولے
ایں درد کہ تو دادی، واللہ کہ زجاں اولے
راز یست کہ می فہمید چشم نگراں اولے
واں یک نظر پہاں از ہر دو جہاں اولے
ایں نکتہ نہ فہمیدی، در عشق زیاں اولے
ہذاصلکہ ہماں خوشتر، ہذا کہ ہماں اولے
در حکم لیکن، مستی ست از اں اولے
ایں نظم جگر گفتی، گل گفتی و ذر سختی
ہم رنگِ زباں بہتر، ہم حسنِ بیاں اولے



مست است جگر از مے، مست مے ناب اولے
 من طالب آرام، آرام نمی خواهم
 از خرقہ و عمامہ من پیچ نمی دانم!
 در آرزوئے بحرے می پویم و می جویم
 بسیار بدم گفتی، وز من بشنو، واعظ!
 من عاشق شیدا یم، از غیر ندارم کار
 من ساغر مے در کف، خطر ب تو بخوال بر دوف
 او خانہ خرابے ہست، او خانہ خراب اولے
 بر جان من خستہ، صد گونہ عذاب اولے
 کہ گہ مگر ایں سماں در رہن شراب اولے
 زیں موجہ وزیں دریا ماراست سراب اولے
 از ہر دو جہان تو، یک جام شراب اولے
 کز مہر فلک از تو صد چشم عتاب اولے
 صد توبہ و صد طاعت غرق مے ناب اولے
 تاکہ جگر ایں مستی، بشنو سخن حافظ
 ”زندگی و ہوساکی، در عہد شباب اولے“



انے آنکہ بہم کردہ ہشیاری و سرمستی
 عاقل زدلم منشیں، اے جان از سرمستی
 صد حسن در اں پنہاں، صد جلوہ از اں پیدا
 از اول گام عشق کردیم غبار حسن
 کہ تا فلک اندیشیم، گر بے خبر از خوشیم
 آں رند خرابات نامش کہ جگر خوانند
 صد ہوش بجاں دارد با اہیں ہمہ سرمستی
 یک جرعہ خدارادہ، ز اں میکدہ ہستی
 صد نغمہ برا نگیز و سازے کہ تو بشکستی
 قربان نگاہ تو، تا زیم بایں مستی
 دُنیا و غم دُنیا، ہستی و غم ہستی
 گاہے بچناں ہوشے، گاہے بچنیں ہستی
 آں رند خرابات نامش کہ جگر خوانند
 صد ہوش بجاں دارد با اہیں ہمہ سرمستی



گراز سرے بیا ہم، صد عمر جاودانی
 پیچ است زندگی و اسباب زندگانی
 کارے ست شکل، اما اے دل! اگر تو دانی
 عمرے ست فانی، اما سرے ست جاودانی
 یک جام تند ساقی! تا فاش فاش گویم
 ہم از برائے قلش دست قضاست پنہاں
 ایں نہ رواق اخضر در پائے او گلندہ
 من ز ابتدائے عشقت کا ہیدہ ترز کا ہم
 عشقم چہ کار کرد و حسدت چہ گل شکفتہ
 بر من حرام باد، اے دوست! زندگانی
 بگزار تا بسوزم ایں پردہ ہائے فانی
 دُزیاب زندگانی از اصل زندگانی
 اے گوشہ گیر خلوت! ایں نکتہ ہا چہ دانی؟
 زاہد خبر نہ دارد ز اسرار زندگانی
 پیری کہ در زود دست تاج از سر جوانی
 کو پیچ شے ندارد، جز درد جاودانی
 طاقت کجا کہ چینم گل از رُخ جوانی
 ایں راز اولیں ست من دانم و تو دانی

ہر روز فیض گیرم از روح قدس حافظ
برمن جگر گواہ است این جوش و این معانی

☆—☆—☆

ہر دم زناز تازہ باعاشقاں بہ بازی گاہے ز دل گدازی، گاہے ز جاں گدازی
اے آنکہ یک اشارت صد عقدہ ہا کشادہ رنجے بحال ماہم، شاہنشہ حجازی
بر خیز و از سر صدق در راہ او قدم زن
تا کے جگر! یہ مستی، تا کے یہ عشق بازی؟

☆—☆—☆

فارغ ز خزانے دہم از باغ و بہارے مائیم و خیالی رُخ خورشید نگارے
دیدم بہ در دیر عجب شعبدہ کارے میخانہ بدوشے و گلستاں بکنارے
بربادی ما پرس از اں سینہ فگارے در عین بہارے کہ جدا شد ز بہارے
چیزے منگر برتن لاغر ز بہارے افسانہ بنا پرس ز نوک سر خارے
نقشم بہ ہوائے من و زویم طرف عقل دشمن بہ بیمنے و نگاہم بہ یسارے
یک داغ ز آزار تب عشق بہ سینہ اسلم سر مژگاں ست کہ شبنم بہ سر شاخ
اشکم سر مژگاں ست کہ شبنم بہ سر شاخ صد بارگز شتیم زہر مرحلہ عشق
بلبل ہمدن خوں شد و گل شد ہمدن چاک حیرت بہماں طرز ادا آئینہ دارے
اغیار بہ دل خندہ زن و دل تبو مشغول اے وائے بہارے، اگر این ست بہارے
خلفے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

اے خسر و خوباں! نظریے کن ز سر مہر
آفتادہ بہ کویت جگر سینہ فگارے

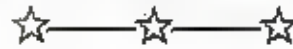
☆—☆—☆

سحرم ندا برآمد ز حجاب ہائے رازے کہ ”جریم ماست بالا ز حقیقت و مجازے“
برساں صبا پیام، بہ حبیب دنوازے کہ ”ز خد گزشت شوق غم عشق جانگدازے“
بہ ہوائے پیش تا کے توبہ خوابگاہ تازے؟ کہ ز سوز درد منداں ہمہ عالم ست سازے
تو مرا بگو کہ جاناں چہ کنم بجان زارے کہ تمام منو جسم زغم است نے نوازے
ہمہ شہر فتح گشت و بہماں نیاز و تازے دل غزنوی اسیر خم طرہ ایازے
بہ میان جاں و جاناں چہ قیامت ست رازے رخ او نظارہ سوزے، دل من نظارہ سازے

ہم جلوہ عکسِ رویت، ہم نغمہ گفتگویت
 زہے باصرہ فروزے، زہے سامعہ نوازے!!
 زنوائے کفر خیزم ہمہ کعبہ بت نہفتہ
 رادائے سجدہ ریزم ہمہ پیکدہ مجازے
 تو ز خاک ماحذر کن کہ دریں مقام، واعظ!
 دل ناز شعلہ گیرد ز تجلی نیازے
 جگر حزیں! چہ نازی بہتارِ جذبہ دل
 تو سپرد کار خود کن بخدائے کار سازے



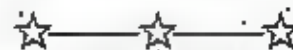
من راست راست گویم، دارم گل جوآنے
 گلچیں! اشارہ فرما، بلبل! بدہ نشانے
 آں جام ہوش در کف، ایں پائے عقل در گل
 آن ست عشق جاناں ایں ست عشق جانے
 اے جان بیقراراں! ناگہ رود دروں آ
 کز سوز اشتیاق کس کار آمدہ بجانے
 ہمت اگر تو داری، در عشق کوش، اے دل!
 ایں جان تازہ بر گیر، از بار گاہ جانے



شب میکدہ چورقم، دیدم عجب بہارے
 ساقی ست مست و بیخود، رندا ست، ہوشیارے
 در شوق ناہ روئے، دریاؤ گلخندارے
 ہر جا نظر گلندم، دیدم بہشت زارے
 شوقے و درد وصلے، صبحے و بجز یارے
 ساقی! بدہ پیالہ، تا بشکنم خمارے
 دیر و زبر دیر دیدم عجب نگارے
 پیانہ در نگاہے، میخانہ زر کنارے
 آنجا کہ نیست، ساقی! اندیشہ خمارے
 زان میکدہ عطا کن یک جام زر نگارے
 ہیشیار بگذر، اے دل! در راہ عشق و مستی
 ہر نموج مے دریں جا بحر یست بے کنارے
 رازے عجب شنیدم از عاشقے کہ مے گفت
 مائیم و بجز وصلے، وصلے و بجز یارے
 در عاشقی و مستی، مگر یز از ملامت
 کایں خاک راہ کولیش تا حیست زر نگارے
 ہر قطرہ کہ بنی در آب زندگانی
 ہم نموج وہم سفینہ ست، ہم بحر وہم کنارے
 آں را کہ شرح کردند، ایں ست گل فسانہ
 منصور بود شنبھے، مشہور شد ز دارنے



تو اے کو زگیں مبتانہ داری بیک ساغر عجب میخانہ دارے
 من بے دل نہ تنہا عشق خیزم تو ہم افسانہ در افسانہ دارے



سراپا

دل بڑواز من دیروز شامے
 روئے مینش صبح تجھے
 مشکین خط او سنبل بہ گلشن
 چشمے کہ کوثر یک جرء او
 عارض، چہ عارض، گیسو، چہ گیسو!
 آں تیخ ابرو، واں تیر مڑگاں
 برقی نگاہش، صد جاں بہ دامن
 ہر عشوہ او شیریں مقالے
 از جسم لرزاں، لرزاں دو عالم
 گاہے بہ تمستی، طاؤس رقصاں
 از بار مینا لرزش بدستے
 گفتم ”چہ جوئی؟“ گفتہ ”دل و جاں“
 گفتم ”چہ خواہی؟“ گفتہ ”غلامے“

(نا تمام)

خطاب بہ مسلم

چشم کشاو جانب رزم گہ وطن نگر
 خون حیات سو بہ سو، خاک سرشتہ مو بہ مو
 عشق نظارہ سازا برقی بہ خانماں ہیں
 برتن حسین نازیں آہ ز فرق تا قدم
 دیدہ عشوہ زا کجا؟ خفتہ بخواب مرگ ہیں
 طفل و جوان و پیرزا، صف بصف، بہم بہم
 بچہ شیر خوار برائیش نگاہ مادرش
 حاکم شہر را کہ بود، ثانی شہر بالیقین

مقتل کانپور نہ ہیں، لاشہ بے کفن نگر
 حلق بریدہ گو بہ گو، بچہ و مرد و زن نگر
 حسن نظارہ سوزا شعلہ بہ پیرہن نگر
 زخم کشتق شفق ہیں، داغ چمن چمن نگر
 شونی رنگ زرخ کجا؟ سرخی پیرہن نگر
 دست جداز ساعد و فرق جدا زن نگر
 چاک ز سینہ تا کمر، کشتہ و بے کفن نگر
 آہ، بجائے قید قتل سیر کن وطن نگر

باز بیاہ آگرہ، جگہ خونِ نظارہ کن
حیف بریں نتیجہ نظم و نظام و ذہنیت
ہائے ازیں گزندگاں، دائے ازیں درندگاں!!
تازہ بہ تازہ خونِ خلق، موج بہ موج بوے خون
آں ہمہ ہاکہ بنگری، واں ہمہ ہاکہ بشنوی!

اے کہ تو حق نہادہ، مسلم پاک زادہ

درچہ بلافادہ؟ خیزو بخویشتم نگر

دشمنِ آدم آوے، ہم سخن نہ ہمدے
آں ہمہ لغزش و خطا، ایں ہمہ سازش و وفا
بدعت و شرک و افتراق، فسق و فجور و ہم نفاق
گاہ بہ کسوتِ طیب، روئے اجلِ نظارہ کن
نے خبر از حقیقتے، نے اثر از شریعتے
خدمتِ بے سبب کجا، طاعتِ خاصِ رب کجا؟
آتشِ قہر آشکار، برقِ عنا و شعلہ بار
خیز و بیا، نظارہ کن، دل ہمہ پارہ پارہ کن
جسم ز فاقہ زار زار، روح ز درد بیقرار

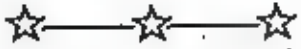
دجہ ز مفلسی پیرس، سیم و زرِ وطنِ نحو

رخِ نما بہ لندن و سیم و زرِ وطنِ نگر



جرم و خطا رواستے، غدرو دعا حکایتے
گاہ بروئے معدلتِ شانِ نظرِ نظرِ نہیں
گاہ بیاہ شہر و دیہہ، شورشِ دار و گیر ہیں
جدتِ افتراق ہیں، ندرتِ اشتقاق ہیں
شانِ عمارتے نہیں، طرزِ سیاستے نہیں
گاہ بہ لب شکایتے، گہ ز غلام زادگاں
جور فرنگیاں پیرس، دار نہیں، رسن نگر
گہ بہ جبینِ خسروی، طرزِ چمکنِ شکن نگر
گاہ بروہ سرحد و اذن "بزن بزن" نگر
فطرتِ چست و چاق ہیں، حکمتِ علم و فن نگر
ایں ہمہ لعینتے ہیں، واں ہمہ بر وطن نگر
دعویٰ آشتی شنو، نازشِ حسنِ نطن نگر

نغمہ سردی کجا؟ جلوۂ احمدی کجا؟
سایہ ایزدی کجا؟ غصۂ اہرمن نگر

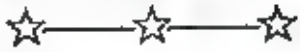


شکوہ غیر تا کجا؟ قصۂ جور تا کی؟
مسلم ہند زادہ، پند بگیر و گوش کن
ہمت دل بجوش آر، جاں ہمہ درخروش را
فلسفہ سنجی علل، ایں ہمہ وحشت و خلل
باد مراد کی وزد، سبزہ و غنچہ می ود

آنچہ بہ خویشتن گزشت، آہ ز خویشتن نگر
آنچہ بخویشتن گزشت، آہ ز خویشتن نگر
بیرونی صحابہ کن، اسوۂ پنجتن نگر
زود بکوش در عمل، باز بہ خویشتن نگر
رشمہ فیض می چکد، رحمت ذوالہدن نگر

ساغر جہد نوش کن، طاعت سے فروش کن

باز روش روشن خرام! باز چمن چمن نگر!



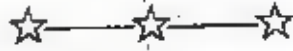
غیر مطبوعہ کلام

داغِ جگر

(دورِ اول کا متروک و غیر مطبوعہ کلام)

جگر کا پہلا شعر

لے کشتی حیات اپنی جا رہی تھی دھارے پر سگدل تماشا ہی ہنتے تھے کنارے پر



تو شمع طور ہو کر رنگ لائی، کیا حنا دل میں
تو مثل قلقل پینا چھلکتا ہے یہ کیا دل میں
اٹھا پھر چاک دامانی کا میری ولولہ دل میں
کہیں زخمِ جگر ہنس ہنس کے کیا کیا مر جا دل میں
وہ مضطر ہوں کہ گویا ہے گذر سیلاب کا دل میں
وہ تم ہو جس سے مجنوں بدتوں کا نپا کیا دل میں
کہ اب تو ناوک سر کر وہ کی رہتی ہے جا دل میں
الہی، پھر ہجوم درو فرقت تا کجا دل میں!
تو اک شورِ قیامت ہو گیا برپا عنادل میں
کہ چھبنا ہے مثالِ خار حرفِ مدعا دل میں
رہے جو جان بن کر کافر شیریں ادا دل میں
وہ ہیں داغِ جنوں، لے جذبِ الفت تو جا بجا دل میں
وہ تم ہو جس سے شرماتے رہے جو رو جفا دل میں

تصور جب کسی دستِ نگاریں کار ہا دل میں
نہیں سوزِ نہانی سے جو میرے آبلہ دل میں
خیال سبزہ روئیدہ پھر آنے لگا دل میں
جو دم بھر آ کے ٹھہر و شوخیوں سے تم ذرا دل میں
ہر حسرت ہنسی کہ حسرت کو ہے حسرت میری حسرت پر
میں وہ ہنسی جس سے لیلائے شبِ فرقت بھی ڈرتی ہے
کہاں تاب استقامت کی غم و اندوہ و حرماں کو
نہیں گر ایک پیانہ پہ رنگِ دہر کا نقشہ
وہ ہوں دیوانہ بیکس کہ جب گلشن میں جا نکلا
مدونہ اے خیر ابروئے قاتل! تا نکل جائے
غضب ہے، وہ سب ہو تلخ کامی محبت کا
خجالت ماہِ کامل کو ہوئی اور مہر کو سکتہ
وہ میں ہوں جس سے باقی نام ہے مہر و محبت کا

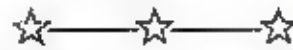
تہی دستاں الفت کو ضرورت کیا ہے، اے منعم!
وہ بیکس ہوں کہ میری بیکسی پہ بسکہ اے قاتل!
نہ کیوں کر پھر ہو ضبط بیقراری امر لا ینحل
وہ کہتے ہیں کہ اس نے جان دے دی سکھیا کھا کر
کہ ہیں دام و درم ہی سکہ ہائے نقش پا دل میں
کیا کرتی ہے حسرت خندہ دندان نمادل میں
کہ کوئی لے رہا ہے چنگیاں بیٹھا ہوا دل میں
خدا جانے جگر کم بخت کے کیا آگیا دل میں



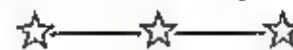
مقابل کاش میرے دیدہ تر ہو گئے ہوتے
دیا صدقہ وفا کا بڑھ کے پردانوں کی حسرت نے
ازل ہی سے تمہیں نفرت تھی الفت سے، تو لازم تھا
بہت اچھا ہوا، بسکل کیا دل کو جو قاتل نے
کھلا ہو بیکسی کا، سامنے آ ہی گیا، ورنہ
جان بھی حسرتیں، کتاب ہیں دل سے نکلنے کو
تمہاری بزم میں آئینے پتھر ہو گئے ہوتے
مرے داغِ محبت شمع کے سر ہو گئے ہوتے
مرے دل کے نہیں، میرے مقدر ہو گئے ہوتے
کہ اب تک خود مرے نالے ہی نشتر ہو گئے ہوتے
تجھے ہم دیکھ کر جامہ سے باہر ہو گئے ہوتے
ادھر بھی ایک دن، اے بندہ پرور! ہو گئے ہوتے

شکایت، اے جگر! کیوں کرتے پھرتے ہو زمانے کی

اربت تھا تو قسمت کے سکندر ہو گئے ہوتے

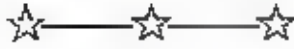


یہاں نزع ہے، اُن کے لب پر ہنسی ہے
بڑی دیر اٹھنے میں تجت رہی ہے
تمنا ہے دل کی کہ ہو جائے قرباں
جواں ہوتے ہی حشر برپا کرے گا
جو ارماں ہیں دل میں، وہ ہے ایک نشتر
سلامت رہے درو دل تا قیامت!
اچھوتی ہے، زاہد! ذرا دور رہنا
گلوں کو کیا کس نے سرشارِ جلوہ؟
بلے ہیں کسی پائے نازک کے بو سے
جسے چاہے منظور کر لو، مری جاں!
جگر دل کو کب تک بتوں سے بچاتا
کہاں، میرے یارب! مری بے کسی ہے
ترے درد میں بھی تری نازکی ہے
ترے ایک تیر نظر کی کمی ہے
قیامت کسی شوخ کی کم ہنسی ہے
جو حسرت ہے، پہلو میں، وہ اک پھری ہے
کہ فرقت میں بھی عالم بے خودی ہے
کہ یہ سے نہیں، میکدہ کی پری ہے
کہ چہروں پہ یہ نزہت و تازگی ہے
بڑے کام کی میری خود رنگی ہے
یہ حسرت ہے، یہ دل ہے، یہ بیکسی ہے
فرشتہ تو آخر نہیں، آدی ہے



متفرقات

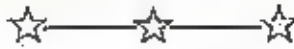
سُز ہے، اب ہم نہیں اوسان میں! آؤ، کچھ کہہ دیں تمہارے کان میں



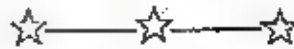
چشم امید میں ہے جان ابھی تھوڑی سی ابھی دھندلا سا اجالا نظر آتا ہے مجھے
غیر کی بکریم، اُف! دل تھامنے کی بات ہے سامنے کا ذکر ہے، یہ سامنے کی بات ہے



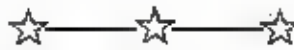
پینے کرو گے کیا یونہی قسمت کا پیٹنا للہ سر اٹھاؤ، جگر! چاند رات ہے
مسلمی جمال چھا رہی ہے ہر آنکھ ٹھکی سی جا رہی ہے



ابھی سے چوڑیاں ٹھنڈی نہ کیجئے خدا جانے، جگر کا حال کیا ہو



دل ہی پہلو میں، نہ قابو میں طبیعت میری دیکھتے دیکھتے کیا ہو گئی۔ حالت میری
ڈال دی چشم خریدار پہ خسرت میری



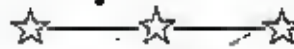
مجھے افتادگانِ خاک سے اتنی محبت ہے قدم بھی سایہ دیوار پر رکھنا قیامت ہے
دل محزوں مددخواہ جنوں و خار و حشت ہے جگر منت کش بت خانہ ہائے سوز و فرقت ہے



آسماں پر کیوں نہ ہو آخر دماغِ آبلہ آبلہ ایک ایک ہے چشم و چراغِ آبلہ



سہرے دس کے جو ہیں آفتاب آتے ہیں! اٹھو اٹھو کہ رسالت مآب آتے ہیں
نہیں یہ داغِ غم مصطفیٰ عدم والو! بغل میں داب کے ہم آفتاب آتے ہیں



شُعْلَةُ طُور

غزلیات

(ادوار چہارم سوم اور دوم کا متروک وغیر مطبوعہ کلام)

نجد کے ذرے ذرے سے آج تک آتی ہے صدا جو ہے شہید تیغِ عشق، موت اُسے حرام ہے



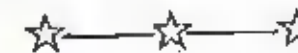
رات جو میں نے کی تھی آہ، اُس کا ہے کچھ وبال سا کہتے ہیں آج صبح سے، جی ہے مرا نڈھال سا



آگئی کون سی حسرت دلِ سوزاں کے قریب کچھ دُھواں سا ابھی اٹھا تھا گریباں کی قریب



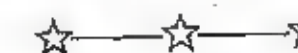
واللہ! کرم تیرا جب تک کہ نہ شامل تھا منزل پہ پہنچ کر بھی بیگانہ منزل تھا
محدود نگاہیں تھیں، دیکھا نہ گیا، ورنہ اک جلوہ بے رنگی ہر رنگ میں شامل تھا
دونوں کی کشاکش میں مطلق نہ ملی فرحت دل تشنہ دریا تھا، میں تشنہ ساحل تھا
جس میں کہ ترے جلوے خود دوڑتے پھرتے تھے اُس خون کا ہر قطرہ کونین کا حاصل تھا



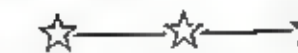
اشکِ خونین ہے کہیں، نالہ رنگیں ہے کہیں ہر رقص میں اتر آتا ہے گلستاں کوئی



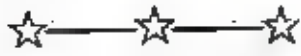
صبح اس رنگ سے تھی رقصِ کناں شمع کی خاک جیسے زندہ کوئی تصویر ہو پروانوں کی!
عشق کے ظلم کی کچھ حد بھی ہے آخر، اے قیس! خاک تکِ حُسن سے چھنوائی بیابانوں کی!



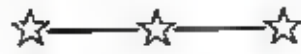
حشر میں حشر کا عالم ہے، خدا خیر کرے! چشمکِ خلد و جہنم ہے، خدا خیر کرے!



متزلزل نظر آئے مجھے گل ارض و سما
 آہ! وہ شمع کی لرزش، وہ ہوائے دم صبح
 صبح کو خاک جب اڑنے لگی پروانوں کی
 گزری کیا جانے، کیا جان پہ پروانوں کی
 شمع کہتے ہیں جسے جان ہے پروانوں کی
 کوئی گنتی بھی ہے احسان کے احسانوں کی؟
 عشق کہتے ہیں جسے، حسن کا اک پر ثوبے
 تذکرہ اُن کا بیاں کیجئے کس طرح جگر



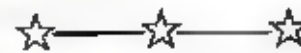
اب دل لگا کے روتے ہیں وہ حضرت جگر
 رونا یہ ایک دن کا نہیں، عمر بھر کا ہے



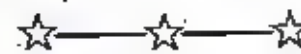
پھر چھیڑ کے زخموں کو تم داغ بنا دیتے
 پھر جمع نئے سر سے سامانِ فغاں ہوتا



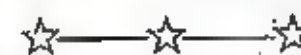
روح اس قالبِ خاکی میں جو مسحور نہ ہو
 ایک کی بھی نہ چلی جذبہٴ دل کے آگے
 اُس جگہ جو کہ فرشتوں کا بھی مقدر نہ ہو
 چاہتے سب تھے کہ رسوائی منصور نہ ہو



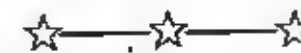
بے خبر رو کہ ہوشِ درِ مستی ست
 اصغر! یک نظر بہ سونے جگر
 ہوشیار! آ کہ بیخودی ست بہ ہوش
 آں کہ یک خادم است و خلقہ بگوش



مبارک عشق کو اب بے نیاز جسم و جاں ہونا
 یکا یک پھر دیا ذوقِ طلب نے درسِ بے تابی
 نظر نے دیکھ ہی پایا مرا مجھ سے نہاں ہونا
 کمالِ عشق تھا محو سرورِ جاوداں ہونا



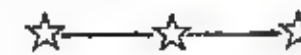
دیکھوں ادھر منہ موڑنا، گھگھو ہے یا کٹھ چھوڑنا
 ہاں دم نہ اس کی چھوڑنا، اڑ جائے گا، پردار ہے



تجھ کو اے جذبِ طلب! حسنِ ازل ہی کی قسم
 اٹھ گیا کافر جگر سا کیا کوئی پھر حق پرست
 دیر کتنی دل پہ اک تصویر اترانے میں ہے
 حشر ہے کعبہ میں برپا، شور بہت خانے میں



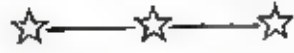
خونِ دل، خونِ تمنا، خونِ شوق
 آپ نے جو کچھ کیا، لہتا کیا



۱۔ بے دلی نے دکھا دیا آخر شامِ فرقت سیاہ ہوتی ہے

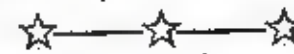


۲۔ اٹھ گیا کیا جگر درد بہ دل، شعلہ بہ جاں درو دیوار سے ماتم کی صدا آتی ہے



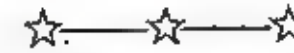
۳۔ پیدا کمالِ جذب تو کیا، ہوش میں تو آنے منظور چارہ ساز کی دل سوزیاں، مگر کافر تو میں نہیں ہوں، جو بی لوں نہ ساقیا! کوئی نہ ہجر ہجر، نہ کوئی ستم ستم کب تک ستم بھی، شانِ تغافل بھی، لطف بھی

دہ خود جوابِ شوق ہیں دل کی صدا کے بعد اپنی بھی موٹ ہے غم صاحبِ فزا کے بعد وہ بھی تری طرف سے، تری التجا کے بعد لیکن بس اک نگاہِ کرم آشنا کے بعد ہر لحظہ التجا ہے یہاں التجا کے بعد



جلووں کا اثر دھام ہے، محبوب پاس ہے آنندہ کیا خبر کہ رہے کیا معاملہ

انف (رے؟) نگاہِ شوق کہ پھر بھی ادا ہے اب تک تو، اے نگاہِ کرم! تیری آس ہے اُس پھول سے بدن پہ جو نیلا لباس ہے

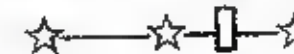


شکایتِ دل ایذا طلب کو کیا سمجھے تجھے خبر بھی ہے کچھ، اُس کے دل پہ کیا گذری

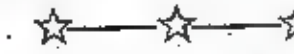
تمام لطف تو شکرِ جفا نے لوٹ لیا وہ ہر ادا کہ جسے ہر ادا نے لوٹ لیا



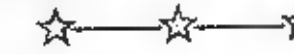
نگاہِ ڈال کے میری تمام ہستی پرا مجھے تمام محبت بنا دیا تو نے



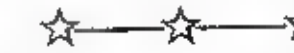
غم نے بنا دیا ہے ماتم گسار سب کا اب کس کو پوچھتے ہو، کوئی یہاں نہیں ہے



دل تیری محبت کی قسم! تجھ سے بھی بڑھ کر مغرور ہے، ہر چند کہ مغرور نہیں ہے



عشق سے بے نیازیاں، کیا خوب! عشق سارا جہاں ہے، پیارے



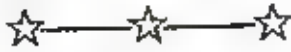
۱۔ جامعہ اکتوبر ۱۹۳۲ء ۲۔ جامعہ جولائی ۱۹۳۳ء

۳۔ مرزا عاشق علی بیک خیال کا ایک خط مرقومہ ۱۹۳۳ء

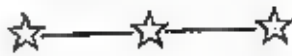
اے عشق! یہی ہے جو تنگ بخشی ساقی کیا حسن بھی سیراب تمنا نہ رہے گا



ایک ایک ذرے سے حاصل دریں عرفاں کیجئے یعنی خود کھو جائیے، اُن کو نمایاں کیجئے
ہم نے تو دکھلا دیا خود بن کے محروم وصال آپ سے ممکن جو ہو، ناکام ہجران کیجئے



کونے جانناں کی ہوا تک سے بھی تھرا اتا ہوں میں کیا کروں، بے اختیارانہ چلا جاتا ہوں میں
تو فنا آمادہ ہے، تجھ کو نظر آتی ہے موت زندگی، تابندگی، پابندگی پاتا ہوں میں
میں نہیں رہتا ہوں میں جب پاس آتا ہے وہ شونخ دل نہیں رہتا ہے دل، جب سامنے جاتا ہوں میں
یا کسی کے قہر پر بھی مسکرا دیتا تھا دل یا نگاہ لطف سے بھی، آہ! شرماتا ہوں میں
تیرے اک آنکھوں کے ساغر، تیری اک رخ کی بہار یہ میتر ہوں تو ہر جنت کو ٹھکراتا ہوں میں



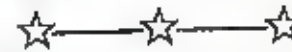
سن سن کے طعن بے اثری ہر نفس کے ساتھ کھائیں فریب لذت درو نہاں سے کیا



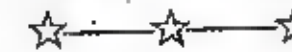
ہر ذرہ عالم پر حاوی ہیں صفات اس کے سبب کہنے کی باتیں ہیں، مختاری و مجبوری



اول اول میری نظروں سے بھی جن کو ہے گریز آخر آخر مری صورت سے نمایاں ہوں گے



کافر عشق ابھی خوگر الحاد نہیں یعنی یہ ہوش ہے اب تک کہ خدا یاد نہیں
شورش شوق کہ ہنگامہ فریاد نہیں دل میں وہ کون سی دُنیا ہے جو آباد نہیں
مجھ سے، اے دوست! مری برہمی شوق نہ پوچھ بھول جانے کے سوا اب مجھے کچھ یاد نہیں
ہاں غم یار، ترے دم سے ہے تمیز حیات تو سلامت ہے تو ہستی مری برباد نہیں
آ، مرے زود فراموش! دکھا دوں تجھ کو نقش ہیں دل پہ وہ باتیں جو تجھے یاد نہیں
مختصر ہے مری ہستی کی حقیقت یہ، جگر! مجھ میں آباد ہیں سب، میں کہیں آباد نہیں



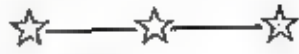
۱۔ جامعہ اگست ۱۹۳۵ء ۲۔ معارف فروری ۱۹۳۷ء ۳۔ جامعہ فروری ۱۹۳۷ء

۴۔ القلم اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۲ء ۵۔ القلم جنوری تا مارچ ۱۹۶۳ء

۱۔ دل بتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا اے شانِ عشق! حُسن ترا راگیاں ہوا



۲۔ نقشِ بن کر اُسے رہنا ہے، سُو یا نہ سُو دل کی آواز ہے یہ، درد کی آواز نہیں!



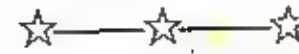
۳۔ نگاہوں میں منزل مری پھر رہی ہے یونہی گرنا پڑتا چلا جا رہا ہوں!



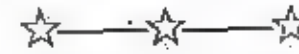
دنیا بجائے خود ہے اک جتِ میتر افسوس! اہلِ دُنیا دوزخ بنا رہے ہیں



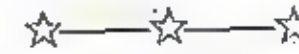
۴۔ مانگِ نظارۂ بے جلوہ کی توفیق، جگر! یہ طلب وہ ہے کوئی جس کا طلبگار نہ ہو



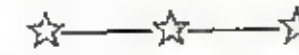
۵۔ بھجوںے اور پھر جنابِ جگر پی پلا کر برائیاں، توبہ!



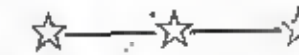
۶۔ تو چاہے تو اے جلوۂ اعجازِ محبت! تصویر کو تصویر کا دیوانہ بنا دے



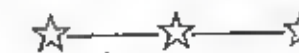
عشق کا راز جنوں عشق کی حد ہی میں رہے دل گیا ہے تو گریبان نہ جانے پائے



۷۔ شورشِ بے خودی شوق نہ پوچھا! کس طرف کی ہوا ہے، کیا کہئے!



۸۔ کہنے سننے میں جو نہیں آتی! وہ بھی اک داستان ہے پیارے!



۹۔ آسمان! کو نہ دیکھے تن کر پھر یہ بوڑھا خواں نہ ہو جائے

آہ! اک تیر ہی سہی، لیکن آشنائے کمان نہ ہو جائے

خاک سیرابی بہار، اگر آنکھ شبنم فشاں نہ ہو جائے

حُسن کا آئینہ تو دل ہے، مگر یہی خود درمیاں نہ ہو جائے

۱۔ شعلہ طور حیدرآباد ایڈیشن ۲ تحریک اکتوبر ۱۹۶۲ء ۳ شعلہ طور (حیدرآباد ایڈیشن)

۲۔ ۵ شعلہ طور (حیدرآباد) ۶۔ تحریک اکتوبر ۱۹۶۲ء کے ۸۔ ۱۰ شعلہ طور

تاجی انتظارِ خلد، جگر! حور اک دن یہاں نہ ہو جائے

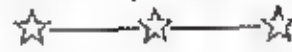


ٹہاں مزے ٹوٹ لے جوانی کے پھر نہ آئے گی، جو یہ رات گئی



عشقِ مضطر ہے مرے دل میں سما جانے کو
ککشِ حُسنِ مقامات بدلتی ہی رہی
ہر حقیقت ہے رہ عشق میں دامن کشِ دل
حضرتِ عشق مجھے لے گئے کثرت کی طرف

قیس نے دیکھ لیا نجد کے ویرانے کو
ایک عالم میں نہ رکھا کبھی ویرانے کو
اب میں کعبہ کی طرف جاؤں کہ ویرانے کو
کعبہ کی راہ سے پہنچا میں صنم خانے کو



بے خودی نے مری صدا کئے منظر پیدا
اٹھ گئے وہ تو یہ اب سوچ رہا ہوں دل میں
وہ حریصِ غم کونین ہوں، اے حُسنِ ازل!
عین بیچارگی و حسگی و دل ریشی میں
لکھنؤ میں کوئی ہستی ہے تو ناطق کی جگر

وہ سمجھ بیٹھے تھے زندانی حیرت مجھ کو
بند کرنے نہ تھے لب ہائے شکایت مجھ کو
کہ گوارا نہیں تقسیمِ محبت مجھ کو
ہوں تو مجبور، مگر کیا نہیں قدرت مجھ کو
ورنہ معلوم ہے سب اصل حقیقت مجھ کو



ابھی پھر سردیِ نغموں سے بھر دوں بزمِ امکاں کو
جدھر نظریں اٹھا کر دیکھنا اک وار کر جانا

ذرا چھیڑے تو مضربِ جنوں تارِ رگِ جاں کو
نہ سمجھیں وہ مسلمان کو، نہ دیکھیں وہ مسلمان کو

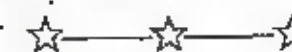


آپ کو دُنیا سے کیا مطلب، جگر! آپ ہوں بادہ ہو، اور پیانہ ہو



کچھ اضطراب، کچھ امید، کچھ سکوں، کچھ یاس
حجابِ قدس کو بھی بڑھ کے پھونک دیتا تھا

عجیب لذتِ غم دورِ اولیں میں رہی
یہ اک کی نفسِ شعلہ آفریں میں رہی

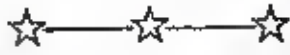


ہوا بھری تھی جو سر میں اُس آستانے کی
وجودِ دانہ ہے کیا شے، شجر کا اک اجمال

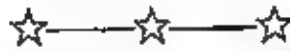
الگ رہا میں معیت میں ہر زمانے کی
شجر ہے کیا، وہی تفصیل ایک دانے کی

تعمیراتِ نظر کے یہ جلوے ہیں، ورنہ
تعمیراتِ دلی اہل درد کے ہمراہ
سمندِ نفس ہے وہ بدگامِ اسپ؛ جسے
گداڑِ عشق کو دل میں چھپا کے رکھ، غافل!
غبارِ نفس سے چمکے گا جوہرِ ذاتی
اسیرِ دام ہوا عین موسمِ گل میں
موافقت کا یہ عالم کہ اصل سب کی ایک
کوئی ہے شاید مقصود بھی بس پردہ
تصوّرات کی آئینہ بندیاں ہیں جگر

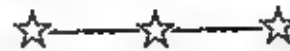
ازل سے ایک ہی رفتار ہے زمانے کی
بدلتی رہتی ہیں خاصیتیں زمانے کی
قدم قدم پہ ضرورت ہے تازیانے کی
خبر نہ بو الہوسوں کو ہو اس خزانے کی
کریں گی پاک خود آلائشیں زمانے کی
قفس میں لے کے میں وسعت اُس آشیانے کی
تضاد یہ کہ جدا شان ہر فسانے کی
یہ بے سبب نہیں نیرنگیاں زمانے کی
یہی ہے جلوہ گری اِس نگار خانے کی



ہم خاک کے پتلوں نے جو کچھ تجھے سمجھا ہے
تُو اِس سے بھی برتر ہے، تُو اِس سے بھی اعلیٰ ہے



انے موجِ نفس! لے چل اُس بزمِ تجلی میں
ہشیاری و غفلت می بس فرق ہے اتنا ہی
یہ کیا ابھی ظاہر ہو، یہ کیا ابھی پوشیدہ
ہر ذرّہ جہاں کا ہوا اک برقی سرطوری
یہ رشتہ قُربت ہے، وہ سلسلہ دُوری
قُربت ہو تو پھر قُربت، دُوری ہو تو پھر دُوری



کبھی جو یار کو مستِ شراب دیکھیں گے
بتائیں کیا تمہیں روزِ حساب دیکھیں گے
بغور جب یہ جہانِ خراب دیکھیں گے
جو دل کا کر کے کبھی احتساب دیکھیں گے
اُلٹ کے آپ جب اپنی نقاب دیکھیں گے
وہ ہو گا اپنا ہی اک انعکاسِ حُسنِ طلب
نہیں ہے جن کی نگاہوں کی انہما کوئی!
کسی طرح نہ جدا کر سکیں گے اہلِ نظر
وہ قہر ہو کہ عنایت، فراق ہو کہ وصال

ہر ایک جلوہ میں سو آفتاب دیکھیں گے
جو خواب ہے وہی تعبیرِ خواب دیکھیں گے
قدم قدم پہ طلسمِ حجاب دیکھیں گے
تو اپنی زیست کو ہم اک عذاب دیکھیں گے
یقین ہے کہ تجھے بے حجاب دیکھیں گے
یہ سب غلط کہ تجھے بے حجاب دیکھیں گے
وہی ترا کرم بے حساب دیکھیں گے
بہم کچھ ایسا عذاب و ثواب دیکھیں گے
عذاب دوست ہمیشہ عذاب دیکھیں گے



دل کے احساسات کی یوں شرح پیہم کیجئے
ساری کیفیات باطن کو مجسم کیجئے
ٹوٹ جائیں حلقہ ہائے دامِ نیرنگِ نمود
ہر نفس سے آج پیدا ایک عالم کیجئے
پوری ہستی کو پھر اُن کے سامنے خم کیجئے
جست ایسی تافرازِ عرشِ اعظم کیجئے



حاصل کون و مکاں بس دلِ دیوانہ ہے
اپنا اک سب سے جدا، عشق میں میخانہ ہے
کچھ عجب چیز ہمارا دلِ دیوانہ ہے
اے برہمن! نظر آیا نہ کوئی فرق ہمیں
دیکھ، کس شان سے ہوتے ہیں نثارِ رخِ شمع
جھک گئے، دیکھ لیا اُس کو جدھر جلوہ فروز
رہا ہی کوئی سمجھ میں نہیں آتا مطلق
پاؤں خود مرکبِ اصلی سے نہیں ہٹ سکتے
نیستی سے بھی گذر جائے تو پہنچے اُس تک
کیوں جگر کی ہے شکایت لبِ احباب پہ، آہ!

عاشقوں کی یہی بستی، یہی ویرانہ ہے
رُوحِ باقی ہے، دلِ صاف جو پیانہ ہے
شمعیں آسودہ جہیں ہیں، یہ وہ پردانہ ہے
جیسا کعبہ تھا، اُسی طرح کابُت خانہ ہے
ادبِ آموزِ فنا جذبہٴ پروانہ ہے
مست کیا جانیں، وہ کعبہ ہے کہ بُت خانہ ہے
کیا مری طرح پریشاں مرا افسانہ ہے
کتنی بے کار مری کوششِ مردانہ ہے!
حائل اک بیچ میں پُر ہول یہ ویرانہ ہے
جانتے کیا نہیں، بدست ہے، دیوانہ ہے



اب اور نئے جلوے آنکھوں میں سمائیں کیا
جب حُسن نے یہ دیکھا، بے تاب ہیں خود جلوے

دل نے جو بنائی تھی دُنیا، وہ بنا ڈالی
اک برق سی چمکا کر حیرت کی بنا ڈالی



جلوے تھے جس قدر حُسنِ روزگار کے
اک رنگِ مستقل یہ کہاں دہر کعبہ میں
آئے جو روزِ حشر نگاہوں کے سامنے
یہ مشربِ تصنعِ علمی نہیں پسند
مذہب میں عشق کی ہے تزلزل و پیل کفر
عظمت میں رہنے پائیں نہ تادیر اہل دل
موقوف حیات ہی بے تابیاں نہیں
ایما جو پائیں، کر دیں زمانے کو منقلب

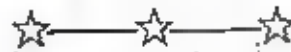
تھے چند انعکاسِ دلِ بیقرار کے
ہنگامے ہر جمود میں ہیں امتیاز کے
تھے سارے واقعاتِ دلِ بیقرار کے
قابل ہیں ہم تو مسلکِ بے اختیار کے
قابل ہیں اہل دلِ طلبِ استوار کے
یہ راز ہیں حوادثِ بے اختیار کے
عالم ہزارہا ہیں نرے اضطرار کے
بیٹھے ہیں انتظار میں تائبِ یاز کے



اپنے ہی جلوے نظر آتے ہر اک تصویر سے
 پر تو حسنِ ازل کی اُف یہ نقش آریاں!
 آرزو سے اپنی شاید وہ ابھی واقف نہیں
 گر نہیں ہے عشق معنی، عشق صورت ہی سہی
 یہ نقوشِ دہر، یہ ہنگامہ ہائے کائنات
 اُس کی ہستی بے تعلق مجھ سے ہو سکتی نہیں



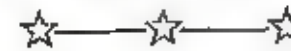
رہتی ہے اُس کی یاد یوں دردِ زبانِ عاشقی
 رکھتے ہیں سینوں میں نہاں ہم کشندگانِ عاشقی
 جو کچھ کہیں اہلِ نظر، زیبا ہے تجھ کو سر بسر
 کچھ بواہوں بھی ہیں یہیں، ہشیار، او جانِ جزیں!
 جس تک نہ پہنچی ہو نظر، عالم ہو جس سے بے خبر



روح پر جو بھی گزرتی ہو تصور میں ترے
 کیوں تڑپنا دل مضطر کا نہ ہو مجھ کو عزیز
 یہ تو ظاہر ہے کہ رگ رگ کو ہلا دیتا ہے
 کہ ترے دردِ محبت کا پتہ دیتا ہے



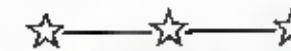
رنگِ رُخ و شکستگیِ دل لئے ہوئے
 کل کائناتِ عشق کا حاصل لئے ہوئے
 مجھ کو دیا فریبِ نظر ہائے شوخِ شوخ
 اُفتادگیِ راہ بھی ہو رہ نمائے عشق!



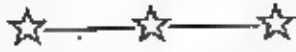
کہاں تک اب ترے جلووں میں امتیاز کرے
 وہ اک نظر جو حقیقت کو بھی مجاز کرے



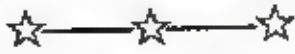
کس قدر فیضِ نگاہِ مستِ ساقی عام ہے
 حسن اور قیدِ تعین کا خیال خام ہے
 قطرہ قطرہ موجِ صہبا، ذرہ ذرہ جام ہے
 بے خبر! یہ سب فریبِ جلوۂ ادہام ہے
 اس کو کیا سمجھے کہ تیری آرزو بد نام ہے
 دلِ ازل ہی سے ہلاکِ کوششِ ناکام ہے



جو ادائے مضطرب ہے، میکدہ بردوش ہے زندگی مستی ہے خود، لیکن بہ قید ہوش ہے



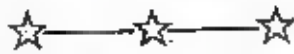
چہرہ چھپا کے پھر مجھے بیتاب کیجئے جلوه دکھا کے پھر مجھے حیراں بنائے
آنکھوں کو اور کیجئے مجھ کو جمالِ یار ان مشغلوں کو اور فروزاں (?) بنائے
سینہ سے بھی ہو پتہٴ وحشت کی چھیڑ چھاڑ اس کو بھی اک طرح کا گریباں بنائے



کہتے ہی رہے حضرت منصور انا الحق حاصل ہوئی فرقت نہ حجاب نظری سے
جی دیکھئے، آتا ہے نظر اور ہی عالم حیران ہوں نیرنگِ جمالِ نظری سے
ہر غنچہ نے دی گھل کے جو یوں داؤ سرت کیا راز سنا موجِ نسیمِ سحری سے
مایوں پھرا بارگہٴ خاص سے اس کی واقف جو نہ تھا مرحلہٴ بے خبری سے



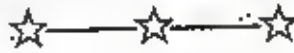
دل سے پیارے کو پیار کون کرے مت کو ہوشیار کون کرے



مشقِ خطا و جوشِ تقاضا و شغل سے کیا کیا نہ کیجئے ستم یار کے لئے



اصل میں ہو تو کوئی دیوانہ ندرت پسند ہر قدم پر ہے نیا زنداں، نئی زنجیر بھی



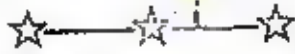
مجھ سے مطلب بھی کچھ نہیں اُن کو اور مری ہی دیکھ بھال بھی ہے



جس دل میں امنگیں تھیں، اس میں غم بجزاں ہے جب بھی ترا احساں تھا، اب بھی ترا احساں ہے

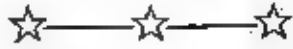


بے لوث جذبِ عشق کی تاثیر چاہئے لفظوں سے ماورا کوئی، تقریر چاہئے



مٹا کر اپنی ہستی، یار کی تصویر دیکھیں گے ہم اس تخریب ہی میں صورتِ تعمیر دیکھیں گے
بغور اپنی حقیقت کی اگر تصویر دیکھیں گے خیالِ آزاد پائیں گے، نظر زنجیر دیکھیں گے
ہوئے آزاد جب قیدِ تعلق سے ترے وحشی بڑی مایوسیوں سے جانبِ زنجیر دیکھیں گے
ادھر احساںِ روحانی، ادھر ادراکِ جسمانی کس آئینہ میں، کیا جانے، تری تصویر دیکھیں گے

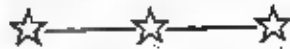
جنہیں تاریکیاں بھی دیکھنا اب تک نہیں آئیں
کہاں ممکن جمالِ شہدِ فطرت کا نظارہ
وہ کس صورت سے تیرے حسن کی تصویر دیکھیں گے
ان آنکھوں سے یہی بس عالمِ تصویر دیکھیں گے



ضیا بارِ حقیقت ہے یہ شمعِ زندگی میری
نہ ہستی جادۂ راہ اور نہ منزل نیستی میری
جہاں دیکھو گے، پاؤ گے وہیں پر روشنی میری
کہاں پہنچے گی گردِ کاروانِ زندگی میری



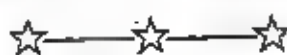
ذہن سے علم کتابی سب بھٹانا چاہیے
جلوۂ بے رنگ بھی دل کو دکھانا چاہیے
اس طرح اک نعمۂ دلکش سنانا چاہیے
نفس کہہ دیتا ہے اکثر، ختم منزل ہو گئی
گوہرِ مقصود تو قسمت سے ملتا ہے، مگر
عشق میں مدہوشیِ مستی مناسب ہے، مگر
سامنے گردہ نہیں آتے، تو اے حسنِ نظر!
سجدے بھی ہو جائیں گے، پیدا تو کر ذوقِ نیاز
یہ بڑا پردہ ہے، اس کو بھی اٹھانا چاہیے
اور دیوانے کو دیوانہ بنانا چاہیے
وجد میں ہر ذرۂ فطرت کو لانا چاہیے
مطلق اس دھوکے میں انساں کونہ آنا چاہیے
آدمی کو کارِ ہمت کر دکھانا چاہیے
ہوش کی جب ہو ضرورت، ہوش آنا چاہیے
کوئی تصویرِ خیالی ہی بنانا چاہیے
سب بھی جھک جائے گا، پہلے دل جھکانا چاہیے



ایک سوز بے اماں ہے دونوں جانب مشترک
ہوش کیسا، جوش کیا، ہستی کہاں، مستی کجا
اٹھ گیا کافر جگر سا کیا کوئی پھر حق پرست
شمع میں پروانہ ہے اور شمع پروانے میں ہے
عشق کی معراج ہر صورت سے کھوجانے میں ہے
حشر ہے کعبہ میں برپا، شور بہت خانے میں ہے

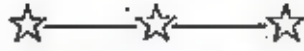


دکھا دوں حسن بے تابی، مگر پھر خوف آتا ہے
کسی اک نقطہ موہوم ہی کی شرح تو کر دیں
حقیقت ہیں نظر میں ہر تجلی اک حقیقت ہے
کمال بے حسی شوق پر بھی اک نظر ڈالیں
تری صورت کا مظہر ہے تراہز پر تو رنگیں!
مرادل ہی نہ بن جائیں مرادل دیکھنے والے
کتابِ عشق کے گہرے مسائل دیکھنے والے
وہ خود باطل میں جو ہیں نقشِ باطل دیکھنے والے
مری ہر سانس میں اک حشرِ دل دیکھنے والے
تجھ کو دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے



یہ میرا طائرِ دل ہے، سمجھتا کیا ہے تو ظالم!
جنونِ رشک کا عالم یہاں تک عشق میں پہنچا
ترے آزاد کرنے سے کہیں آزاد ہوتا ہے
کبھی میں شاد ہوتا ہوں، تو دلِ ناشاد ہوتا ہے

نگاہِ دُور میں دُقر ب میں کافر ہے، ورنہ جسے نعمہ سمجھتے ہو، وہ خود فریاد ہوتا ہے
 محبت میں گزرتا ہے جو عالم، کیا خبر مجھ کو نہ جانے شاد ہوتا ہے کہ دل ناشاد ہوتا ہے
 نگاہِ ناز کی مہجڑ بیانی، واہ! کیا کہنا سمجھ لیتا ہے از خود جس سے جو ارشاد ہوتا ہے



تا گجا ہم درد مندوں پر تبسم، تا گجا اک نظر اپنی طرف بھی، بندہ پرور! کیجئے!

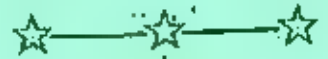


دمِ اخیر دُعائیں نہ دلوں انہیں کیوں کر ستم کے بھیس میں کیا کیا کرم نواز رہے
 دیارِ حُسن میں آئینِ حُسن ہی ہے جُدا جو سر فروش رہے، وہ نہ سر فراز رہے
 کچھ آرزو کا سہرا، کچھ آرزو کا سہرا، کچھ آرزو کا سہرا، کچھ آرزو کا سہرا

یاد ایام

معنی صد زندگانی تیری
 ایک ادنیٰ سے اشارہ میں

حاصل صد میکدہ ایک ایک جامِ آرزو
 اللہ اللہ کس قدر تھا اہتمامِ آرزو



؟؟؟

اے قوم کے
 اے نقش و نگار
 ماں باپ کی آنکھ کے
 ماں باپ کی آنکھ کے
 بنگال تمہارا ہم

نوںہال بچو! اے قوم کے خوش خصال بچو!
 گلشنِ ہندا اے تازہ بہارِ گلشنِ ہندا!
 لے نور ہو تم ماشاء اللہ! چشمِ بد دُور ہو تم
 لے نور ہو تم اللہ تجھے اماں میں رکھے!
 سفر ہے پنجاب تمہاری پشت پر ہے



ڈائر کی وہ فوج آ
 ڈائر کی وہ فوج آ

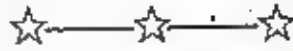
رہی ہے وہ تیز قدم بڑھا رہی ہے!
 رہی ہے اب ہند نہیں ہے وہ فرشِ مَخل



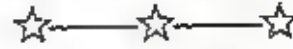
؟؟؟

؟؟؟

جُت تمہاری خُدا کے لئے تھی عداوت تمہاری خُدا کے لئے تھی
عدالت تمہاری خدا کے لئے تھی حکومت تمہاری خُدا کے لئے تھی
نہ تھا فقر سے اور نہ مطلب غنا سے خُدا تم سے راضی تھا، تم تھے خُدا سے



سوئے سوراخ قدم اپنا بڑھاتے جاؤ جس طرف جاؤ ادھر آگ لگاتے جاؤ
خون ابھی اور بہانا ہے زمینوں پہ تمہیں گولیاں اور بھی کچھ کھانی ہیں سینوں پہ تمہیں



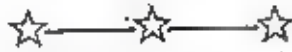
گاندھی

ع

اب ہوئے میکرہ ہند کے ساتی گاندھی

(۱) سہرا

لُخوشی سے نہ کیونکر ہو معذور سہرا کہ ہے زینتِ رُوئے منصور سہرا
یہ سہرا نہیں حسب دستور سہرا یہ سہرا ہے نورِ علی نور سہرا
خبر ہے اسے کیا ہجومِ نظر کی جوانی کے نشہ میں ہے پُور سہرا
سہرا بزم لیتا ہے رُخ کی بلا میں بہت شوخ و گستاخ و مغرور سہرا
مُرادوں کے بھولوں سے رنگین محفل محبت کی خوشیوں سے معذور سہرا



(۲) سہرا

جگر رشید و ظفر میاں کو رہے نہ کیوں سازگار سہرا
لکھا ہے پڑھ کر دُرودِ پیہم، بنام پروردگار سہرا
سنائے جا مطربِ محبت، اسی طرح بار بار سہرا
تمام حسن و شبابِ نوشہ، تمام باغ و بہار سہرا

نشاط اندر نشاط محفل، جمال اندر جمال منظر
 قطار اندر قطار خوشبو، بہار اندر بہار سہرا
 جو اب اُس حسن کا کہاں ہے، عجیب عالم، عجب سماں ہے
 تجلیاں رُخ پہ ہیں تھذوق، تجلیوں پہ غار سہرا
 یہ دو دلوں کی محبتوں کی کشاکشیں بھی ہیں کیا قیامت
 ادھر بھی ہے بیقرار سہرا، ادھر بھی ہے بیقرار سہرا
 بنا ہے نوشہ کے رُخ سے مل کر کچھ اس طرح شاندار سہرا
 کہ جیسے خوز باغبانِ فطرت کے ہاتھ کا شاہکار سہرا
 ترے سراپا کا میں نے لکھا، عجب سراپا بہار سہرا
 کہ تُو ہے دریائے حسن و خوبی تو اُس کا ہے آبنار سہرا
 اگر ہو منظور دل لگی کچھ، جنابِ نقیہ سے کوئی کہہ دے
 بلائیں لے لے کے چشم و عارض کی بن گیا میکسار سہرا
 جو مادرِ مہرباں کی آنکھوں میں اس سے خنکی ہے صبح کی سی
 تو ہے سعید الظفر میاں کے لئے بھی وجہِ قرار سہرا
 الہی تا دورِ ماہ و انجم رہے مبارک بہ صد تبسم
 یہ منتِ جامِ شرابِ الفت، یہ رندِ شبِ زندہ دار سہرا
 جگر سب احباب کی نگاہیں اگر نہ بروقت کام آئیں
 تو کیا یہ شک ہے کہ بن جائے لطافتِ رُخ پہ بار سہرا



شکستِ توبہ

ساتی کی لہر دیکھ کے، لہرا کے پی گیا	توسعت بقدرِ جوشِ طلب پا کے پی گیا
جب لہر آگئی کوئی، لہرا کے پی گیا	اُن مست آنکھریوں کی تم کھا کے پی گیا
بانہوں میں بانہیں ڈال کے اٹھلا کے پی گیا	میں مست توبہ کرتے ہی پچھتا کے پی گیا
جب آگیا خیال ہی، جھٹلا کے پی گیا	میں اور ترکِ شاہد و ساغر، خدا گواہ

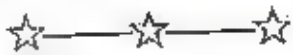
اے ساتی ازل! تری رحمت کے میں غار
میری نگاہ و فکر پہ جب چھا گئی بہار
جب جب جہاں ہوں سے فرصت ملی مجھے
افسانہ مختصر یہ مری میکشی کا ہے
میں اور شکستِ توبہ، بس اب اور کیا کہوں
جس جس مقام پر مجھے مشکل کچھ آپڑی
ملتی ہے کس کو خاص ترے دستِ ناز سے
جب جامِ وبادہ بھی میری نظروں سے چھپ گئے

توبہ کے ہر خیال کو ٹھکرا کے پی گیا
رنگینیوں میں ڈوب کے لہرا کے پی گیا
اپنی حقیقتوں کی طرف آ کے پی گیا
تو نے پلا دی جب مجھے، لہزا کے پی گیا
کیا جانے کس خیال میں گھبرا کے پی گیا
افسانہ حیات کو دُہرا کے پی گیا
میرے نصیب تھے کہ تجھے پا کے پی گیا
میں عالمِ خیال میں تیورا کے پی گیا

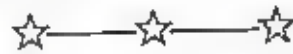


بادۂ شیراز

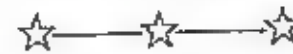
روشن جہاں زجلوۂ برقی یک آہ کیست در حیرتم جگر کہ نگاہم نگاہ کیست



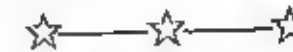
جسے زجنس اور بہ تمناید اگر بہ عشق! ایں اشک و آہ از اثر اشک و آہ کیست



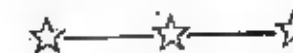
ہر اشکِ رواں رنگے از خونِ جگر وارد شاید بہ من خستہ او نیز نظر دارد
اے آنکہ دلِ عالم زیرِ قدمتِ اُفتابِ آخر چہ کند آنکس کو سوختہ پر دارد



ہر نفس را کردہ جو حُسنِ دوست ہم چو بوئے گل پریشاں ی روم
باتن وہم باز جان در شورِ عشق بانے وہم باغیستاں می روم
مظہرم دراصل خواہم گم شدن محشرم در محشرستاں می روم



بہ حضورِ خرقہ پوشاں، خبرے وہم زرازے کہ حقیقت است نہاں پس پردہ مجازے

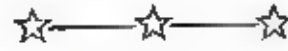


لبہ سرتوساتی مست من، بہ سرورِ بے طلی خوشم اگر م شراب نمی وہمی، بہ خمارِ تشنہ لبی خوشم

چہ خوش است ذوقِ محبت! چہ بلاست لذتِ فرتم! کہ بہ یادِ زلفِ سیاہ تو، بہ ہجومِ تیر شبِ خوشم
 چہ مقامِ عشق و چہ منزلے کہ درین زلمن بیدلے نہ بہ شامدے، نہ بہ مطربے، نہ بہ حاصلِ غمی خوشم
 زنگاہِ عشوہ طراز تو چہ گذشت برذلِ من، کہ من نہ بہ نالہِ سحری خوشم، نہ بہ آہِ نیمِ شبی خوشم
 زجہائے حسنِ تمام تو نہ حکایتے، نہ شکایتے چہ حکایتے، چہ شکایتے کہ بہ ترکِ بے اوبلی خوشم!

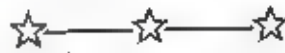


ہمہ ہوشِ عشقم، ہمہ سوزِ جانم حذر، اے جواناں! کہ پیرِ جوانم
 نہ اشم، نہ جسم، نہ اینم، نہ آنم چہ رازِ عیانم! چہ سِرِ نہانم!
 جہاں از من و من زجانِ محبت بجانِ محبت! کہ جانِ جہانم!
 خوشا نسبتِ عشقِ لافانی تو فناِ عشقم و زندہِ جادو نام



آتشِ گل

عشقِ مٹا اور مرتا ہی رہا حُسنِ بنتا اور سنورتا ہی رہا
 عشقِ کارِ عشق کرتا ہی رہا گو بظاہر وہ نہ کرتا ہی رہا
 وہ جلاتے ہی جلاتے رہ گئے دل کو مرنا تھا سو مرتا ہی رہا



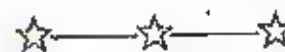
۱۔ فتنہ روزگار میں امن ہے کیا، قرار کیا! حاصلِ زیستِ غم سہی، غم کا بھی اعتبار کیا
 فطرتِ شوق کی قسم، غیرتِ عشق کی قسم! دولتِ دو جہاں سہی، دولتِ مستعار کیا
 عشقِ خزاں مزاج سے لطفِ مزاج پوچھے جس کی نظر ہو خود بہار، اُس کے لئے بہار کیا
 سوزِ تمام چاہیے، رنگِ تمام چاہیے شمعِ تہِ مزار ہو، شمعِ سرِ مزار کیا



۲۔ ہائے اُس عاشقِ دیوانہ گلشن کی بہار کہ جب آئی ہو، بہ اندازِ خزاں آئی ہو



۳۔ بارِ عیادت اٹھ نہ سکا، اُف رے نازکی تکلیفِ چند گام وہ فرما کے رہ گئے
 اب دل سے کیا نکلتے ہیں حیرِ نگاہِ ناز جو دل میں آ کے رہ گئے، بس آ کے رہ گئے



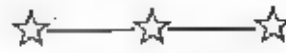
جس میں پہنائی و رفعت ہی نہیں اور کچھ ہے، وہ محبت ہی نہیں
اس زمانے میں دلائل کے ہوا ہر حقیقت اب حقیقت ہی نہیں



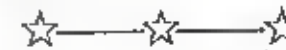
کہتے ہیں، نہیں ہم کو تیری مہر و وفا یاد اب دیکھیے، کب تک انہیں رہتا ہے خدا یاد
بندے کی نہیں تاب، کرے یاد خدا کی! بندے کو اگر خود نہ کرے اس کا خدا یاد



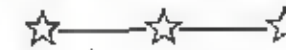
اُس حسن کا شکوہ کیا کیجئے، مزدور ہو جس کی اک دنیا اُس سعی طلب کو کیا کیجئے، جو سعی طلب ناکام نہیں



کیا تعجب کہ مری رُوح رواں تک پہنچے پہلے کوئی مرے نعموں کی زباں تک پہنچے
جب ہر اک شورشِ غم ضبطِ فغاں تک پہنچے پھر خدا جانے، یہ ہنگامہ کہاں تک پہنچے
آنکھ تک دل سے نہ آئے، نہ زباں تک پہنچے بات جس کی ہے، اُسی آفتِ جاں تک پہنچے
تُو جہاں پر تھا بہت پہلے، وہیں آج بھی ہے دیکھ، رندانِ خوشِ انفاس کہاں تک پہنچے
جو زمانے کو بُرا کہتے ہیں، خود ہیں وہ بڑے کاش! یہ بات ترے گوشِ گراں تک پہنچے
بڑھ کے رندوں نے قدمِ حضرتِ واعظ کے لئے گرتے پڑتے جو درِ پیرِ مغاں تک پہنچے
تو میرے حالِ پریشاں پہ بہت طنز نہ کر اپنے گیسو بھی ذرا دیکھ، کہاں تک پہنچے
اُن کا جو فرض ہے، وہ اہلِ سیاست جانیں میرا پیغامِ محبت ہے، جہاں تک پہنچے
جلوے پیتاب تھے جو پردہِ فطرت میں جگر خود تڑپ کر مری چشمِ نگران تک پہنچے



سُن کے نغمے بھی خاموشِ فغاں تک پہنچے اب ترے حوصلے، اے عشق! کہاں تک پہنچے
عشق کی چوٹ دکھانے میں کہیں آتی ہے کچھ اشارے تھے کہ جو لفظ و بیاں تک پہنچے



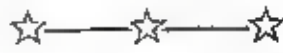
غالب مرحوم

لا ریب، کہ اس رمز سے واقف تھی تری ذات افسانہ ہمہ رنگ و حقیقت ہمہ بے رنگ
اے، وہ کہ تری ذاتِ گرامی بہ ہمہ رنگ قدرت کی جو ہم راز تو فطرت کی ہم آہنگ

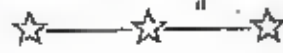
اے، وہ کہ تری فکر بہ ہر طرزو بہ ہر صنف
 اے، وہ کہ ہر اک نغمہ ترا نغمہ فطرت
 اے، وہ کہ ترے مجزوء جہش لب سے
 ہر بھول ترے باغ کافر دوش بہ دامن
 اقلیم سخن ہے ترے اعجازِ نفس سے
 اک گوشہ دامن میں ترے دجلہ و جیون
 تھے ملک سخن میں ترے ہم عصر ہزاروں
 تو لظم میں بھی، نثر میں بھی مجھدا حاضر
 تو نے اُسے گنجائش کونین عطا کی!!
 عربی و نظیری و ظہوری و فغانی!
 لاریب، کہ اس رمز سے واقف تھی تری ذات
 الحق، کہ تری وسعت تخیل کے آگے
 ہم شعلہ وہم شبنم و ہم شیشہ وہم سنگ
 اے، وہ کہ ہر اک نقش ترا روش ارژنگ
 اک جنت شاداب ہر اک غنچہ دل تنگ
 ہر خار ترے وشت کا انکشت عشق رنگ
 ہم نغمہ وہم شیشہ و ہم نکبت وہم رنگ
 اک موجِ نفس میں تری رقصاں حسن و گنگ
 تہا تھی تری ذات مگر صاحب اورنگ
 لیکن وہ ہے معذور کہ جس کی ہے نظر تنگ
 ہر چند بہت تھا کبھی دامن غزل تنگ
 تیرا کوئی ہم سر، نہ ترا کوئی ہم آہنگ
 افسانہ ہمہ رنگ و حقیقت ہمہ بے رنگ
 صحرا کف خاکستر و گلشنِ قفسِ رنگ



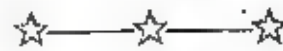
۱ اب غم عشق نغمہ بار نہیں اب کوئی شعر شاہکار نہیں



۲ اب کہاں حسن صداقت کہ بے نقش دوام اب تو لے دے بس اک حسن بیاں ہوتا ہے



۳ مدت گذری، یاد ہے اب تک تیری گلی کی ہیرا پھیری
 دشمن سمجھے رحم کے قابل کیا ہوئی، اے دل! غیرت تیری



قطعہ

آپ کے سب اصول جمہوری جیسے کاغذ کے بھول کچھ رنگیں
 مختصر یہ کہ آپ خود کیا ہیں؟ آپ کی ذہنیت ہے کتنی حسین

آپ کہتے ہیں کچھ، عمل کچھ ہے اس کے شاہد ہیں آسمان و زمین
میں بس اتنا ہی عرض کرتا ہوں آپ جمہوریت کے اہل نہیں

☆—☆—☆

نغمہ و صہبہ، شعر و ادب تیری نظر کے تشنہ سب
ختم ہوا انعامِ فراق! آ ہی گیا پیغامِ طلب
حسن و محبت، روح و جسد تھا تھا، ہائے غضب

☆—☆—☆

علم ہی ٹھہرا علم کا باغی عقل ہی نکلی عقل کی دشمن

☆—☆—☆

آسمان مرکزِ تخیل و تصور کب تک آسمان جس سے جخل ہو، وہ زمیں پیدا کر
روحِ آدم نگراں کب سے ہے تیری جانب اُٹھ اور اک جنتِ جاوید یہیں پیدا کر

☆—☆—☆

نگاہوں میں منزل کوئی پھر رہی ہے یونہی گرتا پڑتا چلا جا رہا ہوں
مجھے کوئی دیکھے، مجھے کوئی سمجھے! یہ کیا سامنے ہوں، یہ کیا جا رہا ہوں
خود اپنی بھی پہنائیاں ختم کر کے خود اپنی نظر میں چھپا جا رہا ہوں

☆—☆—☆

جیسی کرنی دینی بھرنی ظالم فطرت رحم نہ کھائے
آج ہے بے ڈھب دل کی دھڑکن جیسے کوئی پاس بلائے
کوئی بننے یا کوئی روئے فطرت اپنا جی پہلائے

☆—☆—☆

چھپتا ہے کہیں بانی بیداد کا عالم ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ فریاد کا عالم
دیکھ، اے نگہ شوق! یہیں تک نہ ٹھہرنا اک اور بھی ہے حسنِ خدا داد کا عالم
اب کیا کوئی سمجھے مری زوداد کا عالم نغموں میں ہے ڈوبا ہوا فریاد کا عالم

۱۔ تحریک اکتوبر ۱۹۶۲ء ۲۔ العلم اپریل تا جون ۱۹۶۲ء ۳۔ حیات جگر (قیسی الفاروقی)

۴۔ جگر کی بیاض نمبر ۲ (لاہوری جامعہ ملیہ دہلی)

اللہ رے، اک مطرب بے نام کا اعجاز ہر سانس ہے اک نعمتِ آزاد کا عالم
ہر نعمت ہے جس کے لئے فریاد کا عالم! اللہ رے، اس نعمتِ آزاد کا عالم!

☆—☆—☆

لڑتے رفتہ رفتہ مرکزِ فکر و توجہ بن گئی!! اپنی بربادی کو خُسنِ رائیگاں سمجھا تھا میں

☆—☆—☆

یادش بخیر! پھر سے اسی رہ گذر کی یاد گذرے تھے ہم جہاں سے کبھی سر لے ہوئے
پھر عشقِ سادہ لوح کو دعوائے ضبط ہے ہر نفس میں شورشِ محشر لئے ہوئے
تو خود ہی عین ذات ہے، خود جلوہٴ صفات پھر تا کہاں ہے شوق کا دفتر لئے ہوئے
جس کی شفا محال ہے، جس کی دوا حرام اے چارہ گر! وہ زخم ہوں دل پر لئے ہوئے
یا رب! کہاں گیا وہ زمانہ کہ عشق میں اک دل تھے ہم بھی دل کے برابر لئے ہوئے
جن کو خبر نہیں کہ ہے رنگِ زمانہ کیا بیٹھے رہیں وہ شاہد و ساغر لئے ہوئے

☆—☆—☆

آج سے ترکِ ملاقات بھی تسلیم مجھے توبہ توبہ کرتے خُسن کی رسوائی ہو

☆—☆—☆

نظر کو فرصتِ نظارگی نہیں، نہ سہی یقین تو ہے کہ وہ آئے تھے بے حجابانہ

☆—☆—☆

کوئی منزل ہو، کوئی مرحلہ ہو عشق کی دسترس سے دور نہیں

☆—☆—☆

تیرے جلوے تو بیکراں ہیں، مگر کم نہیں عشق کا بھی ظرفِ نگاہ

☆—☆—☆

نظر جب سے کسی نے پھیر لی ہے بہت براہم مزاجِ زندگی ہے

☆—☆—☆

رندی کے لئے ہے نہ عبادت کے لئے ہے انسانِ محبت ہے، محبت کے لئے ہے

☆—☆—☆

کیا کرے گا وہ کسی اور کا شیدا ہو کر جس نے اپنے کو نہ سمجھا کبھی اپنا ہو کر

☆—☆—☆

تاز تھا جس پر بلبل و گل کا سوکھ چلی وہ شاخ نشین



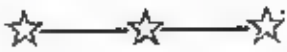
توبہ، زاہد، ہم اور توبہ! مقلبی وجہ پارسائی ہے
بس اسی کی ہے زندگی، جن نے آپ اپنے پہ فتح پائی ہے
اُس نے اک رُوح پھونک دی ہے جگر جب نظر سے نظر ملائی ہے



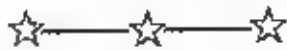
آتشِ گل کے بعد

غزلیات

لاجب تک کہ غم انساں سے جگر انسان کا دل معمور نہیں
 جنت ہی سہی دُنیا، لیکن جنت سے جہنم دُور نہیں
 بُو ذوقِ طلب، بُو شوقِ سفر کچھ اور مجھے منظور نہیں
 اے عشق! بتا اب کیا ہو گا، کہتے ہیں کہ منزل دُور نہیں
 واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ، مگر
 آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرے پہ یقیں کا نور نہیں
 میں زخم بھی کھاتا جاتا ہوں، قاتل سے یہ کہتا جاتا ہوں
 توہین ہے دست و بازو کی، وہ وار کہ جو بھرپور نہیں
 اربابِ ستم کی خدمت میں بس اتنی گزارش ہے میری
 دُنیاے قیامت دُور تو ہے، دُنیا کی قیامت دُور نہیں



کون رہے شب نشین نورِ سحر کے لئے	کم نہیں ظلمت میں کچھ اہل نظر کے لئے
ہاتھ یہ بڑھتے نہیں ہر گل تر کے لئے	لاکھ چمن زارِ حسن پیش نظر ہوں تو کیا
تنگ ہے وہ زندگی اہل نظر کے لئے	جس پہ بہت ناز ہے آہ تجھے، بوالہوس!
بند نہیں کوئی راہ پائے بشر کے لئے	جوشِ طلب چاہئے ہوشِ ادب چاہئے
وجد میں ہے کائنات اہل نظر کے لئے	رقص میں سے زندگی ایک تیرے واسطے
بچھ گئے لاکھوں چراغ ایک سحر کے لئے	کم نہ ہوئیں ظلمتیں اُف رے شبستانِ غم!



محبت کا، بالآخر رقص بے تابانہ کام آیا
 نگاہ شہر گئیں اٹھی، سلام آیا، پیام آیا
 ادب، اے گردشِ دوراں! کہ پھر گردش میں جام آیا
 سنبھل اے عہدِ تاریکی! کہ وقتِ انتقام آیا
 نہ جانے آج کس دُھن میں زباں پر کس کا نام آیا
 فضا نے پھول برسائے، ستاروں کا سلام آیا
 جہاں زندگی میں جب کوئی نازک مقام آیا
 جنوں نے ہی قیادت کی، خلوصِ غم ہی کام آیا
 نئی تخریب لازم ہے، نئی تعمیر کی خاطر
 ہوا کیا تو اگر کچھ گرتی دیواروں کو تھام آیا
 سنبھل کر یوں تو ہم گذرے کسی کی راہ میں، لیکن
 کچھ ایسے بھی مقام آئے کہ گر پڑنا ہی کام آیا
 مجھے شکوہ نہیں ساتی سے اپنی تشنہ کامی کا
 میری قسمت میں دل آیا، ترے ہتھ میں جام آیا
 اٹھا تعظیم کو ساتی، ٹھکے شیشے، بڑھے ساغر
 نہ جانے آخر شب کون رید تشنہ کام آیا
 اندھیرے سے اُجالے بھوٹ نکلے، دل یہ کہتا ہے
 مرا افسوں خرام آیا، مرا ماہِ تمام آیا
 نکل آیا جگر جب میکدہ میں شور یہ اٹھا
 وہ رید دل بہ یار دے بہ جام و تشنہ کام آیا

☆—☆—☆

سرِ محفل جب اُن خاموش نظروں کا پیام آیا زبان بے زبانی پر پیام آیا

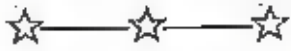
☆—☆—☆

گدگد میں جو اُس شوخ کا دیدار ہوا ہے تا در سمہلنا مجھے دشوار ہوا ہے
 منظور ہر اک دور میں بیدار ہوا ہے افسانہ کہیں ختم سرِ دار ہوا ہے؟
 اب حُسن سے کچھ کام، نہ جلووں سے سرد کار اب عشق ہی خود عشق کا معیار ہوا ہے

۱۔ جگر کی بیاض نمبر ۱۱، بھری جامعہ ملیہ (دہلی) ۲۔ حیاتِ جگر (قیس الفاروقی)

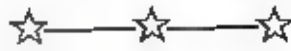
جو گھونٹ بھی اُترا ہے، وہ تلوّاز ہوا ہے
تب جا کے یہ دل شعلہٴ بیدار ہوا ہے
کچھ اُن کی نگاہوں کا بھی اصرار ہوا ہے
سیراب ہر اک پھول، ہر اک خار ہوا ہے
ہر سانس حدیثِ لب و رخسار ہوا ہے
ہر شعرِ مرا شعلہٴ رخسار ہوا ہے

بے شاہد و ساقی بھی کبھی پی تو ہے، لیکن
کیا کیا نہ تپایا ہے اسے آتشِ غم نے
کچھ دل کا تقاضا ہی نہ تھا عرضِ محبت
شبنم کی نظر میں نہیں تخصیص کسی کی
فیضانِ غمِ عشق سے حاصل ہے جو نسبت
کیا کہئے جگر! کس گلِ رعنا کی بدولت



ہر عزم، ہر اک حوصلہ بیکار ہوا ہے
یہ دل جو ابھی فتنہٴ بیدار ہوا ہے
اک حرفِ تسلی بھی گراں بار ہوا ہے
سنئے ہیں کہ واعظ بھی قدحِ خوار ہوا ہے

بے نام و نشان ایسا بھی اک وار ہوا ہے
ڈھانی ہے اسی کو غمِ دوراں یہ قیامت
کچھ دن سے عجب دل کی نزاکت کا ہے عالم
کیا چیز تھی رندانِ خوشِ انفاس کی صحبت



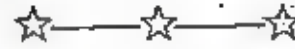
یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے
مجھے اتنا سہارا کم نہیں ہے
اس میں کونسا عالم نہیں ہے
کوئی عالم بہ ہر عالم نہیں ہے
ابھی تک دم بہ دم، پیہم نہیں ہے
مالِ لغزشِ آدم نہیں ہے
حقیقت کیا، اگر مبہم نہیں ہے
یہ فانی زندگی بھی کم نہیں ہے
سرِ تسلیم کس کا خم نہیں ہے
چمنِ شاداب ہے، شبنم نہیں ہے
مگر یہ فطرتِ آدم نہیں ہے
مقامِ التجا بھی کم نہیں ہے
مزاجِ عشق ابھی برہم نہیں ہے

یہ میخانہ ہے بزمِ جم نہیں ہے
شکستِ دل شکستِ غم نہیں ہے
ذرا سا دل ہے، لیکن کم نہیں ہے
یقینِ عشق اگر محکم نہیں ہے
ابھی ناکام ہے دردِ محبت
تو پھر کیا ہے، اگر یہ حسنِ فطرت
کہاں کا حسن، اگر اٹھ جائے پردہ
ارے او شکوہِ سنجِ عمرِ فانی!
زباں سے کوئی کچھ کہہ لے، پر اے دوست!
کہیں ایثارِ غم جاتا ہے ضائع؟
وفا اک جنس ہے معروف و دلکش
نہ جا شانِ تغافل پر کہ، اے دوست!
ستم کچھ اور کر گئیں حسنِ دالے!

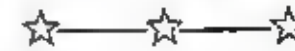
نگاہ و فکر کو کیا کہئے، ورنہ
ابھی کیا لذت دردِ محبت پیامِ دم بہ دم، پیہم نہیں ہے
حقیقت کوئی بھی مبہم نہیں ہے



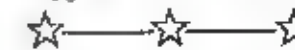
کیا چیز غمِ عشق کی دیوانہ وٹی ہے
ہر چند کہ تکرارِ نظر بے ادبی ہے
اک منزل بے نام، بہ حسرت، نہ تماشا
آسان نہیں، جہدِ مسلسل سے گزرنا
اک طرزِ تصور کے کرشمے ہیں بہر رنگ
بن جاؤں میں بیگانہ آدابِ محبت
بجھتی ہی نہیں اب کسی ساغر سے مری پیاس
وہ ظلم بھی ڈھاتے ہیں تو فرماتے ہیں احساں
رونا ہے تو رونا ہے، ہنسی ہے تو ہنسی ہے
پر کیجئے کیا، عشق کی فطرت ہی یہی ہے
اک عالمِ حیرت کہ نہ غم ہے، نہ خوشی ہے
ہر گام یہاں مرحلہ خود شکنی ہے
انے دوست! یہ دنیا نہ بری ہے نہ بھلی ہے
اتنے نہ قریب آؤ، مناسب بھی یہی ہے
شاید مرا مقصد ہی مری تشنہ لبی ہے
میں آہ بھی کرتا ہوں تو خاطر شکنی ہے



پہنچنا زندگی سے زندگی تک
بمِ اللہ! جنونِ شوقِ پہنچا
مرا کفرِ محبت، اللہ اللہ!
خزانے بھر لئے ہیں اہلِ دل نے
وہی دل ہے مگر اے حسنِ جاناں!
خبر دار، اپنے میخانے سے سہاں!
نہ پوچھو، خاک! پروانے کے جی سے
بہت آگے مقامِ آگہی ہے
شعاعیں پھوٹ نکلیں تیرگی سے
ترے مستوں کے دامنِ تہی سے
کے فرصتِ جہادِ زندگی سے
اٹھے شعلے مرے جامِ تہی ہے



اب کسی شے میں دل کشی نہ رہی
کہنے سننے کا جب مقام آیا
رشک نے ایسے تفرقے ڈالے
رہ گیا کیا، اگر محبت میں
عشق ہی درد، عشق ہی درماں
ہم نہ تھے گرچہ مستحقِ کرم
لوٹ لے دولتِ فراق، جگر!
رہ گیا سایہِ روشنی نہ رہی!
کہنے سننے کی تاب ہی نہ رہی!
دیدہ و دل میں روشنی نہ رہی
سر فروشانہ زندگی نہ رہی
اب ضرورت کسی کی بھی نہ رہی
اُس طرف سے مگر کمی نہ رہی
فرصتِ غم رہی رہی نہ رہی



واعظ نہ کیوں ہو طاق حساب و کتاب میں گزری ہے ساری عمر عذاب و ثواب میں
ان زاہدانِ خشک پہ ہو رحمتوں کی مار توڑا کئے دلوں کو حصولِ ثواب میں

☆—☆—☆

سچ جو تیری یاد سے معمور و نغمہ خواں گذرے وہ لمحے کتنے حسین، کس قدر جواں گذرے
کہاں وہ جائے تری بزمِ ناز سے اٹھ کر ترے بغیر جسے زندگی گراں گذرے

☆—☆—☆

عشق ہی اس کو جانتا ہے کہ ہے اک نگہ اور بھی ورائے نگاہ

☆—☆—☆

ارمان اگر ہے اور یہی، اے قاتلِ ناداں! یہ بھی سہی
میں سینے پہ لوں ہر وار تراء، تو تیر چلا، تلوار اٹھا

☆—☆—☆

جب یاس سے ہو چلا میں خوگر!! وہ آگئے دفعتاً غزلِ خواں
لذت ہے تو مصیبت میں، لیکن کتنی ارزاں ہے، کتنی آساں

☆—☆—☆

وہ رہے ہم سے دور دور تو کیا ہم نے بوسے ادا ادا کے لئے
گردشیں آساں کو ہیں کیا کیا اک اسی خاکِ زیرِ پا کے لئے

☆—☆—☆

اپنی جنت کی فکر کر، واعظ میری جنت تو مجھ سے دور نہیں

☆—☆—☆

لطیف طبع کو لازم ہے سوزِ غم بھی لطیف چمن میں آتشِ گل کا کبھی ڈھواں نہ رہا
فراقِ زیست کی شورش، وصالِ موت کے بعد کہاں کا لطف، جو یہ لطف درمیاں نہ رہا

☆—☆—☆

کرم کر رہے ہیں ستم ڈھا رہے ہیں ہمیں ہم وہاں اب نظر آ رہے ہیں

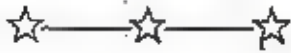
☆—☆—☆

۱۔ مکتوب جگر بنام حبیب احمد صدیقی ۲۔ ماہنامہ جگر مئی ۱۹۵۳ء ۳۔ القلم اپریل تا جون ۱۹۶۳ء

۴۔ حسب روایت نیاز گوٹروی ۵۔ مکتوب جگر بنام میکش اکبر آبادی ۱۹۵۸ء ۶۔ شاہراہ مئی ۱۹۵۸ء

۷۔ شاہراہ جون ۱۹۵۸ء ۸۔ جگر کی بیاض نمبر ۱ (لابریری جامعہ ملیہ دہلی)

دہر کا پھر وجود کیا، کوئی جو دہریا نہیں پھر یہ خودی ہے کیا بلا، کوئی اگر خدا نہیں



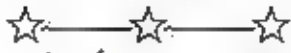
پابند کرم مائل بیداد رہے گی دنیائے محبت یونہی برباد رہے گی
میں لاکھ گرفتار تعین سہی، لیکن فطرت میری آزاد ہے، آزاد رہے گی



کچھ اب اور ہی پا کے منشا کسی کا اَللّٰہا پڑا مجھ کو زخ زندگی کا
بہ ایس عقل و دانش، بہ ایس علم و حکمت بشر پھر بھی پتلا ہے کم مانگی کا



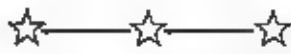
یوں سبزہ بیگانہ کو روندنا نہ کریں آپ مجھ جائے نہ نکودں میں کوئی خارِ محبت



داغِ دل کیوں کوئی ممنون پذیرائی ہو گلِ ویرانہ بنے، لالہ سحرائی ہو
دل در دولت اگر ہے، تو بنا، اے واعظ! حرمِ دیر میں کیوں مشقِ جہیں سائی ہو



طبیعت آکے پھر تاحدِ امکانی نہیں جاتی نہیں جاتی، نہیں جاتی، یہ دیوانی نہیں جاتی



دکھا دے، اے دل بیتاب! عالی ہمتی اپنی دو عالم بن کے پھیلا دے دو عالم میں خودی اپنی
نہ حُسن و عشق کی چھیڑیں، نہ امن و آشتی اپنی تری جنت کو اے واعظ! یہیں سے بندگی اپنی
انہیں کو اب نگہبانی بھی کرنی پڑ گئی اپنی زہے دیوانگی اپنی، خوشا فرزانگی اپنی
ثارِ ہمت ساقی ہے مرگ و زیت بھی اپنی معاذ اللہ یہ دریا نوشیاں، یہ تشنگی اپنی
نظر پڑتی ہے عالم پر ای صورت، یونہی اپنی کسی نے جیسے آئینے میں صورت دیکھ لی اپنی
زمانہ تھا کبھی اپنا، یہ دنیا تھی کبھی اپنی مگر اب تو نہ شامِ غم، نہ صبحِ سرخوشی اپنی
مکمل تو کوئی کر لے حیاتِ عاشق اپنی خدائی چیز ہی کیا ہے، خدا اپنا، خودی اپنی
حقیقت ہی نہیں، جو چھوڑ دے اپنی حقیقت کو وہی حسرت ہے صرف اپنی، جو حسرت رہ گئی اپنی
مری بربادیوں میں کیوں ہو یہ احساس بھی شامل مرے سر ڈال دیجئے خیر سے شرمندگی اپنی
نگاہیں چار ہوتے ہی طلسمِ غیریت ٹوٹا حقیقت نے حقیقت جان لی، پہچان لی اپنی



کی ہے تڑپ تڑپ کے سحر، یادِ یار نے
بدلے ہیں رنگ رنگِ ذلِ بیقرار نے
ہاں، اے نگاہِ شوق! ذرا تو بھی کام کر
تصویر کھینچ دی کسی بیکسِ شباب کی
اک کشتہ خزاں کو بھی دم بھر سٹلا دیا
یہ کیا غضب کیا نفسِ شعلہ بار نے
رکھا ہے بھینچ بھینچ کے آغوشِ یار نے
آتے نہیں انہیں ابھی گیسو سنوار نے
بے اختیار آج اک اٹھے غبار نے
دے دے کے تھپکیاں سی نسیم بہار نے

☆—☆—☆

بڑھے ہیں تری جستجو میں، بڑھے ہیں
مبارک! تجھے تیری گستاخِ کوشی
محبت سے آویزشیں، توبہ، توبہ!
کہیں اب قدم یہ ہیں رگ جانے والے
کھنچے آ رہے ہیں کھنچے جانے والے
بہک کر رہیں گے یہ بہکانے والے

☆—☆—☆

رہتا نہیں ہے جس میں کہ یارائے صبر و ضبط
کیا جانے، اُس بخون میں کیا کیجئے گا آپ

☆—☆—☆

جو دل کہ تیری جلوہ گہ خاص تھا کبھی
اس عہدِ مغربی میں ہے کس چیز کی کمی
کیوں کر یہ اب کہوں، وہ تری زہگذر نہیں
کہتے ہیں جس کو دل کی سکینت مگر نہیں

☆—☆—☆

اس زمانے میں دلائل کے سوا!
آج کل زورِ بیاں، حُسنِ زباں
ہر حقیقت اب حقیقت ہی نہیں
کیا نہیں، لیکن صداقت ہی نہیں

☆—☆—☆

جس کے پردے میں نہ ہوں لاکھوں فریب
وہ سیاست اب سیاست ہی نہیں

☆—☆—☆

جہاں پاؤں رکھتے ہیں، سر لوٹتے ہیں
وہیں سر سے جانے کو جی چاہتا ہے

☆—☆—☆

جگر! میری یہ حسرت ہے کہ خوابِ مرگ سے پہلے
مرا ہندوستان، مرا وطن بیدار ہو جائے

☆—☆—☆

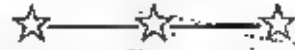
کہنا نہ پھر کہہ ہائے مجھے ہو گیا ہے کیا
جب آگئی ہے ضد مجھے سرکارِ حُسن سے
لیجئے، بلند دست دعا کر رہا ہوں میں
ہر نقشِ آرزو کو مٹا کر رہا ہوں میں

☆—☆—☆

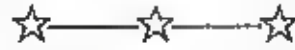
مری عرضِ غم پر وہ فرما رہے ہیں ترے دل کی خاطر ہے، تریا رہے ہیں
ہمہ شعر و نغمہ، ہمہ حسن و خوشبو وہ کچھ گنگناتے چلے آ رہے ہیں
یہ ہے مشہدِ عشق، یعنی یہاں پر حسینوں کے سر ٹھوکریں کھا رہے ہیں



ترا حریفِ مقابل کہیں نہ بن جائے کہ ہر ادا مرے دل میں سمائی جاتی ہے
یہ آگِ عشق کی ہے، یونہی زہنے دے ہدم! بھڑکتی اور سے جتنی بجھائی جاتی ہے
اک آستان پہ جوتا حشر جھگ نہیں سکتی ہزار در پہ وہ گردن جھکائی جاتی ہے



بچھے گی تنہو ز غم سے رُوح کی پیاں اسی شعلہ کو بن جانا سے شبنم
برا ذوقِ نظر خود پردہ بن جائے نہ ہو گر فرصتِ نظارگی کم



پھر زخمت، اے سکوت! کہ برسوں گذر گئے نعماتِ سردی کو پریشاں کئے ہوئے



یہ حُسن ہے کیا، یہ نام ہے کیا، کیونکر یہ ممتہ حل کیجئے ہر حُسن کے ساتھ اک نام تو ہے، ہر حُسن مگر خود نام نہیں



نغمہ و نالہ ساتھ ساتھ، خندہ و گریہ پاس پاس درد یہ کس نے بھر دیا سینہ آبتار میں



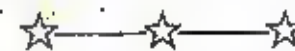
مجھے آ گیا یاد اپنا زمانہ نہ کچھ دل نے سمجھا، نہ آنکھوں نے جانا



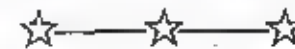
سچ ہے کہ بلا کوئی بھی تنہا نہیں آتی کیا موت بھی بنے متِ عیسیٰ نہیں آتی



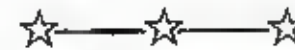
اس موت میں پوشیدہ حیاتِ ابدی ہے سردے کے تو میدانِ شہادت سے گذر جا
قرآن و احادیث کو جو کھیل بتائے اُس قبلہ دیں کی بھی قیادت سے گذر جا



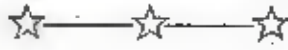
عمرِ عزیزِ آخر و کارِ جہاں دراز کہہ دے کوئی اجل سے کہ فرصت نہیں ابھی



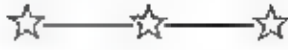
ہر شامِ غم ہے قاصدِ صبحِ نشاط تو یہ آنکھ کی خطا ہے، اگر دیکھتی نہیں



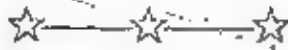
یہ عیش و طرب، یہ رنج و تعب، سب فکر و نظر کے دھوکے ہیں
دھوکے میں نہ آنا ان کے جگر، یہ راہ گزر کے دھوکے ہیں



قحط ہو بنگال میں تیری بدولت، شرم شرم! شرم شرم، اے غیرت احساسِ ملت، شرم شرم!
بھوک کے مارے ہوؤں کی آف یہ ذلت، شرم شرم! اے مروت، اے محبت، اے شرافت، شرم شرم!



آپ ہی اپنی دید سے محروم آپ ہی اپنا مدعا ہوں میں



تو خود ہی عین ذات ہے، خود جلوۂ صفات پھرتا کہاں ہے شوق کا دفتر لئے ہوئے



آج سے ترکِ ملاقات بھی تسلیم مجھے توبہ توبہ! کہ ترے حُسن کی رسوائی ہو
قعرِ دریا میں بھی ہے سٹخ وہی ساحل کی یہ تو ممکن نہیں گہرائی ہی گہرائی ہو
کوئی اپنا نہیں، عرفان نہ اگر ہو اپنا سب شناسا ہیں، اگر حق سے شناسائی ہو



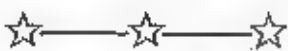
بے سبب کب کوئی رسوائے فغاں ہوتا ہے دل سے جب آگ نکلتی ہے، دُھواں ہوتا ہے
تو جو ہے پاس، تو اک زندہ حقیقت ہے جہاں تو نہیں جب، تو یہ سب وہم و گماں ہوتا ہے



اس نطّہ زر خیز میں یہ قحط، یہ افلاس غیروں کی حکومت کا اثر دیکھ رہا ہوں



جنابِ شیخ بھی انساں تو خوب ہیں، لیکن حدود و سعتِ انسانیت سے بیگانہ
مرنے لئے یہ مری تشنگی ہی کیا کم ہے میں کیوں طلب کروں ساتی سے جام و پیمانہ
نظر کو فرصتِ نظارگی نہیں، نہ سہی یقین تو ہے کہ وہ آئے تھے بے حجابانہ



وہ مری غزل سرائی، وہ کسی کا مسکرانا وہ ذرا ٹھہر کے خود ہی، کوئی شعر گنگنانا
شبِ ماہ و موسمِ گل، وہ کنارِ جون، وہ خلوت وہ ہجومِ کیف و مستی، وہ فسانہ در فسانہ

تجھے یاد اگر نہ ہو، تو تجھے یاد میں دلا دوں
 وہ نئے نئے سے جذبے، وہ نئی نئی ہی ہر شے
 وہ گھٹائیں اُٹدی اُٹدی، وہ ہوائیں مہکی مہکی
 وہ شکستِ عزم و ہمت، وہ غرورِ فتح و نصرت
 تجھے یاد ہے وہ سب کچھ، وہ مقام، وہ زمانہ
 وہ نئی نئی اُمٹگیں، وہ نیا نیا زمانہ
 وہ نگاہیں بہکی بہکی، وہ ادائیں والہانہ
 وہ سرورِ دردِ مندی، وہ نشاطِ دلبرانہ
 مرا دل تھا توبہ توبہ، کہ ”خدائے بے زمانہ“
 ترے سنگِ غم نے توڑا مرے شیشہِ خودی کو

☆—☆—☆

اس جگہ آج غمِ عشق کا عالم پایا
 حُسن کو خود بھی جہاں شوقِ مجسم پایا
 ☆—☆—☆

اپنی بربادیِ پیہم کا خیال آ ہی گیا
 زندگیِ سخت مقامات سے گذری، لیکن
 غیرتِ عشق کے چہرہ پہ جلال آ ہی گیا
 وقت پر کام مرا جامِ سفال آ ہی گیا
 ☆—☆—☆

ہر انقلاب ایک پیامِ سحر سہی
 ہر روشنی دلیلِ طلوعِ سحر نہیں
 ☆—☆—☆

تنگ دستی ہے، فاقہ مستی ہے
 واہ کیا شانِ حق پرستی ہے
 ☆—☆—☆

تمنا ہے اماں مل جائے، یا رب!
 کتابوں میں اہرا ہی کیا ہے، واعظ!
 نہ جانے، کیوں محبت کانپ اٹھی
 جہنم کو مری تر دامن سے
 سبق لے زندگی کا زندگی سے
 اٹھا جب کوئی پردہ زندگی سے
 ☆—☆—☆

یہ رزم گاہِ محبت ہے، اے دلِ ناواں!
 کبھتے رہ گئے لیکن سمجھ میں آ نہ سکے
 شکست دے نہ سکے، جو شکست کھانہ سکے
 مگر وہ میرے عزائم کا سر ٹھکانہ سکے
 ☆—☆—☆

اس عہد میں کہ جو غمِ دوراں نہیں ہے کچھ
 مجھ سے اُلٹا اُنہیں شکوہ ہی ستمِ گاری کا
 عشقِ محدود نہ رہ جائے تو سبحان اللہ!
 وہ شخص ہے دلی جو محبت سے کام لے
 اے جنوں! خواب کا عالم ہے کہ بیداری کا
 ورنہ صرف ایک حسین شغل ہے بیکاری کا
 ☆—☆—☆

رگ رگ میں ہے کون یہ خراماں دل سے ہے نگاہ تک چراغاں

☆—☆—☆

تری شکل سب دلنشین ہو گئی محبت بھی کتنی حسین ہو گئی!

☆—☆—☆

ان دنوں روز گارِ عشق نہ پوچھ شام بھی ہے خفا سحر ہی نہیں
 زندگی کی ہے کوئی منزل بھی زندگی صرف اک سفر ہی نہیں
 کیوں غمِ عشق کو نہ وسعت دیں جب غمِ عشق سے سفر ہی نہیں
 دل کو کیا ہو گیا، خدا جانے کیا گزرتی ہے، کچھ خبر ہی نہیں
 یوں وہ بیگانہ وار ملتے ہیں جیسے اب تک انہیں خبر ہی نہیں
 دل کی باتوں کو مختصر نہ سمجھ دل کی ہر بات مختصر ہی نہیں
 فتنہ شر کے جاننے والے! فتنہ خیر کی خبر ہی نہیں
 ہائے، وہ اک نگاہِ خاص، جگر جو بہت کچھ ہے، مختصر ہی نہیں

☆—☆—☆

طوفاں کو موج، موج کو طوفاں نہ کر سکے وہ کونسا ہے کام کہ انسان نہ کر سکے
 ہم شگہہ سنجی غمِ دوراں نہ کر سکے اپنے سوا کسی کو پشیمان نہ کر سکے
 چپکے سے آج ایک برہمن یہ کہہ گیا کافر ہے وہ جو گفر کو ایماں نہ کر سکے
 شرمندہ جنوں محبت نہیں، اگر ہم احتیاط دست دگریباں نہ کر سکے

☆—☆—☆

غمِ دوراں کی میں تفسیر کبھی کر نہ سکا غمِ دوراں مری تفسیر کئے جاتی ہے
 کیا تم عشق کی تقدیر کئے جاتی ہے ہر بال پاؤں کی زنجیر کئے جاتی ہے
 کچھ تو نامہ ہی کا اثر ہے مجھ پر اور کچھ شوخی تحریر کئے جاتی ہے

☆—☆—☆

یہی دل جلوہ گاہِ یار بھی ہے یہی دردِ دل عطار بھی ہے

☆—☆—☆

دل کی لگی کو خاک بچھاتا آگ لگاتا آیا سادون

☆—☆—☆

حقیقت حسن کی سمجھیں گے کیا خاک وہ ناداں جو بہلتے جا رہے ہیں

☆—☆—☆

مرا عزمِ باغیانہ کبھی کھل گیا جو اُس پر تو نہ پوچھو لطفِ بہیم، بہ گدازِ مخلصانہ

☆—☆—☆

جوانی حاصلِ حسنِ دو عالم ہوتی جاتی ہے نظر بیگانہ حسنِ دو عالم ہوتی جاتی ہے

ذائقِ شعر کا معیار اونچا ہوتا جاتا ہے ازے تو بہ! قیامتِ قدِ آدم ہوتی جاتی ہے

☆—☆—☆

کیسی نظر کہاں کی نظر، کیا نظر میں ہے جب تم نہیں تو خاک مری چشمِ تر میں ہے

☆—☆—☆

چشمِ ساقی! میں تصدق ترے پیانوں کے چند گھونٹ اور بھی، لیکن انہی میخانوں کے

آگ میں پھاند پڑیں، موت سے نگر جائیں واہ! کیا کھیل ہیں ان سوختہ سامانوں کے

کاش! یہ راز ہر انسان سمجھ لے ہم دم! اپنا مقسوم ہے خود ہاتھ میں انسانوں کے

موت کیا آئے گی ہم عشق کے دیوانوں کو موت خود کا پتی ہے نام سے دیوانوں کے

ہر قدم لاکھ تھپڑے سہی طوفانوں کے حوصلے پست نہ ہوں گے کبھی انسانوں کے

زندگی جس سے عبارت ہے محبت، زندہ وہ سکوں صرف ہے آغوش میں طوفانوں کے

☆—☆—☆

پیار کا حشر جو ہونا تھا ہو چکا بیٹھے رہیں وہ حسینِ پشیمان لئے ہوئے

دل بھی وہی ہے، غم بھی وہی، پھر یہ کیا کہ آج ہر اشک ہے تبسمِ پنہاں لئے ہوئے

☆—☆—☆

جاتے ہوئے نظر سے نظر یوں ملا گئے اپنے سوا ہر ایک حقیقت بھنپا گئے

بجلی سی ایک کوند گئی، مسکرا گئے اب کیا کہیں کسی نے، وہ کیا آئے، کیا گئے

☆—☆—☆

عشق نے لی اک انگڑائی، جاگ اٹھا غیرت کا ضمیر چھوٹ گیا دیوانہ آخر، ٹوٹ گئی زنجیر!

مرنے بھی نہ دیں، جینے بھی نہ دیں، کیا افسوں کیا تاثیر پیاری پیاری نظریں اُس کی، نازک نازک تیر

☆—☆—☆

آخر زندگی گھملا یہ راز آپ کتنے قریب رہتے ہیں



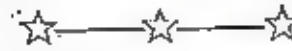
دونوں عالم نہ سہی اک دل دیوانہ سہی جس احساس تو ہے، رقصِ تمنا نہ سہی
وہ بلا نوش ہوں میں بھی کہ الہی توبہ! ہر ادا حسن کی میخانہ بہ میخانہ سہی



مے کی حاجت ہے نہ اب درکار پیانہ مجھے میرے ساقی نے پلا دی روحِ میخانہ مجھے



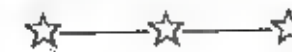
کیا رہبر و رفیق، کہاں کا کچھ امتحان یہ بات ہے جوں کے مذاق سفر سے دور
اہل جہاں کی ہائے رے یہ کم نگاہیاں آئینہ سے قریب اور آئینہ گر سے دور
رحمت تو خاص کر ہے گنہگار کے لئے رہ سکتی ہے کہیں مرے داماں تر سے دور



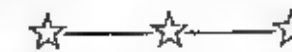
ہل وطن میں مرے فطرت کے مطابق، لے دوست! روز روشن بھی ہے، تاریک ترس رات بھی ہے
حریت بھی ہے، مساوات بھی، جمہوریت بھی ہے تو دستور میں سب کچھ مگر اک بات بھی ہے



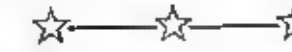
مرے ہوتے پہ کرم ہونہ کسی پر، یارب! ہر بلا کے لئے میرا ہی سیہ خانہ سہی
میری دنیا بھی نہیں کم کسی دنیا سے جگر میری تقدیر میں یہ آپ کی دنیا نہ سہی



یہ فلک، یہ ماہ و انجم، یہ زمیں، یہ رنگ و بو جب وہ ہوتے ہیں تو کچھ اُن کے سوا ہوتا نہیں
یہ حقیقت بھی جوں نے فاش کر دی بارہا ماسوا کہتے ہیں جس کو، ماسوا ہوتا نہیں



چارہ گر اب مجھے معاف کریں اب سکوں درد ہی سے ملتا ہے
سخت ناداں سہی، مگر ناصح کتنی شائستگی سے ملتا ہے!
موت کچھ رازِ غیب کھولتی ہے بھید کچھ زندگی سے ملتا ہے



مری طرف سے کوئی یہ کہہ دے، مجھ بے خبر سے پہلے
صفائے قلب و نظر ہے لازم، جہادِ تیغ و تبر سے پہلے
سفر تو اک شرطِ جستجو ہے، مگر جو ہے شرطِ ہمر ہی بھی
مرے بیکٹنے میں ساتھ دے گا، یہ پوچھ لوں راہ بر سے پہلے

خود اپنی ہی جستجو تھی یعنی، خود اپنی ہی جستجو کی حد تک
 وہیں نہ آ کر قدم رُکے ہیں، چلے تھے جس رہ گزر سے پہلے
 شباب میں اے جگر! غزل تو حقیقتاً ہی غزل تھی، لیکن
 غزل میں یہ وسعتیں کہاں تھیں، شعور و فکر و نظر سے پہلے

☆—☆—☆

غیب کی طاقت اللہ اللہ! جیسا چاہے، ناچ نچائے
 ☆—☆—☆

جب حسن و محبت مل کے بہم، سرشار و غزل خواں ہوتے ہیں
 فطرت کو بھی جال آ جاتا ہے، نظارے بھی رقصاں ہوتے ہیں
 باطل کی ہو کتنی ہی طاقت، باطل کی اطاعت کیا معنی
 ایماں پہ فدا ہو جاتے ہیں، جو صاحب ایماں ہوتے ہیں
 ایوں سے بھی نفرت رکھتے ہیں، ایسے تو ہزاروں لاکھوں ہیں
 دشمن کے بھی کام آ جاتے ہیں، ایسے بھی کچھ انساں ہوتے ہیں
 وہ عشق کی وسعت کیا جانیں، محذود ہے جن کی فکر و نظر
 وہ درد کی عظمت کیا سمجھیں، بیدرد جو انساں ہوتے ہیں
 یہ فیصلہ اپنے دل سے کر، ہوتا ہے تجھے کس صف میں شریک
 ہمدرد بھی انساں ملتے ہیں، بے درد بھی انساں ہوتے ہیں

☆—☆—☆

حسن پر جب یری گھری آئی عشق کا نپا، حیات تھرائی
 ☆—☆—☆

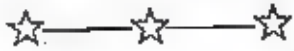
اک عشق ہے کہ جس سے عبارت ہے زندگی یہ درد جس کے دل میں نہیں، آدمی نہیں
 ☆—☆—☆

محبت سخت کوش آئی، جنوں تیشہ بدوش آیا سنبھل، اے گردشِ دوراں! کہ دیوانوں کو ہوش آیا
 ☆—☆—☆

وہ حسن ہی نہیں ہے جو ہو جائے مطمئن وہ عشق ہی نہیں ہے جو ثابت قدم نہیں
 ☆—☆—☆

نظر آتے ہیں ہم سب آدمی سے مگر کہئے تو کیا کہئے کسی سے
 نہ بدلے بحر کو بھی تشنگی سے تعجب کیا مزاج عاشقی سے

مجھے ہر ایک ٹک ہے خضر منزل! نشانِ راہ پاتا ہوں اسی سے

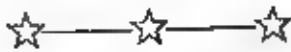


لب ترستے ہیں التجا کے لئے ہاتھ اٹھتے نہیں دعا کے لئے
ہم نے تنہائیوں میں کیا کیا لطف ایک آواز بے صدا کے لئے
عشق کی وسعتیں، خدا کی پناہ حوصلہ چاہیے وفا کے لئے
پھول کو رنگ و رامش و نکبت اور آوارگی صبا کے لئے
مجھ کو جو چاہوں، ناچو! کہہ لو کچھ نہ کہنا اے خدا کے لئے

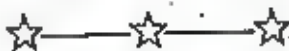


قتدیاری

بہ سر تو ساقی مست من، بہ سرور بے طلی خوشم
اگرم شراب نمی دہی، بہ خمار تشنہ لبی خوشم
چہ خوش است ذوقِ مستم! چہ بلاست لذتِ فرتم
کہ نہ یاد زلفِ سیاہ تو، بہ ہجوم تیرہ شی خوشم
چہ مقامِ عشق و چہ منزله کہ دریں زماں من بے دے
نہ بہ شاہدے، نہ بہ مطربے، نہ بہ حاصل غنی خوشم
زنگاہِ عشوہ طراز تو، چہ گزشت بر دل من کہ من
نہ بہ نالہ سحری خوشم، نہ بہ آہ نیم شی خوشم
زجفایِ حسن تمام تو نہ حکایتے نہ شکایتے
چہ حکایتے چہ شکایتے کہ بہ ترک بے ادلی خوشم



ہمہ ہوشِ عشقم، ہمہ سوزِ جانم حذر اے جواناں! کہ پیرِ جوانم
نہ ائم نہ جسم نہ انیم نہ آنم چہ رازِ عیانم! چہ سرِ نہانم
جہاں از من و من بہ جانِ محبت بہ جانِ محبت! کہ جانِ جہانم
خوشا نسبتِ عشق لاقانی تو
فا عشقم و زندہ جاودانم



نعت شریف

اے از لب صداقت شنیدہ تا دیدہ خدا، خداے دیدہ

خصوصیات محمدیہ

اے مثل تو در جہاں نگارے یزداں دگرے نہ آفریدہ
اے آں کہ بہ "امتزاج کامل" در جملہ صفات برگزیدہ
تو پر تو حسن ذات و از تو یک شتمہ بہ دیگران رسیدہ
اے بے ہمہ خلق و باہمہ خلق اے از ہمہ خلق برگزیدہ



عہد رسالت تا خلافت راشدہ

آں خیر کہ بود در زمانت بعد از تو زمانہ ہم نہ دیدہ
در عشق و وفا دگر مثالے نے دیدہ دنی ز کس شنیدہ



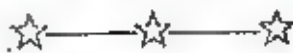
عہد حاضر

امروز بہ ہیں کہ مرد ماں را کارے بہ ہلاکتے رسیدہ
مشرق ہمہ پر زقنہ و شر مغرب ہمہ مست و سر کشیدہ



معراج

اے آں کہ ز شوق بے نہایت حق راہمہ آشکار دیدہ
طے کردہ مراحل و منازل تابیدرہ باساختے رسیدہ
وز بندرہ بہ منتہائے قوسین با عظمت خاص رہ بریدہ



شمہ از حقیقت معراج

اے آل کہ درون پردہ راز از خویش بہ خویشتن رسیدہ

☆—☆—☆

کے عقل تو اں رسد بہ پایاں ہم عشق ہنوز نا رسیدہ

”لَوْ لَا لَمْ يَخْلُقْ الْاَفْلاَکَ“ در مدح تو جان ہر قصیدہ

اے اسم تو حزر جان عشاق اے ذکر تو نور قلب و دیدہ

اے بر تو ثار ”شرم عصیاں“ اے بر تو فدا ”دل پتیدہ“

یک گوشہ چشم التفاتے بر امتیانِ غم رسیدہ

رحمت بہ اشارہ تو جوشاں جنت بہ نگاہت آرمیدہ

☆—☆—☆

قطع و مقطع

استادہ بہ پیش بارگاہت پیرے بہ رخ آستیں کشیدہ

شاید جگرے حزیں ہمیں است از بار گنہ کمر خمیدہ

☆—☆—☆

حقیقت و مجاز

اے عین تو ہیج کس ندیدہ افسانہ بہ ہر زباں رسیدہ

دیدن نثواں واز روہ شوق خارے بہ دلے جہاں خلیدہ

عالم ہمہ ہرز جلوہ دوست اے دایے نگاہ نارسیدہ

گہہ گہہ نگہ بہ پائمالاں اے سرو روان سرکشیدہ

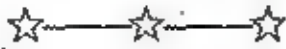
داریم دلے بہ سینہ عشق نازک ”زگل بہار چیدہ“

جائے زبے کشیدہ ساتی کیف ز شراب ناکشیدہ

☆—☆—☆

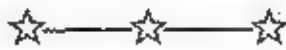
قطعہ (مجاز و محاکات)

دی شب بہ کنارم آمد آں شوخ دامن حیا بہ رخ کشیدہ
 یک پیکرِ حسن و شعر و نغمہ یک صنعتِ قدرتِ آفریدہ
 یک حسن نگار و صد بہاراں یک شوقِ من و ہزار دیدہ
 گل! تمکنتے بہ رخ فروزاں خوش معذرتے بہ لب رسیدہ
 آں دیدہ شرمگین کہ گوئی مے خانہ بہ ساغرے کشیدہ
 پنہاں نظرے بہ شوقِ گستاخ پیدا اثرِ دلِ تپیدہ
 مژگانِ دراز صف بہ بستہ ابروے سپہ کماں کشیدہ
 جنبش بہ نگاہِ ناتمامے لرزش "بے لبے سخن رسیدہ"
 ہم سطوتِ حسن بیز تادیب ہم ناز، نیاز آفریدہ
 از جوشِ خلوص، مہرِ برب دز کیفِ نشاط، آبدیدہ
 گفتم کہ چساں گزشت بے من گفتا، بہ خیالت آرمیدہ



قطعہ

اے آں کہ ز عشقِ پُری ازمین عشقِ است نہالِ برگزیدہ
 بخش بہ دلِ ازلِ نہفتہ شاخِش بہ سرِ آئند رسیدہ



کلام تازہ

(یہ غزلیں "آہتش گل کی اشاعت کے بعد کہی گئی ہیں)

کم نہیں ظلمت بھی کچھ، اہل نظر کے لیے
 کون رہے شب نشیں نورِ سحر کے لیے
 لاکھ چمن زارِ حسن پیش نظر ہوں تو کیا
 ہاتھ یہ بڑھتے نہیں ہر گلِ تر کے لیے

جس پہ بہت ناز ہے آہ، تجھے بوالہوس
 ننگ ہے وہ زندگی اہل نظر کے لیے
 جوشِ طلب چاہیے ہوشِ ادب چاہیے
 بند نہیں کوئی راہ پائے بشر کے لیے
 رقص میں ہے زندگی ایک ترے واسطے
 وجد میں ہے کائنات اہل نظر کے لیے
 کم نہ ہو میں ظلمتیں اُف رے شبتانِ غم
 مجھ گئے لاکھوں چراغ، ایک سحر کے لیے

گوئدہ، جون ۱۹۵۸ء

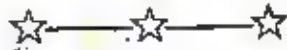


محبت کا بالآخر رقصِ بیتابانہ کام آیا
 نہ جانے آج کس دھن میں زباں پر کس کا نام آیا
 ادب اے گردشِ گردوں کہ پھر گردش میں جام آیا
 جہادِ زندگی میں جب کوئی نازک مقام آیا
 نئی تخریب لازم ہے نئی تعمیر کی خاطر
 مجھے شکوہ نہیں ساقی سے اپنی تشنہ کامی کا
 اندھیروں سے اُجالے بھٹوٹ نکلے، دل یہ کہتا ہے
 سنبھل کر یوں تو ہم گورے کسی کی واہ میں لیکن
 اٹھا تعظیم کو ساقی، جھکے شیشے، بڑھے ساغر
 نگاہِ شرمیلیں اٹھی، سلام آیا، پیام آیا
 فضا نے بھول برسائے، ستاروں کا سلام آیا
 سنبھل اے عہدِ تاریکی کہ وقتِ انتقام آیا
 جنوں ہی نے قیادت کی، خلوصِ غم ہی کام آیا
 ہوا کیا تو اگر کچھ گرتی دیواروں کو تھام آیا
 مری قسمت میں دل آیا ترے ہتھے میں جام آیا
 مرا افسوں خرام آیا، مرا ماہِ تمام آیا
 کچھ ایسے بھی مقام آئے کہ گز پڑنا ہی کام آیا
 نہ جانے آخر شب کون رہد تشنہ کام آیا

نکل آیا جگر جب میکدے میں شور یہ اٹھا

وہ رہد دل بہ یاروے بجام و تشنہ کام آیا

گوئدہ، جولائی ۱۹۵۸ء



منصور ہر اک دور میں بیدار ہوا ہے
 مذت میں جو اس شوخ کا دیدار ہوا ہے
 بے نام و نشان ایسا بھی اک وار ہوا ہے
 کیا کیا نہ تپایا ہے اسے آتشِ غم نے
 اب حسن سے کچھ کام نہ جلوؤں سے سروکار
 افسانہ کہیں ختم سر ۱۱۱ ہوا ہے
 تا دیر سنبھلنا مجھے دُشوار ہوا ہے
 ہر عزم، ہر اک حوصلہ بیکار ہوا ہے
 تب جا کے یہ دل فعلتہ بیدار ہوا ہے
 اب عشق ہی خود عشق کا معیار ہوا ہے

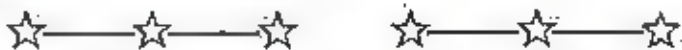
فیضانِ غم دوست سے حاصل ہے وہ نسبت
کچھ دل کا تقاضا ہی نہ تھا "عرضِ محبت"
بے شاہد و ساقی بھی کبھی پی تو ہے لیکن
ڈھالی ہے اسی کو غم دوراں پہ قیامت
کچھ دن سے عجب دل کی نزاکت کا ہے عالم
شبنم کی نظر میں نہیں تخصیص کسی کی
کیا چیز تھی رندانِ خوش انفاس کی صحبت
کیا کہیے جگر کس گل رعنا کی بدولت
ہر شعر مرا شعلہ زخار ہوا ہے

گوئدہ، اگست ۱۹۵۸ء



یہ مے خانہ ہے، بزمِ جم نہیں ہے
شکستِ دل شکستِ غم نہیں ہے
ذرا سا دل ہے لیکن کم نہیں ہے
یقینِ عشق اگر محکم نہیں ہے
نہ جاشانِ تغافل پر کہ اے دوست
تو پھر کیا ہے اگر یہ حُسنِ فطرت
کہاں کا حُسن اگر اٹھ جائے پردہ
ہستم کچھ اور کر لیں حُسنِ والے
ارے او شکوہِ سنجِ عمرِ فانی
وفا اک جنس ہے معروف و دلکش
نگاہ و فکر کو کیا کیے ورنہ
زباں سے کوئی کچھ کہہ لے پر اے دوست
کہیں ایثارِ غم : جاتا ہے ضائع
چمنِ شاداب ہے، شبنم نہیں ہے

گوئدہ، مارچ ۱۹۶۵ء



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

شہزاد آفاق عظیم شہزاد کے شعری مجموعے

میر تقی میر	گلیاتِ میر
نظیر اکبر آبادی	گلیاتِ نظیر
مرزا احمد رفیع سودا	گلیاتِ سودا
خواجہ حیدر علی آتش	گلیاتِ آتش
شیخ امام بخش ناسخ	گلیاتِ ناسخ
شیخ ابراہیم ذوق	گلیاتِ ذوق
مومن خان مومن	گلیاتِ مومن
داغ دہلوی	گلیاتِ داغ
اکبر الہ آبادی	گلیاتِ اکبر
حسرت موہانی	گلیاتِ حسرت
فانی بدایونی	گلیاتِ فانی
اصغر گوٹھ وی	گلیاتِ اصغر
جگر مراد آبادی	گلیاتِ جگر